اضافہ شدہ ایڈیشن

چند مایہ ناز اسلاف

قدیم وجدید

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز صاحبؒ
(۲) حضرت شاہ عبدالقادر صاحب جیلانیؒ
(۳) حضرت مجدد الف ثانی امام سرہندیؒ
(۴) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ
(۵) مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ
(۶) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ
(۷) حضرت خواجہ سائیں توکل شاہ صاحب انبالویؒ
(۸) حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب جھنجھانویؒ
(۹) حضرت مولانا محمد صاحب کاندھلویؒ
(۱۰) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
(۱۱) شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ
(۱۲) حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ
(۱۳) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ
(۱۴) حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۱۵) شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ
(۱۶) حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنیؒ
(۱۷) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
(۱۸) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ
(۱۹) حضرت مولانا عبدالباری ندوی بارہ بنکویؒ
(۲۰) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ
(۲۱) حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
(۲۲) حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ
(۲۳) حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید رائے پوریؒ
(۲۴) حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ
(۲۵) حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ
(۲۶) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ
(۲۷) حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہیؒ
(۲۸) حضرت مولانا نثار الحق صاحب ندویؒ
(۲۹) حضرت سید شاہ انور نفیس حسینی لاہوریؒ
(۳۰) حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ
(۳۱) حضرت مولانا [illegible] الرحمن صاحب بجنوریؒ
(۳۲) حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مظاہریؒ
(۳۳) حضرت الحاج حافظ محمد یامین صاحبؒ
(۳۴) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالاؒ
(۳۵) حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ
(۳۶) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اعظم صاحبؒ
(۳۷) حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ
(۳۸) حضرت مولانا عبدالباری بھٹکلی ندویؒ
(۳۹) حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ
(۴۰) حضرت مولانا حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ
(۴۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ

تالیف
محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

ناشر
دار البحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

چند مایہ ناز اسلاف
محمد مسعود عزیزی ندوی
دار البحوث والنشر
مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور (یوپی)

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی
اہم تصنیفات

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور یوپی (انڈیا)
MARKAZU IHYAIL FIKRIL ISLAMI
Muzaffarabad, Saharanpur-247129 U.P. India
Ph. 09719831058, Email: masoodazizi94@gmail.com

ISBN 978-93-5281-201-1

چند مایہ ناز اسلاف

قدیم وجدید

تالیف

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی
رئیس مرکز احیاءالفکرالاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

ناشر
دارالبحوث والنشر
مرکز احیاءالفکرالاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سلسلہ مطبوعات مرکز احیاءالفکرالاسلامی..................................(۸)

نام کتاب: چند مایہ ناز اسلاف–قدیم وجدید (اضافہ شدہ ایڈیشن)

تالیف: محمد مسعود عزیزی ندوی

صفحات: ۵۳۲/

تعداد: ۱۱۰۰/

قیمت: ۲۵۰/روپے

☆ پہلا ایڈیشن ۲۰۰۷ء ☆ دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۸ء ☆ تیسرا ایڈیشن ۲۰۱۷ء

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر مرکز احیاء الفکرالاسلامی

ناشر

دارالبحوث والنشر

مرکز احیاءالفکرالاسلامی، مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)

Mob: 09719831058, 09719639955

Email. masoodazizi96@gmail.com-www.mifiin.org

ملنے کے پتے

☆ دارالکتاب، دیوبند، سہارنپور (یوپی) ☆ نعیمیہ بک ڈپو، دیوبند سہارنپور

☆ مکتبہ ابوالحسن، محلّہ مفتی سہارنپور ☆ مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ اتحاد بک ڈپو، دیوبند، سہارنپور ☆ الفرقان نیا گاؤں مغربی (نظیرآباد) لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تیسرا ایڈیشن

پیش نظر کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید'' راقم کے مختلف ۱۴ر مضامین کا مجموعہ تھا، جو ۲۰۰۷ء میں طبع ہوا تھا، ایک سال کے اندر ہی اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا تھا، پھر دوسرا ایڈیشن کچھ اضافے کے ساتھ ۲۰۰۸ء میں شائع ہوا، وہ بھی چند ہی دنوں میں ختم ہوگیا، بعض احباب کی طرف سے اس کی اشاعت کا پھر تقاضہ ہورہا تھا، مگر کچھ مصروفیات کی بنا پر اس کا موقع نہ مل سکا، اب بفضل الٰہی اس میں مزید ۲۸ر بزرگوں کے حالات شامل کردئے گئے ہیں، اور یہ اضافہ شدہ ایڈیشن ۴۱ر بزرگوں کے حالات پر مشتمل ہوگیا ہے، اللہ کرے اس ایڈیشن کی بھی اسی طرح پذیرائی ہو، جس طرح اس کا پہلا اور دوسرا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ لیا گیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

والسلام

۲۸ر رجب المرجب ۱۴۳۸ھ — محمد مسعود عزیزی ندوی

۲۴ر اپریل ۲۰۱۷ء — رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

- مہبط وحی الٰہی اور مسکن نبی امی مکہ اور مدینہ کے نام
- صحابہ وتابعین اور امت کے مایہ ناز اسلاف کے نام
- اساتذہ کرام اور والدین کے نام
- شیخی ومرشدی حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید رائے پوری کے نام
- مرشدی ومولائی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے نام
- مرشد ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے نام
- دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور تبلیغی جماعت کے نام جن سے اس نامہ سیاہ کے دینی، فکری اور روحانی جذبات وابستہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ سبھوں کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور راقم آثم کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔

۲۱ر۷ر۱۴۲۸ھ — محمد مسعود عزیزی ندوی

۶ر۸ر۲۰۰۷ء — رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ

ولادت: ۶۱ھ مطابق ۶۷۹ء - وفات ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۹ء

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ

ولادت: ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۷۸ء – وفات: ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۶ء

حضرت مجدد الف ثانی امام احمد سرہندیؒ

ولادت: ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء – وفات: ۱۰۳۲ھ مطابق ۱۶۲۴ء

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

ولادت:۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء- وفات:۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ

ولادت:۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء- وفات:۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء

6

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ

ولادت:۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء- وفات:۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء

حضرت خواجہ سائیں توکل شاہ صاحب انبالویؒ

ولادت:۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ء- وفات:۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب جھنجھانویؒ

ولادت: .... — وفات: ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء

حضرت مولانا محمد صاحب کاندھلویؒ

ولادت:.......... -وفات: ۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

ولادت: ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء -وفات: ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

ولادت: ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء - وفات: ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

ولادت: ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء - وفات: ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء

حضرت مولانا محمد الیاسؒ صاحب کاندھلویؒ

ولادت: ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء- وفات: ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ

ولادت: ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء- وفات: ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

ولادت: ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء - وفات: ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنیؒ

ولادت: ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء- وفات: ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

ولادت: ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۴ء- وفات: ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ

ولادت:۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء- وفات:۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۵ء

حضرت مولاناعبدالباری ندوی بارہ بنکویؒ

ولادت:۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء- وفات:۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء

حضرت شیخ الحدیث مولانامحمد زکریا صاحب کاندھلویؒ

ولادت:۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء- وفات:۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دیوبندیؒ

ولادت: ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء - وفات: ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ

ولادت: ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء - وفات: ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء

حضرت الحاج شاہ حافظ عبد الرشید صاحب رائے پوریؒ

ولادت: ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء - وفات: ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

ولادت: ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء- وفات: ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ

ولادت: ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء- وفات: ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

ولادت: ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء- وفات: ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہیؒ

ولادت: ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء- وفات: ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء

حضرت مولانا نثار الحق صاحب ندویؒ

ولادت: ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء- وفات: ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء

حضرت سید شاہ انور نفیس حسینی لاہوریؒ

ولادت:۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء- وفات:۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ

ولادت:۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء- وفات:۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ

ولادت:۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء- وفات:۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۰ء

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مظاہریؒ

ولادت:۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء- وفات:۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

حضرت الحاج حافظ محمد یامین صاحبؒ

ولادت: ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء- وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۲ء

حضرت مولانا عبدالرحیم متالا صاحبؒ

ولادت: ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء- وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۲ء

19

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

ولادت: ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء- وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اصغر صاحبؒ

ولادت: ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء - وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء

حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ

ولادت: ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء - وفات: ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

حضرت مولانا عبدالباری بھٹکلی ندویؒ

ولادت:۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۶۱ء-وفات:۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندویؒ

ولادت:۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء-وفات:۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

حضرت حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

ولادت:۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء-وفات:۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ

ولادت: ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۷ء - وفات: ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۷ء

مقدمہ

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرنسل لابورڈ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش نظر کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف: قدیم وجدید'' مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کے مقالات کا مجموعہ ہے، ان مقالات میں انہوں نے متعدد اہل حق اسلاف اور قابل تقلید اور قابل استفادہ شخصیتوں کا تذکرہ کیا ہے، جن کی زندگیاں علمی ودینی خدمات میں گذری ہیں، انسان انسان سے سیکھتا ہے، اور اپنی زندگی کے لیے اپنے پیش رو کی زندگیوں سے فیض حاصل کرتا ہے، اس لیے یہ امر مفید اور ضروری ہوجاتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے طور وطریق کو جانیں، اور ان میں جو ہماری زندگی کو سنوارنے اور بنانے کے لیے مفید ہو، اس کو اپنی زندگی کے لیے رہنما بنائیں، لہٰذا یہ کام اہم اور ضروری ہوجاتا ہے کہ نئی نسلوں کے سامنے گذری ہوئی نسلوں کے چیدہ چیدہ حضرات کے لائق تقلید حالات پیش کئے جاتے رہیں۔

اسی پر عمل کرتے ہوئے مولوی محمد مسعود عزیزی صاحب نے یہ مقالات لکھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے کا اچھا سلیقہ عطا فرمایا ہے، ان کی متعدد تصنیفات اس سے قبل بھی شائع ہو چکی ہیں، اب ان کے یہ وہ چند اہم مضامین ہیں جن میں انہوں نے اسلاف کرام میں سے بطور خاص چند شخصیتوں کو، جنہیں پیش کرنے کا ان کے دل میں تقاضہ پیدا ہوا، پیش کیا

ہے، میں امید کرتا ہوں کہ اس مجموعۂ مضامین سے فائدہ پہنچے گا، اور جو حضرات مفصل اور بڑی کتابیں نہیں پڑھ سکتے ان کو ان مفید شخصیتوں کو پڑھنے اور ان کے مفید حالات سے واقف ہونے کا موقع ملے گا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور مفید بنائے۔ آمین

والسلام

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۰/۷/۱۴۲۸ھ

۲۶/۷/۲۰۰۷ء

کلمات تبریک

حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری مدظلہ

خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ

بسم اللہ اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مولوی مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ اللہ تعالی کو حق تعالی شانہ نے بڑے علم وفضل اور دوسری علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کو لکھنے کا اچھا ذوق ہے، ان کی متعدد کتابیں چھپ کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، اس طرح ان کا علمی فیض برابر جاری ہے، یہ سب ان پر اللہ تعالی کا انعام خاص ہے، اور بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، اس لیے کہ آپ کے دادا مرحوم منشی عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگوں سے خصوصاً ہمارے آباء واجداد سے بڑا گہرا تعلق ولگاؤ تھا، جن کی دعاؤں اور تعلق ومحبت کا یہ ثمرہ ہے، یہ کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف، قدیم وجدید'' موصوف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے، جو انہوں نے گذشتہ بارہ تیرہ سال کے درمیان مختلف موقعوں پر لکھے تھے، موصوف کے اصلاحی ودعوتی مضامین کے پڑھنے اور دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر ان پر عمل کیا جائے تو یقیناً امت کے لیے بڑے نافع اور مفید ہو سکتے ہیں، اللہ تعالی امت کے لیے زیادہ سے زیادہ نافع بنائے اور قبول فرمائے۔

ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے قول وعمل میں تضاد نہ ہو، اس کی دعوت کا

اسلوب پیغمبروں کے انداز پر ہو، وہ اپنے مخاطب کی نفسیات کو ملحوظ رکھ کر دینی دعوت کو پیش کرے، داعی کو بے لوث اور بے غرض ہونا چاہئے اور ''ان اجری الا علی اللّٰہ'' کو ذہن میں متحضر رکھنا چاہئے، اس سے دعوت کا کام مؤثر اور انقلاب انگیز ہوتا ہے، اس کتاب کے جو مضامین ہیں وہ ایسے ہی اصحاب قلوب، نفوس قدسیہ اور اصحاب دعوت وعزیمت کے سوانح حیات اور حالات زندگی سے متعلق ہیں، جن کی زبان میں اور جن کی باتوں میں اللہ نے تاثیر رکھی تھی اور انہوں نے ایسے اصلاحی کام انجام دیئے ہیں کہ وہ تاریخ کے ہیرو وابطال بن گئے ہیں، اور ان کے دعوتی واصلاحی کارنامے آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہیں، ان کے حالات زندگی پڑھ کر خود اپنی زندگیوں میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے، خدا کرے کہ یہ کتاب نئی نسل کی زندگی میں انقلاب لانے کے لیے مہمیز کا کام کرے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور اس کتاب کو نافع بنائے۔ آمین

۶/۸/۲۰۰۷ء
بروز پیر بوقت صبح

والسلام
سید مکرم حسین سنسار پوری

تقریظ

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عزیز القدر مولوی مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ اللہ تعالی ونفع بہ، ایام طالب علمی سے ہی اچھا علمی ذوق رکھتے ہیں اور انہی ایام سے اپنی تحریری صلاحیت کو بڑھاتے رہے ہیں، اب تک متعدد کتابیں ان کے قلم سے منظر عام پر آچکی ہیں، اس وقت اپنے اسلاف پر جو مضامین انھوں نے تحریر کئے تھے، ان کو یکجا کر کے ''چند مایہ ناز اسلاف، قدیم وجدید'' کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے۔

اس دور پرفتن میں اسلاف کے کارناموں کو نئی نسل کے سامنے پیش کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے، اس لیے ان کی یہ کوشش مستحسن اور قابل قدر ہے، اللہ تعالی پڑھنے والوں کو استفادہ کی توفیق دے اور قبول فرمائے۔ آمین

عبداللہ حسنی ندوی — ۱۰/۷/۱۴۲۸ھ

استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ — ۲۶/۷/۲۰۰۷ء

پیش لفظ

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب فیضی ندوی

صدر الندوہ ایجوکیشنل اسلامک سینٹر، کناڈا

اللہ جل شانہ کے انعامات حضرت انسان پر اتنے اور ایسے ایسے ہیں کہ نہ تو انہیں قطار وشمار میں لایا جاسکتا ہے اور نا ہی ان انعامات کی گہرائی وگیرائی تک ہماری رسائی ہوسکتی ہے، ان تمام انعامات میں سے ایک بڑا انعام علم وفکر کا انعام ہے۔

گرامی قدر مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب کو حق تعالی شانہ نے بڑے علم وفضل اور دوسری علمی صلاحیتوں سے نوازا ہے، ان کی متعدد کتابیں چھپ چکی ہیں، اس طرح ان کا علمی فیض برابر جاری وساری ہے، یہ سب ان پر اللہ تعالی کا خاص انعام ہے۔

زیر نظر کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف - قدیم وجدید'' مولانا کے مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے، ان مقالات میں انہوں نے بہت سارے قدیم وجدید اسلاف کے کارنامے، طور طریقے اور حالات زندگی بیان کئے ہیں۔

تاریخ، سیرت اور سوانح نگاری بہت اہم موضوع ہے، انسان انسان سے سیکھتا ہے، اور اپنی زندگی کے لئے اپنے پیش رو کی زندگیوں سے فیض حاصل کرتا ہے، انسانی سیرت کی پاکیزگی، اخلاق کی بلندی اور کردار کی پختگی کا واحد اور مؤثر ذریعہ اچھی صحبت ہے، اسلام سے پہلے جس دور کو ہم جاہلیت کے دور سے تعبیر کرتے ہیں یہ اصول متفق علیہ تھا، مشہور جاہلی شاعر ''طرفہ'' اپنے معلقہ اشعار میں کہتا ہے:

عَنِ الْمَرْءِ لَاتَسْأَلْ وَابْصِرْ قَرِيْنَهٗ ❁ فَاِنَّ الْقَرِيْنَ بِالْمَقَارِنِ مُقْتَدِیٗ

اِذَا كُنْتَ فِيْ قَوْمٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ ❁ وَلَاتَصْحَبِ الْاَرْدٰی فَتَرْدٰی مَعَ الرَّدِیْ

یعنی اگر تم کو کسی شخص نے متعلق تحقیق مقصود ہو تو اس شخص کی تحقیق نہ کرو، بلکہ اس کے ہم نشینوں کو دیکھو کیونکہ دوست اپنے ہم نشینوں کا متبع ہوتا ہے، جیسے ہم نشین ہوں گے ویسا ہی وہ شخص ہوگا، جب تم کسی قوم میں ہو تو اس قوم کے اچھوں کی صحبت اختیار کرو، ناکارہ لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھو، ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

اس لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ ہم اچھی صحبت اختیار کریں اور اپنے اسلاف کی زندگیوں کو جانیں اور ان میں جو ہماری زندگی کو سنوارنے اور بنانے کیلئے مفید ہو اس کو اپنی زندگی کا آئیڈیل بنائیں اور اپنے تابناک ماضی کی روشنی سے روشن مستقبل کیلئے ہمیں کوشاں رہنا چاہئے۔

مولانا محترم نے ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد اس اہم مقصد کیلئے ایک ادارہ قائم کیا جو "مرکز احیاء الفکر الاسلامی" کے نام سے معروف ومشہور ہے، یہ ادارہ تعلیم وتربیت کے بلند مقاصد سے قائم کیا گیا ہے، جہاں کے فارغین کی تربیت اس طرح سے کی جاتی ہے کہ وہ علم دین کی مہارت کے ساتھ جدید حالات سے باخبر ہوں، صرف باخبر نہ ہوں بلکہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں، ان کے اندر جرأت انداز اور جذبہ قلندرانہ ہو اور ان کے اندر ایسی ایمانی حرارت اور اسپرٹ پیدا ہو جائے کہ وہ وقت کے تھپیڑوں میں بہنے کے بجائے وقت کے تیز دھاروں کو موڑ سکیں، ان کے اندر یقین محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم، احساس عمل، احتساب کائنات کی صفات پیدا ہو جائیں، حیات میں قدم رکھیں تو پوری حق گوئی وبیباکی کے ساتھ نقارہ حق بجائیں بلکہ ہر موڑ پر ہر سخت ومشکل وقت میں امت مسلمہ کی رہنمائی وقیادت کر سکیں، ایک داعی کے لئے جہاں ایک طرف نگاہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز کی ضرورت ہے وہیں دوسری طرف اپنی ثقافت وتہذیب، اپنے اسلاف کے روشن کارنامے اور طور طریق کا علم ہونا ضروری ہے، اس اہم وعظیم مقصد کے حصول کیلئے مرکز نے مندرجہ ذیل مختلف شعبے قائم کئے ہیں:

(۱) جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیۃ۔ (۲) جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات۔

(۳) شعبہ عربی ادب۔ (۴) ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر۔

(۵) شعبہ صنعت وحرفت۔ (۶) اے ایس پبلک اسکول۔

(۷) مکتبۃ الامام ابی الحسن العامۃ۔ (۸) جمعیۃ اصلاح البیان۔

(۹) دعوت وارشاد۔ (۱۰) دارالافتاء۔

(۱۱) دارالقضاء۔ (۱۲) مجلس صحافت اسلامیہ۔

(۱۳) دارالبحوث والنشر۔ (۱۴) شعبہ کمپیوٹر۔

(۱۵) ادارۃ المشاریع۔ (۱۶) شعبہ مطبخ۔

مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب نے ان مقالات میں بہت ساری قدیم وجدید شخصیات کو جمع کر دیا ہے، اور ایک عالم کی ذمہ داری کما حقہ ادا کی ہے، مولانا نہایت سادہ انداز، عام فہم اسلوب اور دلکش ودلنشین طریقہ سے پیش کیا ہے، یہ علمی بھی ہیں دعوتی بھی اور اصلاحی، عوام وخواص بلکہ ہر طبقہ اور ہر سطح کے لوگوں کیلئے مفید ہیں، مولانا محترم کی دوسری تصانیف کی طرح یہ مقالات کا مجموعہ بھی قابل قدر اور مفید ہے، مولانا محمد مسعود عزیزی صاحب ندوی کے مضامین مختلف جرائد ومجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں، ان کی بڑی خوبی استقلال واستقامت ہے، وہ جس کام کو شروع کرتے ہیں تو اس میں تغافل نہیں برتتے، ان کی یہ کاوش قابل تحسین ہے۔

اللہ تعالیٰ مصنف کو جزاء خیر عطا فرمائے اور اس کتاب کو امت کی اصلاح کا ذریعہ اور اس مخلصانہ کوشش کو قبولیت سے سرفراز کرے اور قاری کو کما حقہ فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

۲۸ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ — ڈاکٹر سعید الرحمٰن فیضی ندوی

مطابق ۱۸/اکتوبر ۲۰۱۷ء — صدر الندوی ایجوکیشنل اسلامک سینٹر کناڈا

عرض مؤلف

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سیدالمرسلین محمدو آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعابدعوتھم الی یوم الدین،امابعد!

انسانی زندگی میں انقلاب اور جذبہ وعمل کا شوق پیدا کرنے اور انسان کے صحیح خطوط پر چلنے کے لیے قرآن وحدیث کے بعد بزرگوں کے حالات، اسلاف کے سوانح حیات کی کتابوں اور ان کی زندگی کے دعوتی واصلاحی کارناموں کے تذکروں سے زیادہ محرک ومؤثر اور انقلاب انگیز تصنیفی صنف اور موضوع نہیں پایا جاتا ہے۔

اسی لیے ہر زمانہ میں اکابرین امت، اسلاف کرام، ائمہ عظام، مصلحین ومجددین، دعاۃ ومبلغین، مصنفین ومحققین کے حالات زندگی اور ان کی سوانح عمریاں لکھی جاتی رہی ہیں، اور لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا، اور اپنی زندگیوں کو ان کی زندگی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے اسلاف کے نقش قدم پر چل کر اور اپنی زندگی کو ان کی زندگی کے مطابق گذار کر اللہ کے یہاں مقبولیت ومحبوبیت کا مقام حاصل کرلیا اور دنیا کے انسانوں کو زندگی گذارنے کا سلیقہ سکھایا، اور ان کے اندر عشق ومحبت کی چنگاری جلائی اور آنے والی نسلوں کے لیے اچھے مأثر و کارنامے چھوڑے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

پیش نظر کتاب میں ایسے ہی مایہ ناز اسلاف امت اور اکابرین ملت، مصلحین ومقبولین بارگاہ الٰہی کے حالات ہیں جن سے قوم وملت کی اصلاح وتعمیر ہوئی اور جن سے دعوت وعزیمت کی تاریخ وابستہ ہے، یہ دراصل راقم کے ان مقالات کا مجموعہ ہے جو گذشتہ بارہ

تیرہ سالوں میں مختلف موقعوں اور مناسبتوں کیلئے لکھے گئے تھے، ان میں کچھ تو وہ ہے جو مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں لکھے تھے اور کچھ وہ ہیں جو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تحریر کئے تھے، اور بعض دوسرے موقعوں کے لیے لکھے تھے، بعض معاصر رسائل وجرائد کے مدیران کی خواہش پر لکھے اور بعض اپنے رسالہ نقوش اسلام کیلئے لکھے، راقم سطور کا خیال تھا کہ ان مقالات کو اپنے دوسرے مضامین (جو اصلاحی ودعوتی اور علمی وتحقیقی غرض سے لکھے گئے تھے) کے ساتھ ''مقالات عزیزی'' کے نام سے شائع کردیا جائے، کمپوزنگ ہوچکی تھی، لیکن جب دوراندیش مرشد ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سامنے یہ مقالات پیش کئے گئے تو نبض شناس حکیم اور مصلح نے شخصیات کے باب کو الگ سے شائع کرنے کی ہدایت فرمائی اور شخصیات کے اس مجموعہ کا نام ''چند مایہ ناز اسلاف، قدیم وجدید'' متعین فرمایا، باقی مجموعہ مضامین کا نام ''مقالات ومشاہدات'' منتخب فرمایا اور ان دونوں کے لیے الگ الگ مقدمے تحریر فرمائے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر قائم ودائم رکھے۔

چونکہ یہ کتاب راقم کی مستقل تصنیف نہیں بلکہ مختلف اوقات میں لکھے گئے ۴۱/مضامین کا مجموعہ ہے، اس لئے شاید قاری کو اس کے مضامین وعبارات میں ہم آہنگی محسوس نہ ہو، بلکہ اسلوب اور انداز میں بھی فرق ہوسکتا ہے، البتہ اس مجموعہ میں مذکور شخصیات کے مختصر حالات، اخلاق وکردار، خصوصیات وامتیازات کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی گئی ہے، جس سے قاری کے اندر اصلاح ودعوت کا جذبہ ابھرے اور وہ حیات عزیز کے لمحات کو ان اسلاف کی زندگیوں کی طرح گزارنے کی کوشش کرے، مزید تفصیلی حالات کے لیے اصل مراجع اور بڑی کتابوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

راقم اپنے خیرخواہ، مربی، مشرف دعاۃ حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی استاذ

حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا بہت ہی ممنون ومشکور ہے کہ آنجناب نے احقر کی درخواست پر اپنی گوناگوں مصروفیات اور علالت کے باوجود اپنے محبت آمیز دعائیہ کلمات سے نوازا(۱)،اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وعافیت عطا فرماکر امت کی ہدایت ورہنمائی کا خوب سے خوب تر کام لے،اور آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

اسی طرح مخدوم محترم حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری مدظلہ خلیفہ مجاز حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ نے بھی اپنے کلمات تبریک ازراہ شفقت عنایت فرمائے،اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر قائم رکھے اور زیادہ سے زیادہ امت کو آپ کا فیض پہنچے۔

اخیر میں اس کتاب کے قارئین سے گذارش کی جاتی ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے اگر کسی کو کوئی فائدہ یا معلومات میں اضافہ، یا عمل کا جذبہ پیدا ہو،تو وہ راقم کے لیے یہ دعا ضرور فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان کامل پر خاتمہ نصیب فرماکر ان مایہ ناز اسلاف کے ساتھ حشر فرمائے اور اس کتاب کو راقم،اس کے والدین،اس کے اساتذہ اور اس کے مشائخ کی مغفرت کا ذریعہ بنائے،اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول فرمائے اور اپنی زندگی کو ان مایہ ناز اسلاف کی زندگی کے مطابق گذارنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

۴/۸/۲۰۰۷ء — محمد مسعود عزیزی ندوی

۲۰/۷/۱۴۲۸ھ شب یکشنبہ — رئیس مرکز احیاء الفکر الاسلامی،مظفرآباد

تاریخ اضافہ دوم: ۱۳/ذی القعدہ ۱۴۳۲ھ م ۱۲/اکتوبر ۲۰۱۱ء

تاریخ اضافہ سوم: ۲۸/رجب ۱۴۳۸ھ م ۲۴/اپریل ۲۰۱۷ء

(۱) مولانا عبداللہ حسنی ندوی کا ۳۰/جنوری ۲۰۱۳ء میں انتقال ہوگیا،اللہ تعالیٰ آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف صاحب کتاب

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی بن حافظ عبدالستار بن منشی عبدالعزیزؒ بروز جمعہ ۱۲/ربیع الاول ۱۳۹۴ھ م ۵/اپریل ۱۹۷۴ء مظفری قصبہ مظفرآباد ضلع سہارنپور (یوپی) میں پیدا ہوئے،عزیزی کی نسبت اپنے دادا حضرت منشی عبدالعزیزؒ کی طرف کرتے ہیں،جو ایک عبادت گذار،نیک وپرہیزگار آدمی تھے،جن کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا تھا اور علماء ربانیین اور صلحاء متقین سے گہرا تعلق تھا،مولانا کے والد صاحب حضرت حافظ عبدالستار صاحب عزیزی کی پیدائش یکم اپریل ۱۹۳۲ء کو ہوئی،انہوں نے حفظ قرآن کے بعد عصری تعلیم حاصل کی،اسکول اور دینی مدرسہ میں درس وتدریس کے بعد پوسٹ آفیس میں ایک عرصے تک ملازمت کی،ریٹائرڈ ہونے کے بعد مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد میں اپنی دینی خدمات وفات تک پیش کیں،بیعت وسلوک کا تعلق حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری سے رکھا، جو آپ کے استاد بھی تھے،۱۷/جولائی ۲۰۱۶ء میں وفات پائی، حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری نے نماز جنازہ پڑھائی، جبکہ اکتالیس سال قبل آپ کے والد منشی عبدالعزیز صاحب کی نماز جنازہ بھی حضرت موصوف نے ہی اکتوبر ۱۹۷۵ء میں پڑھائی تھی،مفتی صاحب کی والدہ محترمہ کی وفات ۲۰/فروری ۲۰۱۲ء میں ہوگئی تھی،اللہ تعالیٰ سبھوں کی مغفرت فرماکر درجات بلند فرمائے۔

ابتدائی تعلیم

ابتدائی تعلیم محلّہ کی مسجد میں حافظ محمد اخلاق صاحبؒ سے حاصل کی اور یہیں قرآن مجید

کے آخری دو پارے حفظ کئے، نو سال کی عمر میں ۱۲؍شوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۲۳؍جولائی ۱۹۸۳ء سنیچر کے روز کو جامعہ بیت العلوم پیپلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ) میں داخل کئے گئے اور وہاں نو سال رہ کر قرآن کریم بروایت حفص تجوید وترتیل کے ساتھ حفظ کیا، اور سند حاصل کی، وہاں اردو، ہندی، انگریزی پڑھی، فارسی اور عربی نحو وصرف کی چند کتابیں پڑھیں، نیز جامعہ اردو علی گڈھ کے امتحانات میں بھی شریک ہوئے اور ''ادیب''، ''ادیب ماہر'' کے امتحانات دیئے اور فرسٹ ڈویژن سے پاس ہوئے، اور کمپیوٹر سیکھا، وہیں کے دوران قیام اردو میں ''مختصر تجوید القرآن'' نامی ایک کتاب تصنیف کی، جس پر اس فن کے علماء نے تقاریظ لکھیں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے مقدمہ اور حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ نے اپنی رائے لکھی، اس کتاب نے علمی حلقوں میں قبولیت حاصل کی، کراچی سے بھی اس کی اشاعت ہوئی، یہاں تک کہ بہت سے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب کی گئی، اور کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔

اس کے بعد ۱۴؍شوال ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۵؍اپریل ۱۹۹۲ء میں ''مدرسہ فیض ہدایت رحیمی'' رائے پور میں داخلہ لیا اور یہاں دو سال گزارے اور درس نظامی کے مطابق کافیہ وشرح جامی تک تعلیم حاصل کی، رائے پور کے قیام کے دوران حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ (ت: ۱۹۹۶ھ) کی صحبت اختیار کی، جو عارف باللہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ (ت: ۱۹۶۲ء) کے خادم خاص اور خلیفہ تھے، ان کے دست مبارک پر بیعت کی، انکی مجلسوں میں شریک رہے، ان کی صحبت سے فیض اٹھایا، سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہے، ان سے دینی وروحانی تربیت حاصل کی، اور پنجوقتہ نمازوں میں ان کی امامت کرنے کا بھی شرف حاصل کیا، ان کی وفات کے بعد ان کے حالات وسوانح پر ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی، جس نے کافی مقبولیت حاصل کی، اور اس کے چار ایڈیشن شائع ہوگئے۔

اعلیٰ تعلیم

اس کے بعد ۷؍شوال ۱۴۱۴ھ مطابق ۳۰؍مارچ ۱۹۹۴ء میں ''مدرسہ ضیاء العلوم'' میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوئے اور وہاں عالیہ اولی تک تعلیم حاصل کی، وہاں کے ماہر اساتذۂ کرام سے استفادہ کیا اور مدرسہ کے علمی دعوتی وفکری ماحول اور آب وہوا سے متاثر ہوئے حتی کہ علم ومطالعہ اور تحریر ونگارش میں اپنی صلاحیتوں کو اجاگر کیا، اور آخری سال میں ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سالانہ امتحان میں شریک ہوئے، امتحان میں کامیابی کے بعد ۱۳؍شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۱۵؍مارچ ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے اور وہاں تین سال میں ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۸ء کو شرعی علوم اور عربی زبان وادب میں عالمیت کی سند حاصل کی۔

فقہ وفتاوی میں اختصاص

اگلے سال ماہ شوال ۱۴۱۸ھ میں درجہ فضیلت میں داخل ہوئے اور دو سال میں فقہ وافتاء میں تخصص کیا اور سند حاصل کی، شعبان ۱۴۲۰ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۹ء میں ندوہ سے فراغت حاصل کی، ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران دو سالوں (۱۹۹۶ء/ ۱۹۹۷ء) میں مولانا قاری ریاض احمد مظاہری صدر شعبۂ تجوید وقراءت سبعہ وعشرہ سے قراءت سبعہ کی تکمیل کی۔

ندوہ کے خاص اساتذہ

مندرجہ ذیل اساتذۂ کرام سے بطور خاص استفادہ کیا: مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، صحافی وادیب حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی، امام وخطیب حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مفتیٔ اعظم ندوہ حضرت مولانا مفتی محمد ظہور

صاحب ندویؒ، ادیب دوراں حضرت مولانا نذر الحفیظ صاحب ندوی ازہری، محدث جلیل
حضرت مولانا ناصر علی صاحب ندویؒ، مفسر قرآن حضرت مولانا برہان الدین صاحب
سنبھلی، فقیہ زماں حضرت مولانا عتیق احمد صاحب بستوی، خطیب عصر حضرت مولانا سید
سلمان حسینی صاحب ندوی، داعی الی اللہ حضرت مولانا سید عبداللہ محمد حسنی ندویؒ، حضرت
مولانا یعقوب صاحب ندوی، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سنبھلی ندوی، حضرت مولانا
نیاز احمد صاحب ندوی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب ندوی، حضرت مولانا مفتی محمد مستقیم
صاحب ندوی، حضرت مولانا برجیس صاحب ندویؒ وغیرہم۔

حضرت مفکر اسلام سے خاص تعلق

مولانا نے ندوۃ العلماء میں قیام کے دوران حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے
بیعت کی اور ان کی علمی مجلسوں اور صحبتوں سے فیضاب ہوئے، یہاں تک کہ حضرت کے
قریب ہوگئے اور اخیر دور میں حضرت کی خدمت اور تین وقتوں کی نماز کی امامت کی بھی
سعادت حاصل کی اور حضرت کی صحبت بابرکت سے خصوصی فیض اٹھایا اور مولانا کی آٹھ
کتابوں پر حضرت نے مقدمے تحریر فرمائے، نیز نکاح بھی حضرت مولانا نے پڑھایا اور خود
حضرت نے ہی ولیمہ بھی کیا۔

بیعت وسلوک وطریقت

آپ سب سے پہلے ۱۵رشعبان ۱۴۱۳ھ مطابق ۸رفروری ۱۹۹۳ء پیر کے روز حضرت
مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے خلیفہ حضرت الحاج شاہ عبدالرشید صاحب رائے
پوری سے بیعت ہوئے، اور ان کی خدمت وصحبت سے فیض اٹھایا، ۷ررمضان ۱۴۱۶ھ م ۲۷ر
جنوری ۱۹۹۶ء میں ان کی وفات کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی

نوراللہ مرقدہ سے ۲۴رشوال ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۵رمارچ ۱۹۹۶ء کو رجوع کیا اور بیعت ہوئے،
اور ان کی مجالس اور صحبت بابرکت سے فیضیاب ہوئے، ۲۲ررمضان ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ر
دسمبر ۱۹۹۹ء بروز جمعہ حضرت مفکر اسلام کے وصال کے بعد انکے جانشین مرشد الامت
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تجدید بیعت کی،
اب ان کی سرپرستی میں تعلیمی، سماجی، رفاہی، تبلیغی اور اصلاحی دعوتی سرگرمیاں جاری رکھ کر
خدمت دین کا کام انجام دے رہے ہیں۔

اجازت وخلافت

مئی ۲۰۱۴ء میں آپ نے قطر کا سفر کیا، وہاں آپ کی ملاقات مفکر اسلام حضرت مولانا
سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کے مجاز اور حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی
کے خلیفہ حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ندوی سے ہوئی، حضرت مولانا ظریف احمد
صاحب نے مفتی صاحب موصوف کو سلاسل اربعہ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے سلسلہ میں
۱۹ررجب ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹رمئی ۲۰۱۴ء پیر کے روز اجازت وخلافت عطا فرمائی اور جب
حضرت مولانا ظریف احمد صاحب ندوی ۳رستمبر ۲۰۱۴ء کو مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد
تشریف لائے تو مرکز کی جامع مسجد میں ایک مجمع کے سامنے موصوف کی اجازت وخلافت کا
اعلان کیا، اس کے کچھ ہی دنوں کے بعد حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب قاسمی خلیفہ حضرت
شاہ حافظ عبدالستار صاحب نانکویؒ سے ملاقات کے لئے چھٹمل پور جانا ہوا تو حضرت نے
بھی مولانا موصوف کو ۲۹رربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۹رفروری ۲۰۱۵ء جمعرات کے روز
اجازت وخلافت سے نوازا، اور راقم کو فرمایا کہ اس کا اظہار کردو اور رسالے میں بھی شائع
کردو، اس طرح موصوف کا علمی وروحانی اور اصلاحی فیض بھی جاری وساری ہے، مولانا
موصوف دنیا کے مختلف ممالک میں دو درجن سے زیادہ علماء کرام کو یہ روحانی فیض منتقل

کر چکے ہیں اوران کواجازت وخلافت دے چکے ہیں، اللہ تعالی سب کودین کی خدمت کیلئے قبول فرمائے۔

تالیفات

عربی واردواورانگریزی زبانوں میں مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی تقریباً ۷۴رکتابیں چھپ چکی ہیں:

عربی

(۱)ریاض البیان فی تجوید القرآن
(۲)مراجع الفقه الحنفی ومیزاتها
(۳)الإمامة فی الصلاة مسائلها وأحکامها
(۴)التدخین بین الشرع والطب
(۵)سیرة النبی الاکرم
(۶)القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة

اردو

(۷) مختصر تجوید القرآن
(۸) بچوں کی تمرین التجوید
(۹) جیب کی تجوید
(۱۰) رہنمائے سلوک وطریقت
(۱۱) فقہ حنفی کے مراجع اوران کی خصوصیات
(۱۲) امامت کے مسائل واحکام
(۱۳) حیات عبدالرشیدؒ
(۱۴) سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ

(۱۵) تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ
(۱۶) تذکرہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ
(۱۷) تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
(۱۸) تذکرہ شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ
(۱۹) چند مایہ ناز اسلاف (قدیم وجدید)
(۲۰) مقالات ومشاہدات (۲۸رمضامین کا مجموعہ)
(۲۱) مکتوبات اکابر (بیس بزرگوں کے خطوط)
(۲۲) چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
(۲۳) افکار دل (۳۰رخطبات کا مجموعہ)
(۲۴) مدارس اسلامیہ کا نظام-تحلیل وتجزیہ
(۲۵) تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
(۲۶) سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
(۲۷) تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ
(۲۸) قادیانیت-نبوت محمدی کے خلاف بغاوت
(۲۹) میری والدہ مرحومہ
(۳۰) لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
(۳۱) نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالاؒ
(۳۲) ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
(۳۳) تصوف اوراکابر دیوبند
(۳۴) اللہ ورسول کی محبت
(۳۵) ماں باپ اوراولاد کے حقوق

انگلش

اسفار

پہلی مرتبہ ٢٠٠٠ء میں پڑوسی ملک پاکستان کا سفر کیا اور وہاں بہت سے علماء، صلحاء اور ادباء سے ملاقات کی اور استفادہ کیا، پھر ٢٠٠١ء میں جنوبی افریقہ کا سفر کیا اور وہاں مسلمانوں کے حالات اور ان کی دینی، اصلاحی، دعوتی سرگرمیاں دیکھیں اور اسلامی مکاتب و مدارس اور ان کے تجارتی مراکز کا معاینہ کیا اور بہت سے اسلامی دانشوروں اور علماء کرام سے ملاقات کی۔

اس کے بعد جنوبی افریقہ کے پڑوسی ممالک جیسے ''بوٹسوانہ'' کا نومبر ٢٠٠١ء میں سفر کیا، پھر رمضان ١٤٢١ھ مطابق دسمبر ٢٠٠١ء میں شوازی لینڈ کا سفر کیا، اس کے بعد زمبابوے بھی جانا ہوا، اور ٢٠٠٢ء میں کویت کا سفر کیا اور وہاں شیخ نادر عبدالعزیز نوریؒ (جنرل سکریٹری جمعیۃ الشیخ عبداللہ النوری الخیریہ، ومدیر علاقات خارجیہ وزارۃ اوقاف کویت) اور شیخ عبداللہ العلی المطوعؒ (صدر جمعیۃ الاصلاح الاجتماعی، ومالک شرکۃ علی عبدالوہاب) اور فاضل استاذ شیخ یوسف جاسم الحجی (صدر انٹرنیشنل اسلامک چیریٹیبل آرگنائزیشن) سے ملاقات کی اور یہاں دس روز قیام رہا اور سرکاری مہمان رہے، اسی سال متحدہ عرب امارات دبئی کی بھی زیارت کی اور یہاں تین دن قیام کیا۔

ماہ رمضان ١٤٢٤ھ مطابق ٢٠٠٣ء میں عمرہ کے لیے حجاز مقدس کا سفر کیا اور حرم مکی کے قریب ''مدرسہ صولتیہ'' میں قیام کیا، اس کے بعد مدینہ منورہ جا کر مسجد نبوی کی زیارت کی، اس میں نماز پڑھی اور ریاض الجنۃ اور روضۂ اطہر پر حاضری دی۔

٢٠٠٤ء میں ایک افریقی ملک ''ملاوی'' کی راجدھانی ''للونگوے'' کا سفر کیا، پھر ''زامبیا'' گئے اور وہاں ''چیپاٹا'' اور ''زامبیا'' کی راجدھانی ''لوساکا'' گئے، اور وہاں علماء اور صلحاء، دعاۃ سے ملاقات کی، جو وہاں سیاہ فام لوگوں اور نئی نسل کی اسلامی تعلیم و تربیت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، وہاں کے اکثر لوگ جود و سخاوت اور اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا اور دینی و دعوتی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں، ایک جم غفیر کی موجودگی میں راجدھانی کی مسجد ''النور'' میں بیان کیا، اور ان کے سامنے کتاب و سنت کی روشنی میں دعوت الی اللہ کے اصول و ضوابط اور فضائل و احکام پیش کئے اور مسلموں اور غیر مسلموں میں ان کی دعوتی اور اصلاحی خدمات اور سرگرمیوں کو سراہا، تقریباً ایک ماہ یہاں قیام رہا، ماہ ذی الحجہ ١٤٢٥ھ مطابق ٢٠٠٥ء میں اپنے والدین کے ساتھ مناسک حج بیت اللہ اور عمرہ کی ادائیگی کے لیے حجاز مقدس کا سفر کیا، اس کے بعد جنوبی افریقہ اور

زامبیا متعدد مرتبہ جانا ہوا، کئی مرتبہ موزمبیق بھی جانا ہوا، اور ۲۰۱۱ء میں ملیشیا اور سنگاپور کا بھی سفر ہوا، مئی ۲۰۱۴ء میں آپ نے قطر کا سفر کیا، اور ایک ہفتہ وہاں قیام رہا، اس کے درمیان حج اور عمرہ کے اسفار بھی ہوئے، اور مارچ ۲۰۱۷ء میں ری یونین اور ماریشس کا بھی سفر ہوا اور دو ہفتے وہاں قیام رہا، ستمبر ۲۰۱۷ء کے آخیر میں یوکے (برطانیہ) کا سفر کیا، وہاں ایک ماہ قیام رہا، اور اکتوبر کے اخیر میں کناڈا کا سفر کیا اور وہاں بھی ایک ماہ کے قریب قیام رہا۔

سابقہ مشغولیات

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد ۲۰۰۰ء میں ''جامعہ بیت العلوم'' پہلی مزرعہ، یمنا نگر (ہریانہ) میں مدرس اور مفتی کی حیثیت سے تقرر ہوا، اس کے بعد جامعہ میں ناظم تعلیمات کے منصب پر فائز ہوئے اور وہاں صرف ایک سال قیام فرما کر سبکدوشی حاصل کی۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی کا قیام

اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی سرپرستی میں ۲۰؍رجب ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۲۰۰۰ء کو قصبہ مظفرآباد ضلع سہارنپور (یوپی) میں ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کے نام سے ایک دینی، دعوتی اور علمی مرکز قائم کیا، جو نسل نو کی اسلامی تعلیم وتربیت کی خدمت انجام دے رہا ہے، اس کی بنیاد صحیح اسلامی فکر پر رکھی گئی ہے، اس کا مقصد علوم اسلامیہ کی اشاعت وحفاظت اور سیرت نبوی اور قرآن وحدیث کے مطابق نئی نسل کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے۔

مرکز کے شعبہ جات

مرکز کی زیر نگرانی حسب ذیل شعبے کام کر رہے ہیں:

(۱) جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ　(۲) جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات

(۳) ڈپلومہ ان انگلش لنگویج اینڈ لٹریچر　(۴) اے ایس پبلک اسکول

(۵) مکتبۃ الامام ابی الحسن العامۃ　(۶) دار البحوث والنشر

(۷) دار الافتاء　(۸) جمعیۃ اصلاح البیان

(۹) مجلس صحافت اسلامیہ　(۱۰) شعبۂ تعمیر مساجد

(۱۱) شعبۂ دعوت وارشاد　(۱۲) شعبۂ کمپیوٹر　(۱۳) مطبخ۔

موجودہ عہدے اور ذمہ داریاں

ناظم: مرکز احیاء الفکر الاسلامی

مہتمم: جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ

شیخ الحدیث: جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات

جنرل سکریٹری: دار البحوث والنشر

چیف ایڈیٹر: ماہنامہ ''نقوش اسلام''

والسلام

حمید اللہ قاسمی کبیر نگری

۱۴؍اکتوبر ۲۰۱۷ء

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ☆

ولادت: ۶۱ھ مطابق ۶۷۹ء – وفات: ۱۰۱ھ مطابق ۷۱۹ء

تمہید

خلافت راشدہ کے بعد اسلام پر جاہلیت اور ملوکیت نے جو حملہ کیا تھا، سیاست اور مذہب کی تفریق نے دین کی جامعیت کے خلاف جو فتنہ برپا کیا تھا، شورائیت اور اسلامی جمہوریت کے بجائے شخصی اور خاندانی استبداد و مطلق العنانی نے جو یورش کی تھی، انتخاب کے بجائے ولی عہدی کی قیصر و کسریٰ کی سنت نے جو جنم لیا تھا، اس فتنہ کا سر کچلنے کی جدوجہد میں اسلام کے تصور، مذہب کی جامعیت کو محفوظ رکھنے کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگانے ہی میں حضرت حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جام شہادت نوش کیا تھا، سروں کی قربانی پیش کی تھی اور تختہ دار پر لٹکائے گئے، اصلاح و تجدید کی کوشش میں یہ لوگ قربان ہوتے رہے، مگر یہ اژدہا پروان چڑھتا رہا، حتی کہ مشیت ایزدی نے عمر بن عبدالعزیز کو منتخب کرکے اس عالم میں وجود بخشا، آپ پلتے ہیں، بڑھتے ہیں اور پروان چڑھتے ہیں، اچانک آپ تخت خلافت پر پہنچتے ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام کی سنت کے مطابق حکومت و اقتدار کی طاقت سے کام لے کر تجدید و احیائے دین کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور اس شان سے انجام دیتے ہیں کہ ایک بار پھر خلافت راشدہ کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے،

☆ یہ مضمون مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں ایک سلسلہ مضامین کے تحت ۱۴۱۵ھ میں لکھا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ ہر صدی کے مجددین کے حالات لکھے جائیں، چنانچہ پہلے مجدد اعظم حضرت عمر بن عبدالعزیز سے سلسلہ شروع کیا تھا، جو ایک باب کی شکل میں وجود میں آ کر تعلیمی مشاغل کی وجہ سے رک گیا تھا، یہ باب یہاں کچھ اضافوں کے ساتھ جزء کتاب بنا دیا گیا۔

اس طرح آپ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "إن اللہ یبعث لھذہ الامة علی رأس کل مائة سنةٍ من یجدد لھا دینھا" (۱) کے مطابق مجدد اعظم و مجدد اول ہو جاتے ہیں۔

نام ونسب

نام عمر والد کا نام عبدالعزیز دادا کا نام مروان بن حکم تھا، کنیت ابوحفص (۲) پورا سلسلہ نسب یہ ہے، عمر بن عبدالعزیز بن مروان بن الحکم بن العاص بن امیہ بن عبدشمس (۳) آپ کی والدہ حضرت فاروق اعظم کی پوتی ام عاصم یعنی عاصم بن عمر فاروقؓ کی بیٹی تھیں (۴)، اس طرح عمر بن عبدالعزیز کی رگوں میں عمر فاروق کا خون بھی شامل ہو گیا، اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ مروان جیسے بدنام شخص کی نسل میں سے عمر بن عبدالعزیز جیسا مجدد ملت پیدا ہوا، جو صدق میں حضرت ابوبکرؓ، عدل میں حضرت فاروق اعظم، حیا میں حضرت عثمان غنی اور زہد میں علی مرتضی کا مثل تھا، جس نے اپنے مجددانہ کارناموں سے ملت اسلامیہ کی روح کو جو امویوں نے مردہ کر دی تھی دوبارہ زندہ کر دیا (۵)، آپ خلیفۂ وقت سلیمان بن عبدالملک کے چچازاد بھائی تھے۔ (۶)

آپ کے والد خاندان بنوامیہ میں ایک ممتاز اور خوش قسمت بزرگ تھے، خود ان کا بیان ہے کہ "میں مصر میں مسلم بن مخلد کی گورنری کے زمانہ میں گیا تو وہاں میرے دل میں چند تمنائیں پیدا ہوئیں، وہ سب کی سب پوری ہوئیں، ایک تمنا یہ کہ میں مصر کا گورنر ہوتا،

(۱) کشف الخفاء ومزیل الالباس جلد ۱/صفحہ ۲۸۲/رواہ ابوداؤد۔
(۲) کاروان اہل حق صفحہ ۴۸۔
(۳) سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۸۔
(۴) تاریخ اسلام اکبر شاہ جلد ۲/صفحہ ۱۸۲۔
(۵) تابعین از شاہ معین الدین صفحہ ۳۱۶۔
(۶) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ صفحہ ۳۴۔

دوسرے یہ کہ میں مسلمہ کی دونوں بیبیوں کو اپنے حبالۂ نکاح میں لاتا، تیسرے یہ کہ قیس بن کلیب میرا حاجب ہوتا، چنانچہ یہ تینوں آرزوئیں پوری ہوئیں۔

۲۰ رسال دو مہینے بارہ دن مسلسل مصر کی گورنری کی، مؤرخین کا بیان ہے کہ اسلام کی تاریخ میں کسی گورنر کا دور حکومت اس قدر ممتد نہیں ہوا(۱) عمر کے والد عبدالعزیز مروان کے چھوٹے لڑکے تھے، مروان نے عبدالملک کے بعد انہیں کو ولی عہد نامزد کیا تھا؛ لیکن وہ عبدالملک کی زندگی ہی میں وفات پا گئے۔(۲)

ولادت باسعادت

آپ کے والد عبدالعزیز بن مروان مصر کے حاکم تھے کہ ۶۱ھ مطابق ۶۷۹ء میں شہر حلوان میں آپ کی پیدائش ہوئی، جہاں آپ کے والد نے اپنے دفاتر منتقل کئے تھے، اور اسے اپنا دارالامارۃ قرار دیا تھا(۳) آپ کے والد عبدالعزیز (تقریباً) ۲۱ ربرس مصر کے گورنر رہے اس لیے آپ کی پرورش ناز ونعمت اور عیش وعشرت کے گہوارے میں ہوئی۔(۴)

تعلیم وتربیت

عمر بن عبدالعزیز کا بچپن والد کے ساتھ مصر میں گذرا(۴) غالباً عمر بن عبدالعزیز نے ابتدائی تعلیم مصر میں ہی حاصل کی، جب ہوش سنبھالا تو عبدالعزیز نے ان کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدینہ (جو علم وعلماء کا مرکز تھا) بھیج دیا، یہاں محدث صالح بن کیسان کی

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۸۔
(۱) تابعین صفحہ ۳۱۶ بحوالہ کتاب الولاۃ کندی صفحہ ۵۴/۵۸۔
(۲) کاروان اہل حق، بحوالہ مشاہیر اسلام۔
(۳) ایضا صفحہ ۴۹۔
(۴) تابعین بحوالہ تذکرۃ الحفاظ جلد ارصفحہ ۱۰۵۔

نگرانی میں ان کی تعلیم وتربیت ہوئی، صالح بن کیسان اس دیانت اور اہتمام کے ساتھ ان کی مذہبی اور اخلاقی نگرانی کرتے تھے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے نماز میں تاخیر کردی، صالح نے باز پرس کی، عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ بال سنوارنے میں دیر ہوگئی، صالح نے کہا اب بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہوگیا ہے کہ اس کو نماز پر ترجیح دی جاتی ہے، چنانچہ صالح نے عبدالعزیز کو یہ واقعہ لکھ بھیجا، انہوں نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس نے پہلے آکر عمر کے بال مونڈے، اس کے بعد بات چیت کی۔(۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور عربیت اور شعروشاعری کی تعلیم حاصل کی، حدیث کی روایت اگرچہ مختلف شیوخ سے کی، جن میں تابعین کے علاوہ متعدد صحابہ بھی شامل تھے، لیکن وہ اس مقدس فن میں زیادہ تر عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود کے مرہون منت ہیں، تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مؤدب تھے(۲) خود حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ میں نے جن لوگوں سے روایت کی ہے، ان میں عبداللہ بن عبداللہ بن عتبہ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں۔(۳)

چنانچہ ان بزرگوں کے فیض صحبت میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ درجہ حاصل کیا کہ بڑے بڑے محدثین کو ان کے فضل وکمال کا اعتراف کرنا پڑا، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے "کان اماما فقیھا مجتھداً عارفاً بالسنن کبیر الشان ثبتاً حجۃ حافظاً" یعنی وہ بڑے امام، بڑے فقیہ، بڑے مجتہد، حدیث کے بڑے ماہر، ثقہ، معتبر، حافظ اور سند تھے۔(۴)

(۱) ایضا صفحہ ۳۱۸ روسیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۲
(۲) تذکرۃ الحفاظ جلد ارصفحہ ۶۸۔
(۳) سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۳۔
(۴) ایضاً صفحہ ۱۳

فن تفسیر

تفسیر قرآن میں نہایت وسیع نظر تھی، بڑے بڑے علماء قرآنی مشکلات میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے، ایک مرتبہ حجاز اور شام کے کچھ علماء نے آپ کے صاحبزادے عبدالملک سے کہا کہ اپنے والد سے قرآن کی اس آیت "وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ" (۱) وہ دور سے کیونکر پاسکتے ہیں، کے متعلق پوچھو کہ اس سے کیا مراد ہے، انہوں نے پوچھا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے جواب دیا کہ اس سے مراد وہ توبہ ہے جس کی خواہش اس وقت کی جائے جس وقت انسان اس پر قادر نہ ہو۔ (۲)

فن حدیث

حدیث کے اجلہ حفاظ میں تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ "آپ امام، عارف سنت، حجت اور حافظ تھے، (۳) امام مالک اور ابن عیینہ آپ کو امام وقت کہتے تھے (۴) جتنی مرفوع حدیثیں ان کے حافظہ میں محفوظ تھیں، اتنی کسی تابعی کے علم میں نہ تھیں، ایوب سختیانی کہتے تھے کہ میں جن جن لوگوں سے ملا، ان میں سے کسی کو عمر بن عبدالعزیز سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والا نہیں دیکھا۔ (۵)

فن فقہ

فقہ میں امامت واجتہاد کا درجہ رکھتے تھے جیسا کہ حافظ ذہبی لکھتے ہیں "کان اماما

(۱) سورۂ سبا آیت ۵۲

(۲) تابعین صفحہ ۳۵۳ / بحوالہ ایضا

(۳) دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ / صفحہ ۱۰۵۔

(۴) دیکھئے تہذیب جلد ۷ / صفحہ ۴۷۹۔

(۵) تابعین صفحہ ۳۵۴ بحوالہ تہذیب الاسماء جلد ۱ / صفحہ ۱۸۔

فقیھا مجتھدا" انہوں نے حضرت عمر فاروق کے ان تمام فقہی فیصلوں کو جوانہوں نے رعایا کے متعلق کئے تھے جمع کرایا تھا۔ (۱)

معاصر علماء میں درجہ

اس عہد کے اکابر علماء ان کے علمی کمالات کے مقابلہ میں طفل مکتب تھے، میمون بن مہران کہتے تھے کہ علماء عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاگرد معلوم ہوتے تھے، ایک دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ وہ علماء کے معلم تھے (۲) چنانچہ جو علماء انہیں تعلیم دینے کے خیال سے ان کے پاس آتے تھے وہ خود ان سے تعلیم حاصل کرتے تھے، مجاہد (جو کہ بڑے جلیل القدر تابعی عالم تھے) کا بیان ہے کہ ہم لوگ ان کے پاس تعلیم دینے کے لیے گئے تھے، لیکن کچھ دنوں کے بعد ہم خود ان سے تعلیم حاصل کرنے لگے۔ (۳)

شادی خانہ آبادی

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز بن مروان کا انتقال ہوا تو یہ مدینہ ہی میں تشریف رکھتے تھے، عبدالعزیز بن مروان کی وفات کا حال سن کر عبدالملک بن مروان نے ان کو دمشق بلالیا (۴) اور آپ کے چچا عبدالملک نے اپنی لڑکی فاطمہ بنت عبدالملک سے ان کی شادی کردی، انہوں نے نہایت بلیغ الفاظ میں اس کا شکریہ ادا کیا۔ (۵)

مدینہ کی گورنری

اگرچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ موزوں مظہر صرف

(۱) تابعین صفحہ ۳۵۵۔

(۲) ایضا ۳۵۳ / بحوالہ ابن سعد جلد ۵ م صفحہ ۲۷۱۔

(۳) ایضاً تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ / صفحہ ۱۰۶۔

(۴) تاریخ اسلام اکبر شاہ جلد ۲ / صفحہ ۱۸۳ / و تابعین۔

(۵) تابعین صفحہ ۳۱۸ / و سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۴۔

مسند درس ہوسکتا تھا، لیکن خاندان خلافت کے تعلقات نے ان کے لیے مسند حکومت کا انتخاب کیا، پہلے وہ عبدالملک بن مروان کی طرف سے خناصرہ کے گورنر تھے، عبدالملک کی وفات کے بعد جب اس کا لڑکا ولید بن عبدالملک ۸۶ھ میں سریرآرائے سلطنت ہوا تو اس نے ان کو مدینہ کا گورنر مقرر کیا، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس عہدے کو قبول کرنے میں لیت ولعل کیا اور جب ولید نے اس کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے چند شرطیں پیش کیں، جن میں پہلی شرط یہ تھی کہ جو گورنر ان سے پہلے تھے، ان کی طرح مجھے ظلم وعدوان پر مجبور نہ کیا جائے، ولید نے جواب دیا کہ آپ حق پر عمل کیجئے، گو ہم کو ایک درہم بھی وصول نہ ہو، اس معاہدے کے بعد وہ شام سے مدینہ کو واپس ہوئے، لیکن اس وقت عمر بن عبدالعزیز وہ عمر بن عبدالعزیز نہ تھے جو کبھی حضرت ابوہریرہ اور کبھی حضرت رواحہ، حضرت مصعب بن عمیر کے قالب میں نمایاں ہوتے تھے، اس لیے جب شام سے نکلے تو ۳۰/ اونٹوں پر انکا ذاتی ساز وسامان لدوا کر روانہ ہوا۔(۱)

علماء مدینہ سے مشورہ

جب مدینہ میں پہنچے تو مروان کے مکان میں اترے، نماز ظہر سے فارغ ہوکر فقہاء و فضلائے مدینہ میں سے دس بزرگوں کو طلب کیا اور ان کے سامنے ایک تقریر کی، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ ”میں آپ لوگوں کو ایک ایسے کام کے لیے طلب کیا ہے جس پر آپ لوگوں کو ثواب ملے گا اور آپ حامی حق قرار پائیں گے، میں آپ لوگوں کی رائے ومشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہتا، پس اگر آپ لوگ کسی کو ظلم کرتے دیکھیں یا آپ لوگوں میں سے کسی کو میرے کسی عامل کے ظلم کا حال معلوم ہو تو میں خدا کی قسم دلا کر کہتا ہوں کہ وہ مجھ تک اس معاملہ کو ضرور پہنچائے، فقہاء نے یہ تقریر سنی تو ان کو جزائے خیر کی دعا دیتے ہوئے

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۴/ یعقوبی جلد ۲/ ۳۳۹۔

واپس آئے(۱) اس مبارک اصلاح کے ساتھ انہوں نے حکومت کا آغاز کیا اور اپنے عہد گورنری میں انہوں نے بہت سے مفید کام اور کارنامے انجام دئے۔

عہدۂ گورنری سے معزولی

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ۸۷ھ سے لے کر ۹۳ھ تک گورنری کی اور مدینہ کے ساتھ مکہ اور طائف بھی ان کے زیر حکومت رہے؛ لیکن آخر کار ۹۳ھ میں ان کو اس عہدہ سے الگ ہونا پڑا، تاریخ طبری میں اس کی یہ وجہ لکھی ہے کہ حضرت عمر عبدالعزیز نے ولید کو ایک خط لکھا جس میں حجاج کے مظالم کی شکایت کی، حجاج کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جل کر ولید کو لکھا کہ عراق سے بہت سے مفسدہ پرداز اور فتنہ پرور لوگ جلاوطن ہوکر مکہ اور مدینہ میں آباد ہوگئے ہیں جو ایک قسم کی سیاسی کمزوری ہے، ولید نے لکھا مجھے دو قابل شخصوں کے نام بتاؤ جو مدینہ اور مکہ کی گورنری کرسکیں، حجاج نے خالد بن عبداللہ اور عثمان بن حیان کے نام لکھ بھیجے، ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو معزول کر کے خالد کو مکہ کا اور عثمان بن حیان کو مدینہ کا گورنر مقرر کر دیا۔(۲)

لیکن سیرت عمر بن عبدالعزیز (محمد بن عبدالحکم) میں لکھا ہے کہ ۹۳ھ میں ولید نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو لکھا کہ خبیب کو سزا دیں (یہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے صاحبزادے ہیں جو بنی امیہ کے مخالفین میں سے تھے)(۳) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اگرچہ اس حکم کی تعمیل کی اور ان کو سو کوڑے لگوائے، قید خانہ میں محبوس رکھا، اور ان کے جسم پر ٹھنڈا پانی چھڑکوایا، تاہم اس قسم کی سفاکیاں ان کی فطرت کے مخالف تھیں، چنانچہ جب ان سزاؤں کے بھگتنے کے بعد لوگ ان کو لے گئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ماجشون کو

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیز (از مولانا عبدالسلام ندوی) صفحہ ۱۵/ بحوالہ طبری صفحہ ۱۱۸۳۔
(۲) ایضاً بحوالہ طبری ۱۲۵۶۔
(۳) تابعین صفحہ ۳۲۱۔

بھیجا کہ جا کر ان کی حالت دریافت کر کے آئیں، وہ آئے تو کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کو ان
کی موت میں شبہ ہے، لوگوں نے چہرے سے چادر الٹ دی تو انہوں نے ان کو مردہ پایا،
واپس گئے، تو ان کا بیان ہے کہ وہ پریشانی میں کبھی اٹھتے تھے، کبھی کھڑے ہو جاتے
تھے، انہوں نے انتقال کی خبر سنائی تو حضرت عمر بن عبدالعزیز زمین پر گر پڑے اور انا للہ
وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے اٹھے اور گورنری سے استعفاء دیدیا۔(۱)

سلیمان کے مزاج میں رسوخ

ولید کی وفات کے بعد ۹۶ھ جمادی الثانی میں سلیمان بن عبدالملک ولید کا حقیقی بھائی
تخت نشین ہوا، (۲) چنانچہ سلیمان بن عبدالملک حضرت عمر بن عبدالعزیز کو بہت مانتا تھا،
چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز اپنے اوصاف اور حسن خلق کی بنا پر خاندان بھر میں محبوب تھے،
خصوصاً سلیمان ان کو بہت چاہتا تھا، انہیں کو اپنا وزیر و مشیر بنایا تھا اور امور خیر میں ان کے
مشوروں پر عمل کرتا تھا، اس لیے سلیمان کی عہد کی اصلاحات درحقیقت عمر بن عبدالعزیز ہی
کے فیض کا نتیجہ تھیں۔ (۳)

خلیفہ کی نامزدگی

۹۹ھ میں سلیمان مرض الموت میں مبتلا ہوا، اپنے نابالغ لڑکے ایوب کو ولی عہد نامزد کیا،
رجاء بن حیوہ نے جو سلیمان کے ندیم خاص تھے، اس سے اختلاف کیا اور کہا امیر المومنین!
خلیفہ ایسے صالح آدمی کو بنایئے جس سے آپ قبر میں محفوظ رہیں" سلیمان نے کہا" میرا
قطعی فیصلہ نہیں ہے، میں اس پر غور کروں گا، اور خدا سے استخارہ کروں گا، چنانچہ دو دن

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۸۔
(۲) ہماری بادشاہی صفحہ ۷۹/۸۰۔
(۳) تابعین صفحہ ۳۲۱۔

غور کرنے کے بعد وصیت نامہ چاک کر ڈالا اور رجاء بن حیوہ سے پوچھا کہ میرے لڑکے
داؤد کے بارے میں کیا رائے ہے، رجاء نے کہا وہ اس وقت قسطنطنیہ میں ہے اور معلوم
نہیں زندہ ہیں یا نہیں، سلیمان نے کہا پھر کیا رائے دیتے ہو، رجائے نے کہا اصل رائے تو
آپ کی ہے، آپ نام لیجئے میں غور کروں گا، سلیمان نے کہا کہ عمر بن عبدالعزیز کے متعلق
تمہارا کیا خیال ہے؟ (۱) رجاء نے کہا میرے نزدیک وہ نہایت فاضل اور برگزیدہ مسلمان
ہیں، سلیمان نے کہا خدا کی قسم وہ ایسے ہی ہیں؛ لیکن اگر میں عبدالملک کی اولاد کو بالکل
نظر انداز کر کے عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ بنادوں تو ایک فتنہ بپا ہو جائے گا، جب تک ان
کے بعد عبدالملک کی کسی اولاد کا نام نہ رکھوں گا، اس وقت تک وہ لوگ ان کو خلافت پر قائم
نہ رہنے دیں گے، اس لیے میں یزید کو ان کے بعد خلیفہ بنائے دیتا ہوں، اس سے وہ لوگ
ٹھنڈے ہو جائیں گے، اور راضی رہیں گے، رجاء نے بھی اس سے اتفاق کیا، اس کے بعد
سلیمان نے خود اپنے قلم سے یہ وصیت نامہ لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ تحریر خدا کے بندے سلیمان امیر المومنین کی جانب سے
عمر بن عبدالعزیز کے لیے ہے، میں نے اپنے بعد تم کو خلیفہ بنایا اور تمہارے بعد یزید بن
عبدالملک کو، مسلمانوں ان کا کہنا سنو! اور ان کی اطاعت کرو، خدا سے ڈرو، اختلاف نہ
پیدا کرو، کہ دوسرے تم پر حرص وطمع کی نگاہ ڈالیں" اور اس پر مہر لگا کے اپنے خاندان والوں
کو بلا کر رجاء کو حکم دیا کہ اس وصیت نامہ کو لے جا کر خاندان والوں سے کہو کہ میں نے اس
میں جس کو خلیفہ بنایا ہے وہ لوگ اس کی بیعت کریں، رجاء نے اس کی تعمیل کی، سب نے
باتفاق سمعنا واطعنا کہا، پھر ان کی خواہش پر انہیں سلیمان کو دیکھنے کی اجازت دی گئی، جب
یہ لوگ اندر گئے تو سلیمان نے وصیت نامہ کی طرف جو رجاء کے ہاتھ میں تھا، اشارہ کر کے
ان لوگوں سے کہا اس میں میں نے جس کو خلیفہ بنایا ہے، اس کی بیعت کرو اور اس کے مطیع

(۱) ایک روایت میں ہے کہ رجاء ہی نے عمر بن عبدالعزیز کا نام پیش کیا تھا۔

رہو، سلیمان کے کہنے پر دوبارہ سب سے فرداً فرداً بیعت لی گئی۔

عمر بن عبدالعزیز کو ظن غالب تھا کہ سلیمان نے ان کو خلافت کے لیے نامزد کیا ہے، وہ اس بارِ عظیم کو اٹھانا نہ چاہتے تھے، اس لیے رجاء سے جا کر کہا کہ ''میرے اوپر سلیمان کی جو شفقتیں اور مہربانیاں ہیں، ان سے مجھے اندیشہ ہے کہ انہوں نے خلافت کے لیے مجھے نہ نامزد کیا ہو، اگر ایسا ہو تو مجھے بتا دیجئے تاکہ قبل اس کے کہ میں مجبور ہو جاؤں، ابھی سے استعفاء دیدوں لیکن رجاء نے بتانے سے انکار کیا۔

سلیمان کا انتقال

نامزدگی کے مرحلہ سے فراغت کے بعد سلیمان کا انتقال ہوگیا، رجاء نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ موت کی خبر مخفی رکھی اور شاہی خاندان کے ارکان کو جمع کر کے دوبارہ ان سے بیعت لی، بیعت مؤکد کرنے کے بعد سلیمان کی موت کا اعلان کیا اور وصیت نامہ پڑھ کر سنایا، عمر بن عبدالعزیز کا نام سن کر عبدالملک کے لڑکے ہشام نے کہا ہم کبھی ان کی بیعت نہیں کر سکتے، رجاء نے کہا اٹھ کر خاموشی کے ساتھ بیعت کر لو، ورنہ ابھی سر قلم کر دوں گا، اور عمر بن عبدالعزیز کا ہاتھ پکڑ کے منبر پر بٹھایا، انہوں نے اس بارِ عظیم کی ذمہ داری پر اور ہشام نے اپنی محرومی قسمت پر انا للہ پڑھا، اس کے بعد سلیمان کی تجہیز و تکفین ہوئی اور عمر بن عبدالعزیز نے نماز جنازہ پڑھائی۔(۱)

عہد اموی کی دینی اہم شخصیتیں

خلافت بنوامیہ کے مادی اقتدار اور اس کے قدرتی اثرات کے باوجود اس عہد تک دین کا وقار اور اس کا اخلاقی اثر کسی حد تک مسلمانوں کی زندگی میں قائم تھا، یہ دینی وقار

(۱) تابعین صفحہ ۳۲۳۔

اور اخلاقی اثر ان اشخاص کی بدولت تھا، جو دینی و علمی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے، اور اپنی للّٰہیت، اخلاص، پاکیزہ نفسی اور علم و تفقہ میں مشہور و معروف تھے، حکومت و انتظامات کے دائرہ سے باہر انہی حضرات کا اثر و اقتدار تھا، اس اثر اور قلبی احترام کی وجہ سے مسلمان بہت سی خرابیوں اور گمراہیوں سے محفوظ تھے، اور مادیت کے سیلاب میں بالکل بہ جانے سے رکے ہوئے تھے، ان دینی شخصیتوں میں سب سے بااثر اور محبوب شخصیت حضرت علی بن الحسین (زین العابدین علیہ وعلی آبائہ السلام) کی تھی جو عبادت و تقوی اور زہد و ورع میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔

اسی طرح دوسرے فضلاء اہل بیت حضرت حسن المثنی اور ان کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ المحض نیز دوسرے فضلائے تابعین حضرت سالم بن عبداللہ بن عمرؓ، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروہ بن الزبیر مسلمانوں کے لیے دینی نمونہ (آئیڈیل) تھے، انہوں نے اپنی خودداری، حکومت سے بے تعلقی، حق گوئی، بے باکی، علمی انہماک اور بے غرض خدمت دین سے اپنی اخلاقی برتری کا نقش قائم کر دیا تھا، حکومت کے بڑھتے ہوئے ہمہ گیر اثرات کے مقابلہ میں یہ اخلاقی اثر اگرچہ کافی نہ تھا، مگر اس میں شبہ نہیں کہ وہ بے قیمت اور بے نتیجہ نہ تھا، اس سے مسلمانوں کی زندگی میں کسی حد تک اعتدال و توازن اور دین کا احترام قائم تھا، اور کبھی کبھی عین دنیاوی انہماک میں بھی اصلاح حال کا جذبہ ابھرتا تھا۔(۱)

انقلاب حکومت کی ضرورت اور اس کی مشکلات

رفتہ رفتہ سیاسی انقلاب کے اثرات وسیع اور گہرے ہوتے چلے گئے، ان دینی شخصیتوں میں بھی کمی آنے لگی، جو اسلام کے اصلی اخلاق و اوصاف کی محافظ اور قرن اول

(۱) تاریخ دعوت و عزیمت جلد ۱/صفحہ ۳۲/۳۳ ملخص۔

کی یادگار تھیں، حکومت کا دائرۂ اثر وسیع اور مستحکم ہوگیا، اب اخلاقی و دینی انقلاب اس کے بغیر مشکل تھا کہ خود حکومت میں کوئی خوشگوار انقلاب ہو۔

اموی حکومت ایسی مستحکم فوجی بنیادوں پر قائم تھی کہ آسانی سے ہلائی نہیں جاسکتی تھی، اس وقت کوئی بیرونی یا اندرونی طاقت ایسی نہ تھی جو اس کو میدان جنگ میں شکست دے سکے، ماضی قریب میں دو بڑی کوششیں ایک سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا مخلصانہ وسرفروشانہ اقدام، دوسرے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا دلیرانہ ومنظّم مقابلہ ناکام ہو چکا تھا، کسی فوجی انقلاب کی کامیابی کے قریبی امکانات وآثار نہ تھے، شخصی وموروثی حکومت نے اصلاح وتبدیلی کے دروازے بند کردئے تھے، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ صدیوں کے لیے مسلمانوں کی قسمت پر مہر لگ چکی ہے، اس وقت اسلام کو غالب ہونے اور حالات کو بدل دینے ک لیے ایک معجزہ کی ضرورت تھی، اور وہ معجزہ ظاہر ہوا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی

یہ معجزہ حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی ذات ہے، جو خود بانی خاندان (مروان) کے پوتے اور ان کی ماں (ام عاصم) فاروق اعظم کی پوتی تھیں، فاروقیت اور امویت کا یہ سنجوگ (۱) اسی لیے ہوا تھا کہ بنی امیہ کے خاندان میں ایک خلیفہ راشد پیدا ہو، جو حالات

(۱) حضرت مولانا علی میاں صاحب نے تحریر فرمایا کہ اس رشتہ کی تاریخ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے منادی کروائی تھی کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے، اسی زمانہ میں ایک رات وہ گشت پر تھے کہ ایک گھر سے آواز آئی کہ کوئی عورت کہہ رہی ہے، بیٹی صبح ہورہی ہے، دودھ میں پانی ملا دو، لڑکی نے جواب دیا کہ اماں آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المومنین نے اس کی ممانعت کی ہے، عورت نے کہا کہ امیر المومنین اس وقت کہاں ہے، ان کو کیا خبر؟ لڑکی نے جواب دیا کہ امیر المومنین کو خبر نہیں تو خدا تو دیکھ رہا ہے، حضرت عمر نے اس گھر کو نظر میں رکھ لیا اور اپنے صاحبزادے عاصم سے کہا کہ تم اس لڑکی کو پیام دو، مجھے امید ہے کہ اس کے بطن سے ایسا جوانمرد پیدا ہوگا جو سارے عرب پر حکومت کرے گا، چنانچہ عاصم نے اس سے نکاح کرلیا، عمر بن عبدالعزیز اس کے نواسے ہیں۔ (تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ر صفحہ ۳۴ر بحوالہ سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۱۷-۱۸)

میں انقلاب برپا کردے، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا ہوئے، اور ولید بن عبدالملک اور سلیمان بن عبدالملک کے زمانہ میں مدینہ منورہ کے حاکم (گورنر) تھے، ان کی جوانی اور امارت کو ان کی خلافت کے بعد کی زندگی سے کوئی مناسبت نہیں، وہ ایک صاحب ذوق امیرانہ مزاج اور نفیس طبع نوجوان تھے، وہ جس راستہ سے گذرتے تھے، دیر تک اس کی مہک بتلاتی تھی کہ ادھر سے عمر گذرے ہیں، ان کی چال مشہور اور نوجوانوں کا فیشن تھی، سوائے طبیعت کی سلامتی، حق پسندی اور فطری نیک مزاجی کے ان میں کوئی ایسی علامت نہ تھی جس سے ثابت ہو کہ وہ تاریخ اسلام میں اتنا اہم کام انجام دینے والے ہیں۔

لیکن ان کی ذات سراپا اسلام کا اعجاز تھی، اور وہ جس طرح منصب خلافت پر آئے وہ بھی خدا کی قدرت کی ایک نشانی تھی، موروثی نظام حکومت میں ان کی خلافت کا کوئی موقع نہ تھا اگر حالات اپنی طبعی رفتار سے چلتے رہتے تو امارت سے زیادہ ان کا کوئی حصہ نہ تھا، مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا، سلیمان بن عبدالملک خلیفہ وقت بیمار ہوا اور اپنی اولاد کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے (یعنی خلافت کے اہل نہ ہونے کی وجہ سے) ان کو بڑی حسرت سے دیکھ کر کہا کہ وہ بڑا خوش قسمت ہے، جس کے لڑکے بڑے بڑے ہوں۔

رجاء ابن حیوہ نے جو اسی انتظار میں تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کی جانشینی کا مشورہ دیا، جو منظور ہوا، رجاء کا یہ کارنامہ (جو دینی انقلاب کا ذریعہ بنا) بڑے بڑے مجاہدات اور سالہا سال کی عبادت پر بھاری ہے۔(۱)

خلفائے راشدین کا پہلا اسوہ

سلیمان کی وفات کے بعد صفر ۹۹ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز تخت نشین ہوئے (۲)

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ صفحہ ۳۵۔
(۲) تاریخ اسلام (شاہ معین الدین) جلد ۲ر صفحہ ۱۹۹۔

تخت خلافت پر قدم رکھتے ہی عمر بن عبدالعزیز بالکل بدل گئے اور اب ناز پروردہ عمر نے ابوذر غفاریؓ اور ابوہریرہؓ کا قالب اختیار کرلیا، سلیمان کی تجہیز و تکفین اور تدفین سے فراغت کے بعد حسب معمول عمر بن عبدالعزیز کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں، انہوں نے پوچھا یہ کیا ہے، عرض کیا گیا شاہی سواریاں، فرمایا میرے لیے میرا خچر کافی ہے اور کل سواریاں واپس کردیں(۱) ابھی سلیمان کے اہل وعیال قصر خلافت ہی میں تھے، اس لیے اپنے خیمہ میں فروکش ہوئے، گھر آئے تو اس بار عظیم کی ذمہ داری سے چہرہ پریشان تھا، لونڈی نے پوچھا کہ آپ شاید کچھ متفکر ہیں؟ فرمایا کہ اس سے بڑھ کر تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق ومغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو اور بغیر مطالبہ اور اطلاع کے اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔(۲)

خلافت سے دست برداری کا اعلان اور مسلمانوں کا اصرار

چونکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز فطرۃً خلافت کی عظیم الشان ذمہ داری سے گھبراتے تھے، پھر خلافت کے بارے میں آپ کا جو نقطۂ نظر تھا، اس کے اعتبار سے آپ کا انتخاب شوری سے نہ ہوا تھا(۳) اس لیے آپ اندر ہی اندر پریشان تھے، چہرہ پر مایوسی کے آثار تھے، معلوم ہوتا تھا کہ ان پر آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین ان کو نگل لے گی، مبادا نامزدگی کے وقت ان کو علم ہوجاتا تو وہ فوراً ہی اس سے سبکدوشی حاصل کرلیتے مگر چونکہ قلادہ گلے میں پڑچکا تھا، تاہم اس سے بری ہونے کے لیے مسجد میں آکر منبر پر تشریف فرما ہوئے اور ایک خطبہ دیا جس کا مفہوم اور خلاصیہ یہ ہے "لوگو! مجھ پر خلافت کا بار بغیر اس کے کہ مجھ سے

(۱) تابعین صفحہ۳۲۳/ماخوذ از بن سعد جلد۵/صفحہ۲۴۷

(۲) ایضا صفحہ۳۲۴/بحوالہ سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ۵۲
(۳) تاریخ اسلام جلد۲/صفحہ۲۰۲

رائے لی جاتی یا میں اس کا خواستگار ہوتا یا عام مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا، ڈال دیا گیا، اس لیے میری بیعت کا جو طوق تمہاری گردنوں میں ہے، اس کو خود نکال لیتا ہوں، اب تم جس کو چاہو اپنا خلیفہ منتخب کرلو!"۔

یہ خطبہ سن کر مجمع سے شور اٹھا کہ ہم نے آپ کو خلیفہ بنایا ہے اور ہم سب آپ کی خلافت سے راضی ہیں، آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کیجئے، جب ہنگامہ خاموش ہوگیا اور آپ کو یقین ہوگیا کہ آپ کی خلافت سے کسی شخص کو اختلاف نہیں ہے تو آپ نے حمد وصلاۃ کے بعد مسلمانوں کے سامنے ایک مفصل تقریر کی جس میں لوگوں کو تقوی، فکر آخرت اور ذکر موت کی طرف توجہ دلائی اور آخر میں آواز بلند فرمایا "لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے اس کی اطاعت فرض ہے، اور جو شخص خدا کی نافرمانی کرے، اس کی اطاعت واجب نہیں، جب تک میں خدا کی اطاعت کروں اس وقت تک تم میری اطاعت کرو اور جب میں خدا کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر فرض نہیں۔(۱)

طبقات ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں: امابعد! تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں ہے اور اس پر جو کتاب نازل ہوئی ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں ہے، خدا نے جو چیزیں حلال کردی وہ قیامت تک کے لئے حلال ہیں، اور جو حرام کردی وہ قیامت تک کے لیے حرام رہیں گی، میں (اپنی جانب سے) کوئی فیصلہ کرنیوالا نہیں ہوں بلکہ صرف (احکام الٰہی) کو نافذ کرنیوالا ہوں، میں خود کوئی بات شروع کرنے والا نہیں ہوں، بلکہ محض پیرو ہوں، کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ خدا کی نافرمانی میں اس کی اطاعت کی جائے، میں تمہاری جماعت کا بہتر آدمی بھی نہیں ہوں بلکہ ایک معمولی فرد ہوں، البتہ خدا نے مجھے تم سے زیادہ گرانبار کردیا ہے۔

(۱) سیرت عمر بن عبدالعزیز (عبدالسلام ندوی) صفحہ۳۲/وتابعین بحوالہ سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ۵۳۰/پوری تفصیل طبقات سعد بن میں دیکھئے (تذکرۂ عمر بن عبدالعزیز)

خلافت کے بعد ان کی زندگی

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی بلا تاخیر ان چند عمال حکومت کو معزول کیا، جو سخت ظالم اور ناخدا ترس تھے، ان کے سامنے شاہی تزک واحتشام اور جانشینی کا جو سامان پیش کیا گیا، اس کو بیت المال میں داخل کیا، اور اسی گھڑی سے ان کی سیرت یکسر بدل گئی، اب وہ سلیمان کے جانشین نہ تھے، بلکہ امیر المومنین حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے جانشین تھے، غرضیکہ انہوں نے ایسی زاہدانہ زندگی اختیار کی جس کی نظیر بادشاہوں میں تو کیا مل سکتی ہے، درویشوں اور فقراء میں بھی ملنی مشکل ہے۔(۱)

ان کی انقلابی اصلاحات

اس زاہدانہ زندگی اور تقوی واحتیاط کے ماسوا انہوں نے حکومت کی روح ہی بدل دی، پہلا اور بنیادی انقلاب یہ تھا کہ انہوں نے حکومت کا نقطہ نظر بدلا، اس وقت تک حکومت محاصل وخراج وصول کرنے اور صرف کرنے کا ایک انتظامی ادارہ تھا، جس کو جمہور کے اخلاق وعقائد وسیرت وتربیت اور ضلالت وہدایت سے کچھ بحث نہ تھی، اسی نقطہ کے اردگرد اس کا سارا نظام گردش کرتا تھا، انہوں نے اپنے اس مشہور تاریخی فقرے سے کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) دنیا میں ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے، تحصیلدار بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے'' (۲) حکومت کا مزاج اور نقطہ نظر ہی تبدیل کر دیا، اور اس کو دنیاوی حکومت کے بجائے خلافت نبوت بنا دیا، ان کی ساری مدت خلافت اسی ایک جملہ کی عملی تفسیر تھی اور مملکت میں ایسی اصلاحات کیں جن کے نتائج بہت دوررس تھے۔(۳)

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد اول صفحہ ۳۶
(۲) کتاب الخراج امام ابو یوسف صفحہ ۷۵
(۳) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ رصفحہ ۳۸ رمخلصا۔

اعمال اور اخلاق کی طرف توجہ

اس وقت تک خلیفہ صرف حاکم وبادشاہ ہوتا تھا، اس کو لوگوں کے اخلاق واعمال کی طرف توجہ کرنے کی نہ فرصت تھی نہ اس کا یہ منصب سمجھا جاتا تھا کہ وہ لوگوں کو دینی مشورے دے، اخلاق ورجحانات کی نگرانی کرے اور وعظ ونصیحت کا منصب اختیار کرے، یہ کام علماء ومحدثین کا سمجھا جاتا تھا، عمر بن عبدالعزیز نے اس دوئی کو مٹایا اور اپنے کو حقیقی معنی میں ''خلیفہ'' ثابت کیا، انہوں نے زمام خلافت ہاتھ میں لیتے ہی عمال حکومت اور امراء اجناد (فوجی افسروں) کو طویل طویل خط اور فرمان لکھے، جو انتظامی سے زیادہ دینی واخلاقی ہیں اور ان میں حکومت کی روح سے زیادہ مشورہ ونصیحت کی روح ہے، غرضیکہ انہوں نے مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ کی طرف توجہ کی ہے۔(۱)

تدوین علوم اور احیائے سنن

اس کے ساتھ انہوں نے دینی علوم کی تدوین اور سنتوں کے احیاء کی طرف بھی توجہ کی، ابوبکر بن حزم جو ایک بڑے عالم تھے، ان کو حدیث کی تدوین کی طرف توجہ دلائی، اور لکھا "انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فإني خفت دروس العلم وذهاب العلماء" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو کچھ حدیثیں تم کو ملیں، ان کو تحریری شکل میں لے آؤ، اس لیے کہ مجھے اندیشہ ہے کہ علماء رخصت ہو جائیں گے، اور علم مٹ جائے گا۔

انہوں نے تعین کے ساتھ عمرہ بنت عبدالرحمٰن انصاریہ اور قاسم بن محمد بن ابی بکر کے ذخیرہ روایات کی طرف توجہ دلائی کہ جلد اس کو قلم بند کر لیا جائے، پھر صرف ابوبکر بن حزم

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ رصفحہ ۳۹ ملخصاً۔

ہی پر اکتفا نہیں کی، بلکہ عمال سلطنت اور مشاہیر علماء کو بالعموم اس ضرورت کی طرف متوجہ کیا، اور گشتی فرمان جاری کیا کہ "انظروا الی حدیث رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاجمعوہ" (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ڈھونڈ ڈھونڈ کر جمع کرو۔

اسی کے ساتھ علماء کے وظائف مقرر کئے کہ وہ یکسوئی اور انہماک کے ساتھ علم کی اشاعت اور تعلیم کا کام کرسکیں، وہ خود بڑے عالم تھے، انہوں نے بنفس نفیس فرائض وسنن کی تشریح کی طرف توجہ کی۔

تبلیغ واشاعت اسلام کی طرف توجہ

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے صرف مسلمانوں کی اصلاح اور ملک میں اسلامی شریعت کے نفاذ پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کی طرف بھی خصوصی توجہ کی اور اس میں ان کو اپنے صدق واخلاص کی برکت اور اپنی زندگی وعمل سے اسلام کی صحیح اور موثر نمائندگی کی وجہ سے بہت کامیابی حاصل ہوئی۔

بلاذری نے "فتوح البلدان" میں لکھا ہے: "عمر بن عبدالعزیز نے ہندوستان کے راجاؤں کو سات خطوط لکھے اور ان کو اسلام اور اطاعت کی دعوت دی اور وعدہ کیا کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کو اپنی سلطنتوں پر باقی رکھا جائے گا، اور ان کے حقوق وفرائض وہی ہوں گے جو مسلمانوں کے ہیں۔

ان کے اخلاق وکردار کی خبریں وہاں پہلے ہی پہنچ چکی تھیں اس لیے انہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنے نام عربوں کے نام پر رکھے۔ (۲)

ان کی اصلاحات کے اثرات

عمر بن عبدالعزیز کی مالی اصلاحات اور بندشوں اور نظام حکومت میں شرعی واخلاقی

(۱) تاریخ اصبہان (ابونعیم)۔ (۲) فتوح البلدان صفحہ ۴۷-۴۴۶۔

پابندیوں سے بجائے اس کے کہ حکومت کو مالی خسارہ اور شہریوں کو نئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، ملک میں خوشحالی عام ہوگئی اور دولت کی وہ فراوانی ہوئی کہ زکوۃ قبول کرنے والا ڈھونڈھے سے نہیں ملتا تھا۔ (۱)

ان کی زندگی کا جوہر

عمر بن عبدالعزیز کی زندگی کا جوہر اور ان کی تمام سرگرمیوں اور جدوجہد کی روح اور قوت محرکہ ان کا قوی ایمان، آخرت کا یقین اور جنت کا شوق ہے، انہوں نے جو کچھ کیا، خدا کے خوف اور اس کی رضا کے شوق میں کیا اور یہی وہ طاقت تھی جو اپنے وقت کے اس سب سے بڑے طاقتور حکمراں کو روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت کی ترغیبات اور وسائل کے مقابلہ میں ثابت قدم رکھتی تھی، ان کو کوئی اگر اس طرز عمل کے خلاف نصیحت کرتا اور تمتع ولطف اندوزی کی ترغیب دیتا، تو ہمیشہ یہ آیت پڑھ دیا کرتے تھے "إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ" (۲) اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خطرہ ہے۔

انہوں نے ایک موقع پر اپنے خادم سے کہا تھا اور یہ ان کی صحیح تعریف تھی کہ "اللہ نے مجھے بڑی حوصلہ مند طبیعت دی ہے، جو مرتبہ بھی مجھے حاصل ہوا، میں نے اس سے بلند تر مرتبہ کی تمنا کی، اور اب میں اس مقام پر پہنچ گیا ہوں کہ کوئی مرتبہ باقی نہیں رہا، اب میری حوصلہ مند طبیعت جنت کی مشتاق ومتمنی ہے۔ (۳)

عمر بن عبدالعزیز کی وفات

اگر اللہ کو منظور ہوتا اور عمر بن عبدالعزیز کو اپنے کسی پیش رو کی مدت خلافت مل جاتی تو

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ صفحہ ۵۰ ملخصاً (۲) سورۃ الانعام آیت ۱۵ (۳) سیرت عمر بن عبدالعزیز صفحہ ۶۱

پوری اسلامی مملکت میں گہرا اور دیرپا انقلاب ہوجاتا اور مسلمانوں کی تاریخ ہی دوسری ہوتی، لیکن بنی امیہ جن کو اپنے اس فرد خاندان کی خلافت میں سب سے بڑی قربانی کرنی پڑی تھی، اور جو اپنی بے تکلف مجلسوں میں حضرت عمرؓ کے گھرانے میں رشتہ کرنے پر بہت پچھتاتے رہتے تھے، زیادہ دن تک اس مجاہدہ کو برداشت نہ کرسکے، اور انہوں نے جلد ان سے خلاصی حاصل کرکے مسلمانوں کو اس عطیہ خداوندی سے محروم کردیا، سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کل دو سال پانچ مہینے خلافت کرکے ۱۰۱ھ میں دنیا سے رخصت ہوئے (۱) اس بات کے آثار وقرائن موجود ہیں کہ ان کے خاندان ہی نے ان کو زہر دیا۔(۲)

(۱) ابن سعد، ابن اثیر، ابن جوزی

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ صفحہ ۵۲

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانیؒ ☆

ولادت: ۴۷۰ھ مطابق ۱۰۷۸ء - وفات: ۵۶۱ھ مطابق ۱۱۶۶ء

تمہید

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی کے کشکول ''تفہیمات الٰہیہ'' کی پہلی ہی تفہیم میں ہے ''انبیاء علیہم السلام جن چیزوں کی اہمیت اور خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر تین ہی چیزیں ہیں:

ایک مبدا و معاد وغیرہ سے متعلق عقائد کی تصحیح - اس شعبہ کو علماء عقائد واصول نے سنبھال لیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو مشکور فرمائے اور جزائے خیر دے۔

دوسرے: عبادات ومعاملات اور معاشرت وغیرہ انسانی اعمال کی صحیح صورتوں کی تعلیم اور حلال وحرام کا بیان - اس شعبہ کی کفالت فقہائے امت نے اپنے ذمہ لی ہے، اور اس میں انہوں نے امت کی پوری رہنمائی اور رہبری کی ہے۔

تیسرے: اخلاص واحسان (یعنی ہر عمل خالص لوجہ اللہ اور اس دھیان کے ساتھ کرنا کہ میرا مالک مجھے اور میرے عمل کو دیکھ رہا ہے) اور یہ تیسری چیز دین وشریعت کے مقاصد میں سب سے زیادہ دقیق اور عمیق ہے اور پورے نظام دینی میں اس کی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی اور الفاظ کے مقابلہ میں معنی کی اور اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم نے لے لی ہے وہ خود راہ یاب ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، خود سیراب ہیں اور دوسروں کو سیراب کرتے ہیں وہ بڑے بانصیب اور انتہائی سعادت مند ہیں۔(۱)

☆ یہ مضمون مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی کی بزم مقالات میں پڑھنے کے لیے تحریر کیا تھا، جو ۱۴۱۵ھ میں دہلی سے ماہنامہ ''حسن اخلاق'' میں چھپا تھا۔

(۱) مقدمہ برسوانح حضرت رائے پوری از حضرت مولانا منظور نعمانی صفحہ ۱۲، بحوالہ تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۱۲/۱۳، ملخصا۔

چنانچہ اس تحریر میں ایک ایسی شخصیت کے حالات، واقعات وکرامات، کارنامے اور زندگی کے مختصر سوانح حیات پیش کئے جا رہے ہیں، جو چھٹی صدی ہجری کے مجدد ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مجدد ملت محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی کے دور سے لے کر آج تک جس قدر اہل علم اور اہل فضل وکمال گذرے ہیں، سب آپ کے علم وتقوی کے معترف ہیں، سب آپ کی بزرگی اور آپ کی عظمت کے قائل ہیں، آپ اسلامی زندگی کے لیے ایک عظیم سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں، صرف اہل تصوف نہیں بلکہ اہل فقہ، اہل کلام اور اہل حدیث نے بھی آپ کو امام تسلیم کیا ہے۔

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زآفتاب
لعل گردد، در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

ساعت بسیاری باید کشیدن انتظار
تا کہ در جوف صدف باراں شود در عدن

نام ونسب

آپ کا نام عبدالقادر اور کنیت ابو محمد ہے، آپ کے والد کا نام سید موسی اور کنیت ابو صالح ہے، دادا کا نام سید عبداللہ ہے(۱) اور شجرۂ نسب اس طرح ہے:

عبدالقادر بن سید موسی بن سید عبداللہ بن سید یحییٰ زاہد بن سید محمد بن سید داؤد بن سید موسی بن سید عبداللہ بن سید موسی الجون بن سید عبداللہ المحض بن سید حسن المثنی بن سید حسن السبط بن امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ۔(۲)

آپ اپنے والد کی طرف سے حسنی اور والدہ کی جانب سے حسینی سید ہیں(۳) آپ کی

(۱) کاروان اہل حق
(۲) تذکرہ حضرت رفاعی بحوالہ بحر الانساب بحوالہ فتح المبین صفحہ ۱۴
(۳) کاروان اہل حق۔

والدہ انتہائی متقی اور پرہیز گار خاتون تھیں، موصوفہ کا نام فاطمہ کنیت ام الخیر اور لقب امۃ الجبار تھا، آپ حضرت عبداللہ الصومعی کی بیٹی اور سراپا خیر وبرکت تھیں۔(۱)

پیدائش

حضرت شیخ عبدالقادر ایران کے مشہور قصبہ ''جیل'' یعنی جیلان یا گیلان میں پیدا ہوئے، جیلان یا گیلان کو ویلم بھی کہا جاتا ہے، یہ ایران کے شمالی مغربی حصہ کا اب ایک صوبہ ہے، اس کے شمال میں روسی سرزمین تابس واقع ہے، جنوب میں برف کا پہاڑی سلسلہ ہے جو اس کو آذربائیجان اور عراق عجم سے علیحدہ کرتا ہے، جنوب میں مازندان کا مشرقی حصہ ہے اور شمال میں بحر قزوین کا مغربی حصہ، وہ ایران کے بہت خوبصورت علاقوں میں شمار ہوتا ہے(۲) حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کی تاریخ پیدائش یکم رمضان ۴۷۰ھ ہے اور آپ کی پیدائش کے وقت آپ کی والدہ کی عمر ساٹھ سال تھی۔(۳)

سفر برائے تحصیل علم

آپ کی والدہ نے اپنے بچے کی تربیت کچھ اس طرح کی کہ وہ بچپن سے تقوی اور پرہیز گاری سے مزین ہو گیا، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے بچپن ہی کا واقعہ ہے کہ آپ تحصیل علم اور طلب علم کی غرض سے اپنی والدہ کے اشارہ اور اجازت سے ایک قافلہ کے ساتھ جیلان سے بغداد کے لیے روانہ ہوئے، والدہ نے آپ کے کوٹ کے استر میں چند اشرفیاں سی دی تھیں (کہا جاتا ہے کہ یہ چالیس اشرفیاں تھیں) اور نصیحت کی تھی کہ بیٹا جھوٹ نہ بولنا، راستہ میں قافلہ کو ڈاکوؤں نے لوٹ لیا اور جب کسی ڈاکو نے آپ سے آکر

(۱) بزرگان دین
(۲) تاریخ دعوت وعزیمت بحوالہ دائرۃ المعارف۔
(۳) بزرگان دین

پوچھا صاحبزادے! تمہارے پاس کیا ہے؟ تو آپ نے صاف بتادیا کہ میرے پاس (چالیس) اشرفیاں ہیں، ڈاکوؤں نے پوچھا کہ کہاں ہیں تو آپ نے فرمایا کہ میرے کوٹ کے استر میں سلی ہوئی ہیں، ڈاکو حیران رہ گئے کہ لڑکے نے اس قدر سچائی سے کیوں کام لیا، اس نے پوچھا کہ میاں صاحبزادے اگر نہ بتاتے تو تمہاری اشرفیاں ہماری نظر سے اوجھل رہتیں اور بچ جاتیں، آخر اس قدر سچائی کی کیا ضرورت تھی، آپ نے فوراً کہا کہ میری ماں نے نصیحت کی تھی کہ بیٹا کبھی جھوٹ نہ بولنا، ڈاکو آپ کو اپنے سردار کے پاس لے گئے، سردار آپ کے اس کردار سے اس قدر متأثر ہوا کہ لوٹا ہوا سارا مال واسباب واپس کردیا کہ لڑکا اپنی ماں کا جب اس قدر فرمانبردار اور اپنے عہد کا اس قدر پکا ہے تو میں کیوں اپنے مالک حقیقی سے بے وفائی کرتا رہوں، اس کی نافرمانی میں اپنی زندگی کو کیوں لت پت رکھوں، وہ تائب ہوگیا اور آئندہ شریفانہ زندگی گزارنے کا عہد کرلیا۔

اس واقعہ سے شیخ کا نہ صرف تقوی اور پرہیزگاری معلوم ہوتی ہے، نہ صرف تحصیل علم کا شوق ظاہر ہوتا ہے، نہ صرف والدہ کی اطاعت اور پابندیٔ عہد کی خوبیاں سامنے آتی ہیں بلکہ آپ کی والدہ کی تربیت کا اثر اور علم کی اہمیت جو اس محترم خاتون کے دل میں تھی وہ بھی کھل کر سامنے آتی ہے، بہرحال قافلہ ڈاکوؤں کی مصیبت سے نجات پاکر خوشی خوشی روانہ ہوا اور بغداد پہنچا۔(۱)

تعلیم وتکمیل

آپ ۴۸۸ھ میں بغداد تشریف لائے، اس وقت آپ کی عمر غالباً ۱۸/سال تھی، یہ وہ سال ہے جس سال امام غزالی نے تلاش حق وحصول یقین کے لیے بغداد کو خیرآباد کہا تھا، یہ محض اتفاق نہیں کہ ایک جلیل القدر امام سے جب بغداد محروم ہوا تو دوسرا جلیل القدر مصلح

(۱) کاروان اہل حق صفحہ ۱۳۲۔

اور داعی الی اللہ کا وہاں ورود ہوا۔(۱)

آپ بغداد کے مشہور مدرسہ نظامیہ میں داخل ہوگئے اور پوری عالی ہمتی اور بلند حوصلگی کے ساتھ تحصیل علم میں مشغول ہوگئے، عبادت ومجاہدات کی طرف طبعی کشش کے باوجود آپ نے تحصیل علم میں قناعت وزہد سے کام نہیں لیا، ہر علم کو اس کے باکمال استادوں سے اور صاحب فن عالموں سے حاصل کیا اور اس میں پوری دستگاہ پیدا کی (۲) آپ نے کم وبیش تیرہ علوم میں مہارت پیدا کی، تفسیر، حدیث، فقہ اور سب ہی اسلامی علوم میں ملکہ پیدا کرلیا، یہاں تک کہ اجتہاد کی قابلیت پیدا ہوگئی۔(۳)

آپ کے اساتذہ میں ابوالوفاء ابن عقیل، محمد بن الحسن الباقلانی اور ابوزکریا تبریزی جیسے نامور علماء اور ائمہ فن کا نام نظر آتا ہے۔(۴)

کمال علمی

منقول ہے کہ ایک دن آپ کی مجلس میں کسی قاری نے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی آپ نے اس کی ایک تفسیر بیان کی، پھر دوسری، پھر تیسری حتی کہ حاضرین کے علم کے مطابق اس کی گیارہ تفسیریں بیان کی، پھر دوسری تفاسیر کو شروع کیا، یہاں تک کہ چالیس تفسیریں بیان فرمائیں اور ہر تفسیر کی سند متصل اور دلیل اور ہر دلیل کی ایسی تفصیل بیان فرمائی کہ اہل مجلس غرق حیرت وتعجب ہوگئے، اس کے بعد فرمایا کہ اب ہم قال کو چھوڑ کر حال میں آتے ہیں، پھر آپ نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہا، اس کلمہ توحید کا زبان سے نکلنا تھا کہ حاضرین کے دل میں شورش واضطراب موجزن ہوا اور کپڑے پھاڑ کر جنگل کا

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت بحوالہ البدایہ والنہایۃ (للبستانی) جلد ۱۲/صفحہ ۱۴۹۔
(۲) ایضا
(۳) کاروان اہل حق صفحہ ۱۳۳۔
(۴) تاریخ دعوت وعزیمت جلد اول صفحہ ۱۹۷۔

رخ کیا۔(۱)

حلقۂ تلامذہ

جن حضرات نے علوم درسیہ میں حضرت شیخ عبدالقادر سے استفادہ کیا اوران سے حدیث روایت کی،ان میں سے کچھ کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱-ابوسعدالسمعانی ۲-عمر بن علی القرشی ۳-الحافظ عبدالغنی ۴- الشیخ الموفق ۵-یحییٰ بن سعداللہ التکریتی ۶-عبدالرزاق بن عبدالقادر ۷- موسی بن عبدالقادر، آخر کے دوحضرات حضرت شیخ کے صاحبزادگان میں سے ہیں۔(۲)

سلوک وطریقت

آپ نے طریقت کی تعلیم شیخ ابوالخیرحماد بن مسلم الدباس سے حاصل کی (حماد بن مسلم کے متعلق شعرانی نے لکھا ہے کہ مریدین کی تربیت میں ان کو بلند مقام حاصل تھااور بغداد کے اکثر مشائخ اورصوفیہ انہی سے وابستہ تھے ۔۵۲۵ھ میں انتقال ہوا(۳)اور قاضی ابوسعید مخرمی (۴) سے تکمیل کی اور(بیعت ارشادکی)اجازت حاصل کی اورانہی کے ہاتھ سے خرقۂ طریقت پہنا،اس خرقۂ طریقت کی پوری سند حسب ذیل ہے:

الشیخ عبدالقادر جیلانی ، القاضی ابوسعید المخرمی ، ابوالحسن علی بن محمد القرشی، ابوالفرج

(۱)اخبارالاخیار صفحہ ۳۵ رشیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

(۲)اردودائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ صفحہ ۹۳۱

(۳)طبقات الکبری جلد ۱ رصفحہ ۱۳۴

(۴) قاضی ابوسعید مخرمی کااصل نام مبارک بن علی بن الحسین ہے، ابن کثیر نے لکھا ہے کہ انہوں نے حدیث کا سماع اورامام احمد کے مذہب پرعلوم فنیہ میں کمال پیدا کیااور زیادہ تر مناظرہ اوردرس وافتاء سے مشغولیت رکھی 'ستودہ صفات' معتدل مسلک رکھنے والے اوراپنے فیصلوں میں بہت صائب الرائے تھے ،۵۱۱ھ میں وفات پائی۔(تاریخ دعوت وعزیمت ۱۹۸ جلد۱)

الطرسوسی ، ابوالفضل عبدالواحدالتمیمی ، ابوبکرالشبلی ، ابوالقاسم جنید، الشیخ السری السقطی ، معروف الکرخی، داؤد الطائی ، حبیب العجمی ،حسن البصری ، امیرالمومنین علی ابن ابی طالبؓ۔(۱)

حضرت موصوف کاطریق شدت ولزوم کے اعتبار سے بےنظیر ہے،مشائخ عصرمیں سے شدت ریاضت میں کوئی بھی آپ کی برابری نہیں کرسکتا تھا،تفویض کامل،حول وقوت سے برأت ،قلب وروح ونفس کی موافقت کے ساتھ مجاری تقدیر کے ماتحت بےبسی ، اتحادظاہروباطن،علیحدگی صفات نفس،شکوک ونزاع وتشویش کےبغیرفراغت قلب وخلوسر، اتحادقول وفعل،لزوم اخلاص، ہرحال میں انقیادوپیروی کتاب وسنت، ثبوت مع اللہ ، خالص توحید، مقام عبودیت مع ملاحظۂ کمال وربوبیت اوراحکام شریعت کی اسرارحقیقت کے مشاہدہ کے ساتھ پیروی کامل آپ کاطریق تھا(۲)تسلیم وتفویض اورتوحید کامل حضرت کاخصوصی حال تھا،کبھی کبھی تعلیماً اس حال اوراس مقام کی تشریح فرماتے تھے،وہ دراصل آپ کاحال ہے۔

خوشترآں باشدکہ سردلبراں گفتہ آیددرحدیث دیگراں(۳)

عبادت میں استغراق

حضرت خودفرماتے ہیں کہ چالیس سال تک میں نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا کی، پندرہ سال تک عشاء کی نماز کے بعد روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتا رہا،ایک پاؤں پر کھڑے ہوکر ایک ہاتھ سے دیوار کی کھونٹی پکڑکر عبادت کرتے ہوئے صبح کردیتا تھا،تین دن سے چالیس دن تک کاایسا ایک زمانہ گذرا ہے کہ میں کھانے اور پینے

(۱)اردودائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ رصفحہ ۹۳۰۔

(۲)اخبارالاخیار صفحہ ۳۵-۳۶۔

(۳) تاریخ دعوت وعزیمت جلد ۱ رصفحہ ۲۰۴۔

اور سونے سے علیحدہ رہا، گیارہ سال تک برج بغداد کے اندر عبادت الٰہی میں مشغول رہا، اسی وجہ سے اس برج کا نام بھی برج عجمی ہو گیا، اس دوران میں نے اپنے رب سے عہد کیا تھا کہ جب تک غیب سے کھانا نہ ملے گا میں کوئی چیز نہ کھاؤں گا، اور اس عہد پر میں کافی عرصہ تک قائم رہا، کیونکہ جو عہد اور وعدہ اپنے سے کرتا ہوں اس کی پوری طرح حفاظت کرتا ہوں۔

اخلاق وعادات

آپ کے اخلاق وعادات "انك لعلى خلق عظيم" کا نمونہ اور "انك لعلى هدىً مستقيم" کا مصداق تھے، آپ اتنے عالی مرتبت، جلیل القدر، وسیع العلم ہونے اور بڑی شان وشوکت کے باوجود ضعیفوں میں بیٹھتے، فقیروں کے ساتھ تواضع سے پیش آتے، بڑوں کی عزت، چھوٹوں پر شفقت فرماتے (یعنی "ليس منا من لم يرحم صغيرنا و يؤقر كبيرنا" (۱) کا پورا پاس ولحاظ رکھتے) سلام کرنے میں پہل کرتے تھے، اور مہمانوں اور طالب علموں کے ساتھ کافی دیر بیٹھتے بلکہ ان کی لغزشوں اور گستاخیوں سے درگذر فرماتے، اگر آپ کے سامنے کوئی جھوٹی قسم بھی کھاتا تو آپ اس کا یقین فرما لیتے اور اپنے علم وکشف کو ظاہر نہ فرماتے، اپنے مہمان اور ہم نشیں سے دوسروں کی بہ نسبت انتہائی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، آپ کبھی نافرمانوں، سرکشوں، ظالموں اور مالداروں کے لیے کھڑے نہ ہوتے، نہ کبھی کسی وزیر وحاکم کے دروازے پر جاتے، القصہ مشائخ وقت میں سے کوئی بھی حسن خلق، وسعت قلب، کرم نفس، مہربانی اور عہد کی نگہداشت میں آپ کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ (۲)

(۱) ترمذی کتاب البر والصلۃ حدیث نمبر ۱۸۴۲۔

(۲) اخبار الاخیار صفحہ ۴۶۔

حضرت شیخ واقعات وکرامات کی روشنی میں

معجزہ یا کرامات خرق عادات کے معنی میں مغربی مصنفین کے لیے عموماً ایک ناقابل فہم موضوع رہا ہے، مگر علمائے اسلام کے ہاں معجزات وکرامات پر مشتمل واقعات کو عقل سلیم اور اصول روایت کی رو سے پرکھنے کے بعد قابل یقین حقائق قرار دیا جاتا ہے (مفصل بحث کیلئے علم الکلام اور علم العقائد کی کتب کی طرف رجوع کیا جائے) شیخ عبدالقادر کے تذکرہ نگاروں نے ان کی کرامات کثرت سے نقل کی ہیں، یہ ضروری نہیں کہ ایسے تمام واقعات علمی صحت کے معیار پر پورے اتریں، تاہم ابن تیمیہ اور عزالدین بن عبدالسلام جیسے نقاد اور مؤرخ، علماء کبار نے خیال ظاہر کیا ہے کہ شیخ کی کرامات حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ (۱)

حضرت شیخ کی وہ کرامتیں جو ہر وقت ظاہر ہوتی رہتی تھیں ان کا احاطہ وشمار قوت تقریر وتحریر سے باہر ہے، اور اس میں بناوٹ اور مبالغہ آرائی نہیں کیونکہ آپ کی ذات اقدس بچپن اور جوانی سے مظہر کرامات ہے اور نوے سال تک (جو آپ کی عمر ہے) آپ سے ہمیشہ مسلسل کرامتوں کا ظہور ہوتا رہا ہے، اس لیے یہاں چند کرامات بیان کی جا رہی ہیں۔

آپ کی کرامات میں سے سب سے بڑی کرامت مردہ دلوں کی مسیحائی تھی، اللہ تعالی نے آپکے قلب کی توجہ اور زبان کی تاثیر سے لاکھوں انسانوں کو نئی زندگی، ایمانی زندگی عطا فرمائی، آپ کا وجود اسلام کیلئے ایک باد بہاری تھا جس نے دلوں کے قبرستان میں نئی جان ڈال دی اور عالم اسلام میں ایمان وروحانیت کی ایک نئی لہر پیدا کر دی (۲) شیخ عمر کیسانی کہتے ہیں کہ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی تھی جس میں یہودی اور عیسائی اسلام نہ قبول کرتے ہوں اور رہزن اور خونی، جرائم پیشہ توبہ سے مشرف نہ ہوتے ہوں، فاسد الاعتقاد اپنے غلط عقائد سے توبہ نہ کرتے ہوں۔ (۳)

(۱) اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲/۹۳۴۔

(۲) تاریخ دعوت وعزیمت بحوالہ جلاء العینین صفحہ ۱۳۰۔

(۳) مذکورہ بحوالہ قلائد الجواہر

منقول ہے کہ آپ پیدائش کے بعد رمضان میں دن کے وقت اپنی والدہ کا دودھ نہیں پیتے تھے، حتی کہ سب میں مشہور ہو گیا کہ سادات کے فلاں گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا، مشہور ہے کہ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ولی اللہ ہیں؟ فرمایا کہ دس سال کی عمر تھی کہ مدرسہ جاتا تو راستہ میں فرشتوں کو اپنے اردگرد چلتے ہوئے دیکھتا، اور جب مکتب میں پہنچ جاتا تو فرشتوں کو یہ بات بچوں سے کہتے ہوئے سنتا کہ اے بچو! اللہ کے ولی کے لیے جگہ کشادہ کرو، ایک روز مجھے ایسا شخص دکھائی دیا جو پہلے کبھی نظر نہ آیا تھا، اس نے ایک فرشتہ سے پوچھا کہ یہ بچہ کون ہے؟ جس کی تم تعظیم کرتے ہو، فرشتہ نے جواب دیا کہ یہ اللہ کا ایک ولی ہے، جس کا بہت بڑا مرتبہ ہوگا، اس راہ میں یہ وہ شخص ہے کہ جسے بے حساب عطایا، بے حجاب تمکین واقتدار اور بغیر حجت تقرب ملے گا، چالیس سال کے بعد میں نے پہنچانا کہ وہ شخص اپنے وقت کے ابدال میں تھا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ میں چھوٹا سا تھا کہ عرفہ کے دن شہر سے باہر آیا اور کھیتی باڑی کے ایک بیل کی دم پکڑ کر بھاگنے لگا، بیل نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور کہا اے عبدالقادر! تجھے اس کام کیلئے پیدا نہیں کیا ہے، نہ اس کا حکم دیا ہے، ترساں لرزاں میں اپنے گھر واپس آیا اور مکان کی چھت پر پہنچ گیا، تو وہاں سے لوگوں کو میدان عرفات میں کھڑے ہوئے دیکھا، بس میں اپنی والدہ کی خدمت میں آ کر کہنے لگا کہ مجھے تحصیل علم کی اور زیارت اولیاء کے لیے بغداد جانے کی اجازت دیجئے، اور آپ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی میں نے چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کیا تو یہ آواز آتی کہ اے بابرکت ہستی ہمارے پاس آؤ، یہ آواز سن کر خوف کی وجہ سے دوڑتا ہوا اپنی والدہ کی گود میں آ کر چھپ جاتا اور اب بھی اپنی خلوت میں یہ آواز سنتا ہوں(۱) ایک جگہ آپ فرماتے ہیں کہ میری مجلس وعظ میں چارسو اشخاص قلم

(۱) اخبار الاخیار صفحہ ۴۴۔

دوات لے کر میری نصیحتیں لکھتے تھے، آپ نے یہ بھی فرمایا کہ ابتدائی زمانہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی کو میں نے خواب میں دیکھا کہ انہوں نے مجھے کلام کرنے کا حکم دیا اور میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ٹپکایا جس کی وجہ سے میرے اندر بات کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔(۱)

ایک مرتبہ دوران سبق ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد عباس مظاہری ناظم مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور نے حضرت کا ایک واقعہ سنایا کہ شیطان ایک مرتبہ روشن نور کی طرح حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی کے پاس حجرہ میں گیا اور کہا کہ حضرت آپ کی عبادت، آپ کا وظیفہ قبول ہو چکا ہے، لہٰذا اب آپ پر نماز معاف ہے مگر حضرت تو چونکہ جید عالم اور فقیہ تھے اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ "فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد"(۲) اس لیے حضرت نے فوراً کہا لاحول ولاقوۃ الا باللہ، ارے یہ تو شیطان ہے، نماز تو انبیاء پر معاف نہیں مجھ پر کیسے؟ چنانچہ شیطان دم دبا کر بھاگا اور بھاگتے ہوئے بھی تیر مارنا چاہا اور کہا کہ جا عبدالقادر تجھ کو تیرے علم نے بچا لیا، حضرت نے فوراً جواب دیا، اللہ نے بچایا علم نے نہیں، اسی طرح حضرت کے متعدد واقعات وکرامات ہیں یہاں انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

کارنامے

آپ نے درس وتدریس اور وعظ وارشاد تینوں طریقوں سے کام لیا، اپنے ایک استاذ شیخ قاضی ابوسعید مخرمی کے مدرسہ کو زینت بخشی، بہت جلد طلبہ کثرت سے آنے لگے، مدرسہ کی عمارت تنگ محسوس ہونے لگی، آپ کے وعظ میں بے شمار لوگ شریک ہوتے تھے، اثر پزیری اور اثر انگیزی کا یہ حال تھا کہ ایک ایک مجلس میں ہزاروں بے عمل اور بدعمل اپنے

(۱) بزرگان دین صفحہ ۹۲۔ (۲) سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۲۱۸۔

فسق وفجور سے اور سیکڑوں یہودی اور عیسائی اپنے کفر وشرک سے توبہ کرتے تھے۔

آپ نے وعظ وتقریر کے علاوہ تحریر سے بھی کام لیا، تصنیف وتالیف کو بھی اصلاح کا ذریعہ بنایا، تنقید اور تبصرہ سے بھی کام لیا۔

آپ نے صرف مسلمانوں کی اصلاح کی کوششوں پر بس نہیں کیا بلکہ غیر مسلموں کو دین کی دعوت دینے اور حق کی اشاعت کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا، چنانچہ شیخ کا اپنا بیان ہے کہ میری تمنا ہوتی ہے کہ صحراؤں میں رہوں، نہ کوئی مجھے دیکھے نہ میں کسی کو دیکھوں لیکن اللہ تعالی کو اپنے بندوں کی اصلاح کا کام مجھ سے لینا ہے، میرے ذریعہ سے پانچ ہزار یہودی اور عیسائی اسلام قبول کر چکے ہیں اور ایک لاکھ سے زیادہ غلط کار اور جرائم پیشہ لوگ توبہ کر چکے ہیں۔(۱)

روزانہ تفسیر، حدیث، فقہ، اختلاف مذہب، اصول فقہ اور نحو کے اسباق پڑھاتے، تجوید کی تعلیم بھی دیتے، فتوی نویسی کا فریضہ بھی انجام دیتے، اس طرح ہزاروں لاکھوں انسانوں نے آپ سے فیض پایا۔

حکومت کی اصلاح اور ظالموں پر تنقید سے کسی بھی دور کے علماء حق غافل نہیں رہے، شیخ عبدالقادر جیلانی جیسا شیخ وقت اس فریضہ سے کیسے غافل رہ سکتا تھا، چنانچہ آپ کے بارے میں ابن کثیر اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں، آپ خلفاء، وزراء، سلاطین، قضاۃ، خواص اور عوام سب کو معروف کا حکم دیتے تھے، اور منکرات سے منع فرماتے اور بڑی صفائی اور جرأت سے ان کو بھرے مجمع میں اور برسر ممبر ٹوک دیتے تھے، جو کسی ظالم کو حاکم بناتا اس پر اعتراض کرتے اور خدا کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی قطعاً پرواہ نہ کرتے۔

خلق کی اصلاح کا بیڑا جو آپ نے اٹھایا اسے اگر چہ تصوف کے ذریعہ پار لگانے کی آپ نے کوشش فرمائی پھر بھی تصوف کی اصلاح کی طرف سے آپ غافل نہیں رہے،

(۱) کاروان اہل حق صفحہ ۱۳۴/بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت اول۔

چنانچہ حضرت مولانا علی میاں صاحب لکھتے ہیں ''تصوف کو بدعات سے پاک کرنے اور کتاب وسنت کو اس کا ماخذ بنانے کی کوشش میں حضرت شیخ کا تجدیدی حصہ ہے۔(۱)

تالیفات

شیخ نے وعظ وتقریر کے علاوہ تحریر سے بھی کام لیا اور تصنیف وتالیف سے بھی دعوت وتبلیغ کی، اس سلسلہ میں حضرت کی لکھی ہوئی جو کتابیں راقم کو اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ملی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱-''الغنیۃ لطالبی طریق الحق'' جو غنیۃ الطالبین کے نام سے معروف ہے۔

۲-''الفتح الربانی والفیض الرحمانی'' یہ قاہرہ میں ۱۲۸۱ھ میں اور ۱۳۰۲ھ میں طبع ہوئی۔

۳-''الفیوضات الربانیۃ فی الاوراد القادریۃ'' یہ قاہرہ سے ۱۳۰۳ھ میں چھپی۔

۴-''فتوح الغیب'' استنبول میں ۱۲۸۱ھ میں طبع ہوئی۔

۵-''بشائر الخیرات'' اسکندریہ میں ۱۳۰۴ھ میں طبع ہوئی، ان کے علاوہ البغدادی نے شیخ کی درج ذیل تالیفات کے نام گنوائیں ہیں۔

۶-تحفۃ المتقین وسبیل العارفین۔

۷-حزب الرجاء والانتہاء۔

۸-الرسالۃ الغوثیۃ۔

۹-الکبریت الاحمر فی الصلوۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، غالباً یہ وہی تالیف ہے جس کا تذکرہ میرکس نے بشائر الخیرات کے نام سے کیا ہے۔

۱۰-مراتب الوجود۔

۱۱-یواقیت الحکم۔

(۱) کاروان اہل حق صفحہ ۱۳۵۔

۱۲معراج لطیف المعانی (۱)عمر رضا کحالہ نے شیخ کی تالیفات میں مزید یہ نام درج کئے ہیں۔

۱۳-جلاء الخاطر فی الباطن والظاہر۔

۱۴-سرالاسرار ومظہرالانوار فیما یحتاج الیہ الابرار۔

۱۵-آداب السلوک والتوصل الی منازل ملوک (۲)،رشید رضا نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ مفتی طرابلس (شام) کے کتب خانے میں قرآن مجید کی ایک عمدہ تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے، کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر بھی شیخ کی تالیف ہے،مضمون نگار نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ اوراد وظائف کے قبیل سے کئی ایسی چیزیں بھی شیخ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں، جن کی نسبت شیخ کی طرف درست نہیں۔(۳)

حلیہ مبارک

آپ نحیف البدن، میانہ قد،کشادہ سینہ، لمبی چوڑی داڑھی، گندمی رنگ، پیوستہ ابرو، بلندآواز، پاکیزہ سیرت، بلندمرتبہ اورعلم کامل کے حامل تھے،صاحب شہرت وسیرت اورخاموش طبع تھے،آپ کے کلام کی تیزی اور بلندآوازی سننے والے کے دل میں رعب وہیبت زیادہ کرتی تھی، یہ آپ کی کرامت تھی کہ مجلس میں قریب وبعید بیٹھنے والے بے کم وکاست بغیرکسی تفاوت کے آپ کی آوازبآسانی یکساں طورپرسن لیتے تھے،جب آپ کلام کرتے تو ہرشخص پرخاموشی چھاجاتی، جب آپ کوئی حکم دیتے تو اس کی تعمیل میں سرعت ومبادرت کے سوااورکوئی صورت نہ ہوتی، جب بڑے سے بڑے سخت دل پرنظرجمال پڑ

(۱)دیکھئے البغدادی، ہدیۃ العارفین جلداول صفحہ۵۹۶

(۲)عمررضا کحالہ معجم المؤلفین جلد۵،صفحہ۳۰۷

(۳)بستان، دائرۃ المعارف ج۱۱،صفحہ۶۲۲،اردودائرہ معارف اسلامیہ جلد۱۲صفحہ۹۳۲

جاتی تو وہ خشوع وخضوع اورعاجزی وانکساری کا مرقع بن جاتا، جب آپ مسجد میں تشریف لاتے تو تمام مخلوق دعا کے لیے ہاتھ اٹھا کردرگاہ قاضی الحاجات میں دعا کرتی۔(۱)

وفات

حیات اورموت کا خالق تو حی قیوم ہے،صرف وہی ایک ایسی ذات ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہےگی،اس کے علاوہ ہرایک پرموت طاری ہونے والی ہے، ہرایک کوموت کا مزہ چکھنا ہے،کوئی نبی ہو، ولی ہو،صوفی ہو، یہاں تک کہ کائنات کی ہربڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزبھی فنا ہونے والی ہے، چنانچہ ”کل نفس ذائقة الموت“(۲) کے بموجب درس وتدریس وعظ وارشاد اورتصنیف وتالیف کے ذریعہ مسلمانوں کی اصلاح میں زندگی کھپانے والا، غیرمسلموں میں اشاعت دین میں زندگی گھلانے والا، اپنی زندگی کے ابتدائی تینتیس سال درس وتدریس اورفتوی دینے میں اور چالیس سال مخلوق خدا کی رشدوہدایت اورنصیحت میں صرف کرکے نوے سال کی عمرپاکردین کا یہ سورج ماہ ربیع الآخر۵۶۱ھ بروزشنبہ کواپنی روشن کرنوں سے اس عالم کومحروم کرکے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون

باقیات صالحات

حضرت کی اولاد کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کی تعداد ۴۹ رتک پہنچ جاتی ہے،لیکن ہم کو دس ہی کے نام ملیں ہیں جن کوصاحب ”تذکرہ علماء ہندوپاک“ نے تحریر کیا ہے۔

۱-سیدسیف الدین عبدالوہاب،شعبان۵۱۲ھ میں پیدا ہوئے اور۲۵رشوال۵۹۲ھ

(۱)اخبارالاخیار صفحہ۳۴۔

(۲)سورۃ العنکبوت ۵۷۔

میں وفات ہوئی مزار شریف بغداد میں ہے۔

۲-حضرت شیخ شرف الدین عیسی، اصل نام ابومحمد ابوعبدالرحمٰن عیسی ہے، تاریخ پیدائش معلوم نہ ہوسکی، وفات ۵۷۳ھ میں ہوئی، مزار مصر میں ہے۔

۳-شیخ شمس الدین ابوبکر عبدالعزیز، تاریخ پیدائش معلوم نہ ہوسکی، وفات قصبہ سنجار میں ۵۸۹ھ میں ہوئی۔

۴-شیخ سراج الدین عبدالجبار عبدالرحمٰن ابوالفرح، یہ عراق کے کچھ دن مفتی بھی رہے، تاریخ پیدائش نہیں ملی، وفات ۵۸۹ھ ہوئی۔

۵-شیخ تاج الدین ابوبکر عبدالرزاق، وفات ۶ رشوال ۶۰۳ھ میں ہوئی، مزار بغداد میں مقام حرب میں ہے، تاریخ پیدائش معلوم نہ ہوسکی۔

۶-شیخ ابواسحاق ۵۲۷ھ میں پیدا ہوئے، ۶ رشوال ۵۹۲ھ میں وفات ہوئی، والد کے مزار کے نزدیک مدفون ہوئے۔

۷-شیخ ابوالفضل محمد، وفات ۲۵ رذی قعدہ ۶۰۰ھ میں ہوئی، تاریخ پیدائش معلوم نہیں ہوئی۔

۸-شیخ عبدالرحمٰن، ۵۰۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷ رصفر ۵۸۷ھ میں وفات ہوئی۔

۹-شیخ ابوزکریا یحیٰی، ۶ ربیع الاول ۵۵۰ھ میں پیدا ہوئے، ۱۵ رشعبان ۶۰۰ھ میں بمقام بغداد سفر آخرت کیا۔

۱۰-شیخ ابونصر موسی سلخ، ربیع الاول ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے، شب غرہ جمادی الآخر ۶۱۸ھ میں وفات پائی، مزار شریف دمشق میں ہے۔

اب بارگاہ الٰہ میں ان اشعار کو پڑھتے ہوئے یہ تحریر ختم کی جاتی ہے۔

دارم امید از خدائے جہاں　　کہ دہد از قبول خویش نشاں
کند ایں را بلطف خویش قبول　　بقبول خودش کند موصول

نیست جز لطف تو کسے مارا　　انت نعم الوکیل والمولی

اللہ تعالی قبول فرمائے اور اپنے مقبول بندوں کی طرح زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائے۔

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ دم درکش
حسن ایں قصہ عشقست در دفتر نمی گنجد

53

حضرت مجدد الف ثانی امام احمد سرہندیؒ☆

ولادت: ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء - وفات: ۱۰۳۲ھ مطابق ۱۶۲۴ء

تمہید

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی نقشبندیؒ کے حالات وخدمات اور کارناموں کو بیان کرنا عہدی اکبری کو بیان کئے بغیر نامکمل اور ادھورا رہتا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عہد اکبری کی مختصرسی جھلک بیان کردی جائے، یوں تو اکبر کا ابتدائی زمانہ ایک خوش عقیدہ مسلمان کی حیثیت سے گزرا ، وہ بزرگان دین کے مزارات کا قصد کرتا تھا، سجادہ نشینوں کی بارگاہوں میں نذرانے پیش کرتا تھا، یہاں تک کہ حضرت شیخ سلیم چشتی کی دعا سے شہزادہ سلیم (معروف بہ جہانگیر) کی پیدائش ہوئی، اسی لئے اس نے اپنی منت پوری کرنے کیلئے آگرہ سے اجمیر شریف کا پیادہ پا سفر کیا، اپنے استاد شیخ عبدالنبی کی جوتیاں بھی کئی بار سیدھی کیں، البتہ امتداد زمانہ کے ساتھ اس کا مزاج بدلتا رہا، علماء کی آپسی رنجشوں، برہمن گھرانوں سے رشتہ ازدواج، نصرانی وآتش پرست اور ہندو وپنڈتوں سے اس کے روابط نے اسے بددین وملحد بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا، الغرض اس کی بددینی نے اسے آہستہ آہستہ علماء اور مذہب اسلام سے دور کردیا، اب اسے سورج کی پرستش، غیر شرعی امور میں مزہ آنے لگا، جس کی وجہ سے مجدد صاحب بےچین ہوگئے اور دل ہی دل میں اس فکر اور قلبی گھٹن کی وجہ سے گھلنے لگے کہ اب اسلام کی عظمت رفتہ کو بحال کرنے کے لئے کمربستہ

☆ یہ مضمون مفتی خبیب صاحب رومی کی خواہش پر مولوی حمیداللہ قاسمی کبیر نگری نے اس کتاب میں اضافہ کیلئے تحریر فرمایا۔

ہونا پڑے گا اور اکبر کا مقابلہ دل وجان سے کرنا پڑے گا، جب ہم ہندوستان کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے عہد اکبری کو اپنی عزیمت سے پاش پاش کردیا۔

ولادت باسعادت

حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت باسعادت ۱۴؍شوال ۹۷۱ھ مطابق ۱۵۶۳ء کو شہر سرہند میں ہوئی، شیخ احمد نام رکھا گیا، لفظ ''خاشع'' سے سن ولادت نکلتا ہے، صغرسنی ہی سے آپ میں رشد وسعادت کے آثار نمایاں تھے:

بالائے سرش زہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم کی ابتداء حفظ قرآن سے ہوئی اور تھوڑی ہی مدت میں آپ نے اس کی تکمیل کرلی، پھر والد ماجد کی خدمت میں تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں آپ کے ذہن خداداد کے جوہر کھلنے لگے، دقیق مضامین کے جلد اخذ کرلینے اور ان کو اپنے الفاظ میں سلجھے ہوئے طریقہ پر پیش کرنے میں آپ کا امتیاز ظاہر ہوا، بیشتر علوم اپنے والد بزرگوار سے اور چند اپنے عہد کے بعض علماء کبار سے حاصل کئے، کچھ عرصہ کے بعد سیالکوٹ جو اس زمانہ کا بڑا علمی وتعلیمی مرکز تھا، تشریف لے گئے اور مولانا کمال کشمیری سے (جن کو منطق وفلسفہ، علم کلام واصول فقہ میں کمال حاصل تھا، اور جن کی ذکاوت وحافظہ، کثرت مطالعہ اور قوت تدریس کا شہرہ تھا اور جن کے شاگردوں میں علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی جیسے سرآمد روزگار علماء اور مدرسین پیدا ہوئے) اس وقت کے نصاب تعلیم کی بعض انتہائی

اور اعلی کتابیں مثلاً عضدی وغیرہ پڑھیں، حدیث کی بعض کتابیں شیخ یعقوب صرفی کشمیری سے پڑھیں، جو حدیث میں مسند وقت شیخ شہاب الدین احمد بن حجر الہیتمی مکی کے شاگرد تھے، اور جن کی تصنیفات میں صحیح بخاری کی بھی ایک شرح ہے۔

تصوف وسلوک

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کو اللہ تعالی نے تصوف وسلوک کا نہ صرف رمز آشنا اور محرم راز بنایا بلکہ اہل کمال وتکمیل کی صحبت وتربیت سے پھر موہبت ربانی اور اجتبائے خاص سے ان کو اس میں درجہ امامت واجتہاد تک پہنچایا تا کہ وہ اس کار عظیم کو پوری تیاری اور پورے اعتماد کے ساتھ انجام دیں، مجدد صاحب کو اپنا نازک ودشوار تجدیدی اور اصلاحی کارنامہ انجام دینا تھا، اس لئے تصوف وسلوک کی طرف بڑھے، کیونکہ جب تک انسان تصوف وسلوک کے کوچہ سے آشنا اور کسی مقبول ومستند سلسلہ سے وابستہ اور مشائخ کا صحبت یافتہ نہ ہو، تو اس کو وہ بلند مقامات نہیں مل سکتے، جن کی ایک عارف ومقبول الٰہی کو تمنا ہوتی ہے، یوں بھی کسی نہ کسی درجہ میں تزکیہ نفس، اخلاص وللّٰہیت اور دردوسوز کے بغیر تحریر وتقریر سے کوئی حقیقی انقلاب برپا نہیں ہوتا، الغرض آپ نے قوت روحانی، بیش بہا فوائد اور سلسلہ چشتیہ وقادریہ کا سلوک اپنے والد ماجد سے طے کیا، اور والد ماجد کی حیات تک انہی کی خدمت میں رہے، اس کے بعد حضرت مجدد الف ثانی حضرت خواجہ باقی باللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ گویا آپ کے انتظار میں بیٹھے تھے، بڑی شفقت ومہربانی کے ساتھ پذیرائی فرمائی، حضرت خواجہ کی طبیعت بڑی غیور اور دیر آشنا واقع ہوئی تھی، کسی کو خود اپنی طرف متوجہ نہیں فرماتے تھے، لیکن یہاں خود مطلوب تھا اور خدا کو حضرت خواجہ کے ذریعہ حضرت مجدد کی روحانی تکمیل کر کے اور اس نسبت خاص کو عطا کر کے جس کا طریقہ نقشبندیہ اس عہد میں حامل تھا اور جس کے سلوک باطنی کی دنیا اور

ہندوستان کے اس روحانی ماحول میں ضرورت تھی، حضرت مجدد کو رخصت فرمایا، حضرت مجدد اس کے بعد سرہند تشریف لے گئے، اس پہلی مرتبہ ہی میں حضرت خواجہ نے خوشخبری سنائی کہ تم کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہوگئی، اور دن بدن ترقی ہونیکی امید ہے، دوسری مرتبہ جب دہلی حاضری ہوئی تو خلعت خلافت عطا فرمایا اور طالبان خدا کو تعلیم وطریقت اور ارشاد وہدایت کی اجازت دی۔

سرہند میں قیام

اس اکتساب فیض اور تکمیل کے بعد حضرت مجدد الف ثانی نے سرہند میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی، ایک عرصہ تک آپ طالبین کی تربیت سے احتراز فرماتے رہے، اور آپ کو اپنی ذات میں کمی کا شدت سے احساس ہوتا رہا، ترقیات باطنی تیزی کے ساتھ ہو رہی تھی، اور طبیعت عروج کی طرف مائل تھی، ایسی صورت میں طالبین کی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ مشکل تھی، س کے لئے نزول شرط ہے، جو ابھی تک نہیں ہوا تھا، ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اپنے نقص کا علم روشن ہوگیا جو طالب میرے پاس جمع تھے، سب کو جمع کر کے اپنا نقص ان سے بیان کیا اور سب کو رخصت کر دیا، لیکن طالب اس بات کو کسر نفسی سمجھتے ہوئے اپنے عقیدے سے نہ پھرے، کچھ مدت کے بعد حق تعالی شانہ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل احوال منتظرہ عطا فرمادئے۔

عادات ومعمولات

حضرت مجدد صاحب کے عادات ومعمولات کو حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمی جو حضرت مجدد صاحب کی خدمت میں آخری تین سال میں سفر وحضر میں ساتھ رہے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ ''حضرت کو بارہا یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارا عمل اور کوشش بھی کیا چیز ہے جو کچھ ہے

وہ سب فضل خداوندی ہے، لیکن اگر اس کا کوئی ذریعہ کہا جاسکتا ہے تو وہ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہے، جس پر مدار کار سمجھتا ہوں، اللہ تعالی نے جو کچھ عطا فرمایا ہے، اسی پیروی اور اتباع کی راہ سے عطا فرمایا ہے جزئیاً وکلیاً، اور جو کچھ نصیب نہیں ہوا، وہ محض اس وجہ سے کہ بحکم بشریت اتباع کامل میں نقص وفتور ہونے کی وجہ سے، ایک روز فرمایا کہ ایک دن سہواً بیت الخلاء میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں پہلے رکھ دیا، اس دن بہت سے احوال سے محرومی رہی، ایک مرتبہ صالح ختلانی سے فرمایا کہ ہماری تھیلی سے تھوڑی سی لونگیں لے آؤ؟ وہ گئے اور چھ لونگیں لے آئے، آپ نے دیکھ کر ناگواری سے فرمایا کہ ہمارے صوفی کو ابھی تک یہ خبر نہیں کہ حدیث میں آتا ہے "اللّٰہ وتر ویحب الوتر" (۱) رعایت وتر مستحب کو لوگوں نے کیا سمجھا ہے، اگر دنیا وآخرت کو کسی ایسے نیک عمل کے بدلے میں دیدیا جائے جو اللہ کو پسند ہے تو اس کی بھی کوئی حیثیت نہیں، ایک خادم کہتے ہیں کہ میں نے شیخ محمد بن فضل اللہ قدس سرہ سے پوچھا کہ آپ نے سرہند میں کیا دیکھا، کچھ ہمیں بھی سنائیے، انہوں نے کہا کہ مجھ بے بصیرت کو کیا نظر آسکتا ہے، لیکن میں نے اتنا ضرور دیکھا کہ سنت کے آداب اور اس کی باریک باتوں میں سے کسی چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی فروگذاشت نہیں فرماتے، کسی اور سے اتنا اہتمام نہایت مشکل ہے۔

دنیا دار العمل ہے

ایک دوسرے حاضر باش نے کہا کہ ان حضرات کے احوال باطنی ہمارے ادراک سے بالاتر ہیں، لیکن اتنا کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مجدد کے حالات دیکھ کر اولیائے متقدمین کے حالات پر (جو کتابوں میں لکھے گئے ہیں) یقین آگیا، اور معلوم ہوا کہ ان میں مبالغہ نہیں تھا، بلکہ احساس ہوا کہ لکھنے والوں نے کم لکھا ہے، سارا دن اسی مشغولی میں گزرتا، ایک

(۱) ترمذی شریف حدیث نمبر ۴۱۵۔

خادم خاص نے (جس سے وضو، جاء نماز اور عبادات کے سلسلہ کی خدمات متعلق تھیں) کہا کہ صرف قیلولہ کے وقت اور رات کے ثلث دوم میں مجھے کچھ فرصت ملتی ہے، اپنے خدام ورفقاء کو بھی بکثرت دوام ذکر، حضور اور مراقبہ کی تاکید فرماتے تھے، اور ارشاد ہوتا تھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے، اور مزرعہ آخرت، حضور باطن کو آداب واعمال ظاہری کے ساتھ جمع رکھنا چاہئے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے (باوجود محبوبیت اور علو مرتبہ کے) پائے مبارک کثرت عبادت سے متورم ہوجاتے تھے۔

آپ کے یہاں سنن ونوافل کا اہتمام

گرمی ہو، سردی ہو حضرت کا سفر وحضر میں معمول یہ تھا کہ اکثر رات کو نصف اخیر میں اور کبھی ثلث اخیر میں بستر سے اٹھ جاتے، اس وقت کے لئے احادیث میں جو دعائیں آئی ہیں، وہ پڑھتے، وضو بڑے اہتمام واحتیاط کے ساتھ فرماتے کہ پانی اعضاء کو پورے طور پر پہنچ جائے، دوسرے کو اس کی اجازت نہ دیتے کہ وہ پانی ڈالے، وضو کرتے وقت قبلہ کی طرف منہ ہوتا، البتہ پائے مبارک دھوتے وقت اس کو شمال یا جنوب کی طرف موڑ لیتے، مسواک کی بڑی پابندی فرماتے اور جو دعائیں حدیث میں آئی ہیں، وہ پڑھتے، پھر بڑے حضور وجمعیت اور طول قراءت کے ساتھ نوافل پڑھتے، نوافل سے فارغ ہونے کے بعد خشوع واستغراق کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہوجاتے، فجر سے کچھ پہلے سنت کے مطابق جھپکی لے لیتے اور صبح صادق کے طلوع ہونے سے پہلے اٹھ جاتے، تازہ وضو فرماتے، فجر کی سنت دولت خانہ ہی پر ادا فرماتے، سنت وفرض کے درمیان سری طریقہ پر "سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم" پڑھتے رہتے، فجر کی نماز آخر غلس اور اول اسفار میں ادا کرتے، تاکہ غلس واسفار کے بارے میں دونوں مذہبوں پر عمل ہوجائے، خود امامت کرتے اور نماز فجر میں طوال مفصل پڑھتے تھے، فجر کی نماز کے بعد سے اشراق کے وقت

تک حلقہ فرماتے ، پھر طویل نماز اشراق پڑھ کر اور تسبیحات وادعیہ ماثورہ سے فارغ ہوکر
دولت خانہ میں تشریف لاتے اور اہل خانہ و متعلقین کی خیر وخبر لیتے اور جو امور روزمرہ کی
زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، ان کے متعلق ہدایات دیتے ، پھر خلوت میں تشریف لے
جاتے ، اور پوری توجہ کے ساتھ تلاوت قرآن میں مشغول ہوجاتے ، تلاوت کے بعد
طالبین کو طلب فرما کر ان کے حالات کی تحقیق وہدایات فرماتے ، اسی وقت اخص اصحاب کو
بلاکر مضامین وعلوم خاصہ سے ان کو مستفید فرماتے اور ان کو توجہ دیتے اور وہ اپنے حالات
وکیفیات سے مطلع کرتے اور آپ ان کو علو ہمت ، اتباع سنت اور دوام ذکر حضور اور
اخفائے حال کی تاکید فرماتے ۔

رمضان کے معمولات

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے ، نماز عشاء اور وتر کے بعد جلد آرام
فرمانے کے لئے لیٹ جاتے اور ادعیہ ماثورہ پڑھنے میں مشغول ہوجاتے ، درود کثرت
سے پڑھتے ، خاص طور پر شب جمعہ ، شب دوشنبہ اور روز شنبہ ، تلاوت کے وقت چہرہ
مبارک اور پڑھنے کے انداز سے سامعین کو ایسا محسوس ہوتا کہ اسرار قرآنی وبرکات آیات
کا فیضان ہورہا ہے ، نماز اور بیرون نماز میں خوف کی آیات پڑھتے ، یا جن آیات میں تعجب
واستفہام آیا ہے ، اس کا انداز ولہجہ پیدا ہوجاتا ، نماز میں تمام سنن ومندوبات اور آداب کی
رعایت فرماتے ، تحیۃ الوضو اور تحیۃ المسجد کا بھی اہتمام کرتے ، تراویح کے علاوہ کوئی نفل
نماز جماعت سے ادا نہ کرتے ، لوگوں کو شب عاشورا یا شب قدر میں جماعت کے ساتھ
نوافل ادا کرنے سے منع فرماتے ۔

رمضان کا بڑا اہتمام فرماتے ، تین سے کم ختم نہ کرتے ، خود حافظ قرآن تھے ، اس
لئے غیر رمضان میں بھی زبانی تلاوت فرماتے اور مختلف حلقوں میں بھی سنتے رہتے ،

افطار میں جیسا کہ احادیث میں آیا ہے تعجیل اور سحور میں تاخیر سے کام لیتے اور اس
کا اہتمام فرماتے ۔

ادائے زکوۃ میں طریقہ یہ تھا کہ جب کہیں سے کوئی ہدیہ یا نذرانہ آتا تو حولان حول یا
سال گزرنے کا انتظار نہ کرتے ، ان فتوحات کے وقت فوراً حساب کرکے زکوۃ ادا کردیتے ،
اور ان میں اہل صلاح ، بیوگان اور اہل قرابت کو ترجیح دیتے ، حج کا کئی بار عزم مصمم فرمایا
لیکن نوبت نہ آئی ، ہمیشہ اس شوق میں رہے اور اسی شوق میں اس دنیا سے سفر کیا۔

حلیہ مبارک

شیخ بدرالدین سرہندی نے جو حضرت کے خلفاء میں ہیں ، اور سترہ سال آپ کی صحبت
میں رہے ''حضرات القدس'' میں آپ کا حلیہ اس طرح لکھا ہے :

حضرت کا رنگ گندم گوں مائل بہ بیاض تھا ، پیشانی اور رخسار پر ایسا نور معلوم ہوتا تھا کہ
آنکھیں خیرہ ہوجاتی تھیں ، کشادہ ابرو تھے ، ابرو کمان کی طرح جھکی ہوئی ، دراز ، سیاہ اور
باریک آنکھیں فراخ اور کشادہ جن میں سیاہی کی جگہ بہت سیاہی اور سفیدی کی جگہ بہت
سفیدی ، بینی مبارک بہت باریک ، لب سرخ نازک ، دہانہ نہ دراز نہ کوتاہ ، دانت ایک دوسرے
سے جڑے ہوئے ، اور لعل بدخشاں کی طرح چمکتے ہوئے ، داڑھی گھنی ، باوقار ، دراز و مربع تھی ،
رخساروں پر ریش مبارک کے بال حد سے بڑھے ہوئے نہیں ، میانہ قدر ، نازک اندام تھے ۔

تجدیدی کارنامے

ان تمام اہل نظر اور انصاف پسند حضرات کی جن کی گیارہویں صدی (جس سے
الف ثانی ہزارۂ دوم کا آغاز ہوتا ہے) کی اسلامی تاریخ عمومی اور ہندوستان کی
اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر ہے ، اس پر اتفاق ہے کہ حضرت شیخ احمد سرہندی سے اسلام

کی حفاظت وتقویت کا وہ تاریخ ساز اور عہد آفریں کام انجام پایا جس کو حدیث کی
سادہ ومعروف اصطلاح میں ''تجدید'' کہا گیا ہے، اور جس نے ان کے سلسلہ میں
ایسی شہرت حاصل کی ہے کہ وہ ان کے نام کا قائم مقام بن گیا ہے، اور جس کی مثال
اس سے پہلے نہیں ملتی۔

یہ کام کیا تھا؟ روح وفکر اسلامی کی جلاوتازگی، وقت کے اہم ترین اور سنگین فتنوں کا
سدباب اور استیصال، نبوت محمدی اور شریعت اسلامی کی صداقت وابدیت پر از سرنو اعتقاد
واعتماد بحال کرنا، ریاضت واشراقیت پر مبنی اس روحانی تجربہ اور تلاش حقیقت اور خدارسی کی
کوشش کی طلسم شکنی جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور اتباع سے بے نیاز ہو''ہمہ
اوست'' اور وحدۃ الوجود کے عقیدہ اور نظریہ کی پردہ کشائی جو اپنے غلو ومبالغہ اور اشاعت
ومقبولیت کے نقطہ عروج پر پہنچ چکا تھا، اور جس سے عقائد میں تزلزل اور مسلم معاشرہ میں
انتشار پیدا ہورہا تھا اور اس متوازی ''وحدۃ الشہود'' کے مسلک ونظریہ کو مدلل ومرتب شکل
میں پیش کرنا، بدعات (جنھوں نے ایک مستقل تشریع کی شکل اختیار کرلی تھی) کی کھلی ہوئی
تردید ومخالفت حتی کہ ''بدعت حسنہ'' کے وجود سے بھی انکار، اور پھر آخر میں ہندوستان میں
اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدموں کے جمانے، اکبری عہد کے مخالف اسلام اثرات کے
ختم کرنے، اور ہندوستان میں ایک ایسا تجدیدی دینی انقلاب لانے کی حکیمانہ اور
کامیاب کوشش جس کے نتیجہ میں ایک طرف اکبر کے تخت پر محی الدین اورنگ زیب عالم
گیر متمکن ہوتا ہے، دوسری طرف حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور ان کے خلفاء
وتلامذہ کا وہ سلسلہ وجود میں آتا ہے، جو روحانی اور باطنی طور پر اسی سلسلہ سے وابستہ اور
منسوب ہے اور جس نے اشاعت وترویج کتاب وسنت، ان کی تفہیم وترجمانی، اور ان کے
سلسلہ درس وتدریس، مدارس کے قیام، تزکیہ وتربیت باطنی، اصلاح عقائد ورسوم کے عظیم
الشان کام اور پھر آخر میں جہاد وسعی اعلاء کلمۃ اللہ کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان میں

اسلام کو قائم اور شجرہ اسلام کو پھلتا پھولتا رکھا، بلکہ اس کو عالم اسلام میں دینی علوم (بالخصوص
علم حدیث) اور فکر ودعوت اسلامی کا مرکز بنادیا۔

تصنیفی کارنامے

حضرت مجدد الف ثانی نے اپنی ان اصلاحی ودینی سرگرمیوں کے پہلو بہ پہلو چھ کتابیں
بھی تصنیف کیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں:

(١) اثبات النبوۃ
(٢) رد روافض
(٣) رسالۂ تہلیلیہ
(٤) شرح رباعیات
(٥) معارف لدنیہ
(٦) مکتوبات امام ربانی

حضرت مجدد الف ثانی کا سب سے بڑا تصنیفی کارنامہ یہی سمجھا جاتا ہے اور یہی ان کے
اصلاحی کام کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے اور اس کا نفع وفیض اب تک جاری ہے۔

مجدد صاحب کی انفرادیت وامتیاز

مجدد صاحب کا تجدیدی کارنامہ محض یہ نہیں ہے کہ انہوں نے وحدۃ الوجود کے مقبول
عام نظریہ اور سکہ رائج الوقت کے متعلق ثابت کردیا کہ وہ ''نقد کامل عیار'' اور سلوک
ومعرفت کی منزل آخری نہیں ہے بلکہ اس باب میں ان کی انفرادیت وامتیاز کا راز یہ ہے
کہ انہوں نے اس پر اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں تنقید کی اور یہ ثابت کردیا کہ
وہ اس دریا میں غوطہ لگا کر اور اس کی تہہ تک پہنچ کر ابھرے ہیں اور تائید الٰہی سے انہوں نے

اپنی معرفت وتحقیق کی کشتی کو ساحل مراد تک پہنچایا ہے اور اس باب میں مشکل سے ان کا کوئی ہمسر اور ہمسفر ملے گا، مغربی مصنف پیٹر ہارڈی نے جو ان مسائل میں سند کا درجہ نہیں رکھتا، بہر حال یہ صحیح لکھا ہے کہ:

''شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انہوں نے ہندی اسلام ومتصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ نجات دلائی، شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریہ کی انہوں نے تردید کی اس کے مطلب ومفہوم اور قدر وقیمت کا ان کو ذاتی طور پر عمیق ادراک تھا''۔

حضرت مجدد صاحب کے چند اہم ترین خلفاء

حضرت مجدد صاحب کے خلفائے عظام کے ناموں اور کارناموں کا استقصاء مشکل ہے، کیونکہ کی تعداد کئی ہزار بتائی جاتی ہے، اور وہ تمام دنیا میں منتشر اور سرگرم عمل رہے، خلفاء میں متعدد اصحاب کے نام جن کو آپ نے بعض بیرونی ممالک میں اصلاح وتربیت کا کام تفویض کر کے روانہ فرمایا تھا، یا ہندوستان کے بعض اہم مقامات میں اس خدمت پر مامور فرمایا تھا، یہاں پر ان مشاہیر کی فہرست درج کر دی جاتی ہے، جس سے اندازہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مجدد صاحب کے سلسلہ کو کس طرح قبول عام عطا فرمایا اور ان کی اصلاحی وتجدیدی مساعی کو کیسا بارآور اور پرثمر فرمایا اور یہ سب ارادۂ خداوندی، تائید غیبی، قبولیت عنداللہ، غایت اخلاص اور اتباع سنت کے بغیر نہیں ہوسکتا کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

(۱) حضرت سید آدم بنوری (۲) مولانا احمد برکی (۳) مولانا احمد دیبنی (۴) مولانا امان اللہ لاہوری (۵) مولانا بدرالدین سرہندی (۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری (۷)

58

شیخ حسن برکی (۸) شیخ حمید بنگالی (۹) حاجی خضر خان افغانی (۱۰) میر صغیر احمد رومی (۱۱) شیخ طاہر بدخشی (۱۲) شیخ طاہر لاہوری (۱۳) خواجہ عبید اللہ عرف خواجہ کلاں (۱۴) خواجہ عبداللہ عرف خواجہ خورد (۱۵) شیخ عبدالحئی حصاری (۱۶) مولانا عبدالواحد لاہوری (۱۷) شیخ عبدالہادی فاروقی بداؤنی (۱۸) مولانا فرخ حسین ہروی (۱۹) مولانا قاسم علی (۲۰) شیخ کریم الدین باباحسن ابدالی (۲۱) سید محبّ اللہ مانک پوری (۲۲) شیخ محمد صادق کابلی (۲۳) مولانا محمد صالح کولابی (۲۴) مولانا محمد صدیق کشمی (۲۷) شیخ مزمل (۲۸) حافظ محمود لاہوری (۲۹) شیخ نور محمد پٹنی (۳۰) مولانا یار محمد جدید بدخشی طالقانی (۳۱) مولانا یار محمد قدیم (۳۲) شیخ یوسف برکی (۳۳) مولانا یوسف سمرقندی۔

وفات

حضرت مجدد الف ثانی اپنے وطن سرہند میں مقیم تھے کہ اچانک خواجہ باقی باللہ کے اشارہ پر لاہور کا سفر اختیار فرمایا، لاہور چونکہ اس وقت دہلی کے بعد ہندوستان کا دوسرا علمی ودینی مرکز تھا اور وہاں بکثرت علماء ومشائخ تھے، حضرت مجدد صاحب ابھی لاہور ہی میں مقیم تھے کہ حضرت خواجہ کی رحلت کی اطلاع ملی، حضرت پر بڑا اثر ہوا، ایک اضطرابی واضطراری حالت میں دہلی کی طرف عنان سفر موڑ دی، اور اپنے شیخ ومرشد کے مزار پر حاضر ہوئے، مرشد زادوں اور برادران طریقت سے تعزیت کی اور ان کی خواہش پر ان کی تسکین خاطر کے لئے چند روز دہلی میں قیام فرمایا، کچھ روز وہاں قیام فرما کر آپ سرہند تشریف لے آئے اور وہاں تقریباً تین سال تک تعلیم وتدریس، دعوت وعبادت میں گزار کر بروز سہ شنبہ ۲۸/صفر ۱۰۳۲ھ مطابق ۱۰/دسمبر ۱۶۲۴ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی☆

ولادت: ۱۱۱۴ھ مطابق ۱۷۰۲ء - وفات: ۱۱۷۶ھ مطابق ۱۷۶۲ء

ولادت باسعادت اور اسم مبارک

شیخ الاسلام محدث کبیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی ولادت چہارشنبہ کے دن ۴؍شوال ۱۱۱۴ھ طلوع آفتاب کے وقت اپنے نانیہال قصبہ پھلت (ضلع مظفرنگر) میں ہوئی، تاریخ ولادت ''عظیم الدین'' سے نکلتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب کی عمر مبارک ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے مبشرات نظر آئے تھے۔(۱)

آپ کی والدہ ماجدہ کا اسم گرامی فخر النساء تھا، آپ کی والدہ ماجدہ تفسیر وحدیث جیسے علوم شرعیہ کی عالم، آداب طریقت سے آراستہ وپیراستہ، اسرار حقیقت کی معرفت رکھنے والی اور ان وجوہ سے حقیقتاً طبقۂ اناث کے لیے باعث فخر اور اسم بامسمّٰی تھیں (۲) ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم صاحب کو خواب میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے فرزند کی بشارت دی اور فرمایا کہ میرے نام پر اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا، حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری ولادت کے بعد والد صاحب کو یاد نہیں رہا تو انہوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد جب یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا(۳)، شاہ

☆ یہ مضمون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بزم سلیمانی کے جلسہ میں پڑھنے کے لیے ۸؍محرم ۱۴۱۶ھ مطابق ۸؍جون ۱۹۹۵ء کو تحریر کیا تھا۔

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد نمبر ۵؍صفحہ ۹۷

(۲) مذکور صفحہ ۱۹۸ القول الجلی۔ (۳) مذکور انفاس العارفین صفحہ ۴۴۔

صاحب سات سال کے تھے کہ والدین کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے اور دعا کرتے وقت ان دونوں کے ہاتھ میں اپنے ہاتھ دیتے اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا جو ان کے والد ماجد نے ان کی ولادت سے قبل دیکھا تھا۔(۱)

تعلیم وتربیت

شاہ صاحب کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں داخل کئے گئے، سات سال کی عمر میں سنت ابراہیمی ادا ہوئی اور ختنہ ہوا اور اسی عمر سے نماز کی عادت ڈالدی گئی، اسی سال کے آخر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی اور فارسی کی کتابیں اور عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کئے، اور کافیہ ختم کی، دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی، فرماتے ہیں کہ مجھ میں بالجملہ مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی، چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا، پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علوم متداول سے فراغت کی، والد صاحب نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی اور بڑے پیمانہ پر کھانا تیار کیا، جس میں خواص وعام شریک ہوئے، اسی پندرہ برس کی عمر میں والد صاحب سے مشکوٰۃ کا درس لیا جس کا صرف تھوڑا سا حصہ (کتاب البیوع سے آداب تک) رہ گیا، کتاب کی قرأت دوسرے ساتھی نے کی تھی، جو حصہ رہ گیا اس کی بھی اجازت والد صاحب سے حاصل ہوئی، والد صاحب ہی سے بخاری کتاب الطہارات تک، شمائل ترمذی مکمل، تفسیر مدارک وبیضاوی کا کچھ حصہ پڑھا، فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک بڑا انعام یہ ہوا کہ والد صاحب کے درس قرآن میں کئی بار شریک ہوا، جس سے معانی قرآن کا ایک دروازہ کھل گیا۔(۲)

(۱) مذکورہ صفحہ ۹۸۔

(۲) ایضا الجزء اللطیف۔

والد ماجد کی شفقت وتربیت اور اجازت وخلافت

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی باپ کی بیٹے پر، کسی استاذ کی شاگرد پر اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی (۱) حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی تربیت کا انداز بھی بڑا حکیمانہ تھا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک روز زمانہ طفولیت میں احباب واعزہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ کی سیر کو چلا گیا، جب واپس آیا تو والد صاحب نے فرمایا کہ ولی اللہ! تم نے اس دن ورات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی رہے، ہم نے اس مدت میں اتنا درود پڑھا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ سن کر میرا دل باغات کی سیر وتفریح سے بالکل سرد ہوگیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق نہیں پیدا ہوا، (۲) شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب مجھے حکمت عملی، آداب مجلس اور تہذیب ودانش مندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے اور اکثر یہ شعر پڑھتے تھے: ؎

آسائش دو گیتی تفسیر ایں دو حرف است
با دوستاں تلطف با دشمناں مدارا

شاہ عبدالرحیم صاحب، شاہ ولی اللہ کے بیان کے مطابق، شجاعت، فراست، خوش انتظامی اور غیرت وحمیت جیسے اوصاف عالیہ سے متصف تھے، شاہ صاحب کی سیرت واخلاق میں انہیں چیزوں کا پرتو تھا، والد صاحب ہی سے چودہ سال کی عمر میں بیعت ہوئے اور اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے، توجہ اور تلقین حاصل کی، والد صاحب نے آداب طریقت کا ایک حصہ تعلیم کیا اور خرقہ پہنایا، شاہ صاحب کی عمر سترہ سال کی تھی کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب نے اس دنیا سے

(۱) ایضا صفحہ ۱۰۳۔
(۲) ایضاً ۱۰۳۔

60

رحلت فرمائی، آپ نے مرض موت میں بیعت وارشاد کی اجازت دی اور بار بار فرمایا کہ "یدہ کیدی" اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے۔ (۱)

شادی خانہ آبادی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی عمر چودہ سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے کردی، سسرال والوں نے جب مہلت کا تقاضہ کیا تو شاہ عبدالرحیم صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ اس میں مصلحت ہے، بعد کے پے درپے حوادث نے ثابت کردیا کہ اگر اس زمانہ میں شادی نہ ہوتی تو اس کو بہت دنوں کیلئے ملتوی کرنا پڑتا، ان زوجہ سے آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے (۲) شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا، جو سونی پت کے رہنے والے تھے، ان زوجہ سے آپ کے چار نامور صاحبزادے تولد ہوئے جو ہندوستان میں دین کی نشأۃ ثانیہ کے ارکان اربعہ ہیں، ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئی۔

سفر حجاز اور حج بیت اللہ

شاہ صاحب کی علمی، فکری اور دعوتی وتجدیدی زندگی میں حجاز مقدس کا سفر اور قیام ایک تاریخ ساز واقعہ اور ان کی کتاب زندگی کا ایک نیا باب اور حد فاصل ہے، چنانچہ آپ نے تیس سال کی عمر میں ۱۱۴۳ھ میں حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، اس وقت سورت (گجرات) ہندوستان کی بندرگاہ اور باب مکہ تھا، سورت سے جدہ ۴۵/روز میں پہونچنا ہوا

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد نمبر ۵ صفحہ ۱۰۴۔
(۲) مذکورہ صفحہ ۱۰۵۔

،شاہ صاحب الجزء اللطیف میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا۔

۱۱۴۳ھ کے آخر (ذی الحجہ) میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابوطاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی، علماء حرمین سے مجالس رہیں، شیخ ابوطاہر مدنی نے خرقہ پہنایا جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے، اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا اور ۱۰ر رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے مستقر پر (دہلی میں) پہنچا۔(۱)

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمیہ میں جو اس وقت پرانی دلی میں اس محلّہ میں جو اب مہندیاں کہلاتا ہے واقع تھا، درس شروع کر دیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلباء کھینچ کھینچ کر پہنچنے لگے، اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی، اللہ تعالی نے یہ سعادت (بہت سی توفیقیوں اور کمزویوں کے ساتھ) محمد شاہ بادشاہ کے مقدر میں رکھی تھی، اس نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالیشان مکان دے کر شہر میں بلالیا اور آپ نے وہاں درس شرع کر دیا۔

اوصاف وخصائل ومعمولات

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے، فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد جیسا قوی الحفظ نہیں دیکھا، سننے کا انکار تو نہیں کرسکتا لیکن مشاہدہ میں نہیں آیا، علوم

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد۵ رصفحہ ۱۰۹۔

وکمالات کے ماسوا ضبط اوقات میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دو پہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھاتے نہ تھوکتے، ہر فن میں ایک ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا، اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد کر دیتے اور خود بیان حقائق ومعارف اور ان کی تدوین وتحریر میں مصروف رہتے، حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے، جس چیز کا کشف ہوتا تھا اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بہت کم رہتے تھے، طبیعت میں بچپن سے لطافت ونظافت تھی، اشعار صوفیہ کم پڑھتے، کبھی کبھی ضرور کوئی شعر پڑھتے۔(۱)

تجدیدی واصلاحی کارنامے

شاہ صاحب سے اللہ تعالی نے تجدید واصلاح امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علوم نبوت کی نشر واشاعت اور اپنے عہد وملت کے فکر وعمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوع پایا جاتا ہے، جس کی مثال معاصر ہی نہیں، دور ماضی کے علماء ومصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے، حضرت شاہ صاحب نے علم وعمل کے اتنے میدانوں میں تجدیدی واصلاحی کارنامے انجام دیئے کہ ان کے سوانح نگار اور اسلام کی تاریخ دعوت وعزیمت پر قلم اٹھانے والے کے لیے ان کا احتواء اور ان سب کا تفصیلی وتحلیلی جائزہ لینا دشوار ہوگیا ہے، اور جو اس کا ارادہ کرے اس کی زبان بے اختیار فارسی کے اس مشہور شعر کے ساتھ شکوہ سنج ہو جاتی ہے۔

داماں نگہ تنگ وگل حسن تو بسیار گل چیں بہار تو ز داماں گلہ دارد

تاہم یہاں پر ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے حوالہ سے حضرت شاہ صاحب کے کچھ اہم کارنامے نقل کئے جاتے ہیں:

۱- اصلاح عقائد ودعوت الی القرآن کا کام انجام دینا۔

(۱) تاریخ دعوت وعزیمت جلد۵ رصفحہ ۱۱۷۔

۲-حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اورفقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت وسعی کرنا۔

۳-شریعت اسلامی کی مربوط ومدلل ترجمانی اوراسرار ومقاصد حدیث وسنت کی نقاب کشائی کرنا۔

۴-اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح ، خلافت راشدہ کے خصائص اوراس کا اثبات اوررد رفض کرنا۔

۵- سیاسی انتشاراورحکومت مغلیہ کے دوراحتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ وقائدانہ کرداراداکرنا۔

۶-امت کےمختلف طبقات کااحتساب اوران کودعوت اصلاح وانقلاب کا پیش کرنا۔

۷- علماء راسخین اورمردان کار کی تعلیم وتربیت- جو ان کے بعد اصلاح امت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں-کا کرنا۔

۸- نیز آپ کا وعظ وارشاد، درس وتدریس اوراصلاح امت کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کا کام کرنا بھی ایک اہم کارنامہ ہے،آپ کی تصنیفات کی کل تعداد۵۳؍ ہے۔

وفات

کیونکہ یہ عالم فانی ہے،اس کی ہر شئے فانی ہے،اس میں کسی بھی چیز کودوام نہیں، یہ ایک ایسے گلشن کی طرح ہے جس میں ہزاروں بلبلیں آتی ہیں اوراپنی اپنی بولیاں بولتی ہیں اور پھراڑ جاتی ہیں، اس دنیا میں آنے والا ہر انسان اس مسافر کی طرح ہے جو راستہ کی منزلیں طے کرتا ہوااپنے مقصودکو پہنچ جاتا ہے،اوراثناءراہ میں ایک دوشب قیام کرتا ہے، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

مسافردرسرائے کارواں اکثرنمی ماند
اگر ماند شبے ماند شب دیگرنمی ماند

بالآخراس بیش قیمت وبابرکت مدت حیات کے-جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ،اسلام اور مسلمانوں کے لیےمفیداوراحیاءسنت،قرآن وحدیث کی نشرواشاعت،تعلیم وتربیت، یادالٰہی اوراعلاءکلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا- خاتمہ بالخیر کادن آگیا،جس سے" کل نفس ذائقۃ الموت"کےاعلان ووعدہ کےمطابق نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے نہ کوئی ولی نہ مجدد، نہ مجاہد، چنانچہ ۱۱۷۶ھ شروع ہواتھا،محرم کی ۲۹ویں تاریخ تھی اور۱۷۶۲ء کے اگست کے مہینہ کا اکیسواں دن گذررہا تھا کہ شنبہ بوقت ظہریوم موعودآپہنچااورشاہ ولی اللہ نےمختصر علالت کے بعد باسٹھ سال کی عمر میں اس دارفانی کوخیرآباد کہااور جان جان آفریں کے سپرد کی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

چیست ازیں خوب تر درہمہ آفاق کار
دوست رسدنزددوست یار بہ نزدیک یار

حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلویؒ

ولادت:۱۱۶۲ھ مطابق ۱۷۴۹ء- وفات: ۱۲۴۵ھ مطابق ۱۸۲۹ء

تمہید

حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ مولانا حکیم شیخ الاسلام کے نامور فرزند اور مرجع خلائق بزرگ عالم تھے، ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۵ھ میں ۸۳/سال کی عمر میں وفات پائی، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کے ممتاز ترین شاگردوں میں تھے، اپنے وقت کے نامور صاحب فتوی، صاحب درس وصاحب تصنیف تھے، کامل طبیب اور علوم عقلیہ ونقلیہ میں اعلی دستگاہ رکھتے تھے، عربی وفارسی اور اردو نظم پر استاذانہ قدرت تھی، جس کی شاہدان کی تصنیف کردہ کتاب ''شرح بانت سعاد'' ہے، جس میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے ہر عربی شعر کا ترجمہ عربی، فارسی اور اردو شعر میں کیا ہے، عربی، فارسی کی تقریباً ساٹھ تصانیف یادگار ہیں، شیم الحبیب اور مثنوی مولانا روم کا تکملہ سب سے زیادہ مشہور ہے۔

سلوک وطریقت کی ابتداء

مفتی صاحب تعلیم کی تکمیل کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی ہی سے بیعت ہو گئے تھے، حضرت سید احمد شہید کی تشریف آوری پر باوجود کبر سنی اور سید صاحب سے ۳۸/۳۹/ سال بڑے ہونے کے رجوع کیا اور بڑے اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ استفادہ کرتے

☆ یہ مضمون راقم نے اپنی کتاب ''سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی'' میں لکھا تھا، وہاں سے اخذ کر کے اس کتاب کا جزء بنا دیا گیا۔

رہے، حضرت سید احمد شہیدؒ سے پہلی ملاقات کی داستان جذب وشوق خود مفتی صاحب کی زبانی سنئے: ''ناگاہ از مدد غیبی بہ اعانت سعادت ازلی، صیت کمالات وقوت تکمیل وطنطنہ شادات، وسرعت تاثیر جزیل وجمیل سید احمد حسنی مقتفی آثار وقدیم برقدم محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم جان بخش گوش وہوش ودل نواز سامعہ حقیقت بنوش گردید، ونشہ اشتیاق درک صحبت سر آمد از اولیائے آفاق، چنداں دوبالا گشت کہ طائر صبر از آشیانہ دل برید، داز بہ قراری جامہ آرام برتن درید۔

سید احمد شہید کی مدح سرائی

اس کے ساتھ ہی ساتھ حضرت سید احمد شہید کی مدح وتوصیف میں بکثرت اشعار کہے، دوغزلوں کے چند شعر لکھے جاتے ہیں:

یارب احوال دل خستہ ندانم چہ شود	میر احمد نرسد گر ہمدردگاری ما
اے نشاط او چہ ضعیفی طلب ہمت کن	از وسید برحق کہ کند یاری ما
جناب سید احمد کہ باشد فیض ربانی	بساں مہر انورمی کند یاری ما
مجدالف ثانی شد جناب احمد اول	مجدد مائۃ ثالث راجناب احمد ثانی
بخلق احمدی کامل بنور ایزدی واصل	نور اندر رضائے حق رضائے رافانی

مفتی صاحب نے حضرت سید احمد شہید کے طریقہ واذکار میں ایک کتاب بھی تصنیف فرمائی، جس کا نام ''ملہمات احمدیہ'' ہے جس کو ''صراط مستقیم'' کا خلاصہ کہنا صحیح ہوگا۔

آپ کے دونوں صاحبزادے سید صاحب کے عاشق ومحبّ

مفتی الٰہی بخش کے دونوں صاحبزادے مولانا ابوالحسن صاحب اور مولانا ابوالقاسم صاحب حضرت سید صاحب کے ایسے عاشق ومحبّ تھے کہ سید صاحب کے حج سے واپسی

پر ایک قصیدہ کہا جو پورا کا پورا عشق و محبت اور تعلق کے جذبات سے بھرا ہے۔

اس طویل قصیدہ کے چند شعر بطور نمونہ کے لکھے جاتے ہیں، اہل قافلہ (سید صاحب کی جماعت) کے دینی و اصلاحی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جس طرف دیکھئے تعمیر مساجد ہے گی — ہے ہر اک شخص کی تحقیق مسائل پر نظر
آتی ہر سمت سے ہے بانگ مؤذن کی صدا — جس کو سنئے یہی کہتا ہے اللہ اکبر
اس قدر عصر میں تیرے ہوئے افراط نماز — لاکھوں تیار ہوئے ملک میں چھوٹے منبر
قطع بدعات ہوئی فیض سے تیرے ایسی — ہند سے رسمیں بری اٹھ گئیں ساری یکسر
دیکھئے جس کو سو کرتا ہے کلام اللہ یاد — باندھی ہر شخص نے تہذیب و ہدایت پہ کمر

آپ کے دونواسے بھی سید صاحب کے عاشق و محبّ

مفتی صاحب کے دونواسے مولانا محمد مصطفیٰ جھنجھانوی اور مولانا محمد صابر جھنجھانوی نے جو مفتی صاحب کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے، حضرت سید صاحب سے صرف محبت ہی کا تعلق نہیں رکھا، بلکہ ان کے ہمراہ جہاد کرنے میں بھی تشریف لے گئے، مولانا مصطفیٰ نے تو شہادت حاصل کر لی، اور مولانا محمد صابر واپس تشریف لائے اور ساری زندگی ان کی جدوجہد میں گزری۔

مولانا حیرت لکھتے ہیں: ''ہمہ عمر در سربراہی و امداد و اعانت قافلہ امیر سید احمد شہید مرحوم گزارانید'' ساری عمر حضرت سید احمد شہید کے قافلہ کی سربراہی اور اعانت و ہمراہی میں گزار دی، اسی کا اثر تھا کہ کاندھلہ اور جھنجھانہ کا یہ پورا خاندان حضرت سید احمد شہید اور ان کی تحریک کا گرویدہ تھا، گھروں میں اندر یا باہر، چھوٹا ہو یا بڑا، مرد ہو یا عورت سب کی زبانوں پر اس تحریک کا چرچا اور حضرت سید احمد شہید کا تذکرہ تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ ☆

ولادت: ۱۲۴۸ھ مطابق ۱۸۳۲ء - وفات: ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء

تاریخ کی ایک عظیم شخصیت

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ تاریخ کی وہ عظیم عبقری اور مثالی شخصیت ہیں، جن کا فیض برصغیر ہند و پاک ہی میں نہیں بلکہ دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں پر حضرت نانوتوی کا فیض بالواسطہ نہ پہنچ گیا ہو، اللہ تعالیٰ کا ایک عجیب نظام ہے، بعض مرتبہ بعض شخصیات کو عمر بہت کم دی جاتی ہے، مگر ان کی کم عمری ان کی شخصیت کی معنویت اور افادیت کو مشہور و معروف ہونے سے نہیں روک سکتی، حضرت ابوزکریا یحییٰ انصاری نووی، حضرت سید احمد شہید جیسے بہت سے جبال علم و معرفت کا زمانی رقبہ کم ہے، مگر معنوی، روحانی اور علمی رقبہ پورے عالم کو محیط ہے، اسی طرح قاسم العلوم امام محمد قاسم صاحب نانوتوی کو بھی عمر کم ہی ملی، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے نام اور کام کو اور ان کی نسبت کو پوری دنیا میں پہنچا دیا، وہ علم و معرفت کے امام، اسلامی علوم کے بحر زخار، جہد و جہاد کے سربکف سرفروش، مجاہد فی سبیل اللہ، ناشر رشد و ہدایت، متکلم بے مثال، مناظر یگانہ، حجۃ الاسلام، داعی الی اللہ اور بانیان دار العلوم دیوبند کی مثالی کڑی کے ایک درنایاب تھے۔

ولادت اور تعلیم و تربیت

حضرت نانوتوی ۱۲۴۸ھ میں ضلع سہارنپور کے ایک قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے، ان کا

☆ یہ مضمون ماہنامہ ''فکر انقلاب'' کے مدیر کی خواہش پر فکر انقلاب کے خصوصی نمبر (اپریل ۲۰۱۵ء) برائے حضرت نانوتوی کے لئے تحریر کیا تھا۔

سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، اللہ تعالی نے ان کو بچپن ہی سے ذکاوت وذہانت کے جوہر سے نوازا تھا، اس لئے کم عمری میں عام بچوں سے جداگانہ ان کی شناخت تھی، دیوبند اور سہارنپور کے بعض اساتذہ سے انہوں نے قرآن کریم اور ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر دہلی جاکر اپنی دینی تعلیم کی تکمیل کی اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب محدث دہلوی سے حدیث کی اعلی کتابیں پڑھیں۔

بیعت اور سلوک وطریقت

اس کے بعد تلاش معاش کے لئے متعدد جگہ ملازمت کی، لیکن ان کی خودداری انہیں کسی بڑے کام اور شایان شان عمل کے لئے آمادہ کرتی رہی، پھر ایک مختصر مدت تک درس وتدریس کے کام میں بھی مشغول رہے، لیکن ان کے مزاج اور شخصیت کی گمشدہ متاع اب بھی ہاتھ نہیں آئی، چونکہ دوران طالب علمی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے، اور ان کو اپنا روحانی راہنما مان لیا، اور ان کے زیر سایہ سلوک وطریقت کے منازل طے کرنے لگے، اور سخت ترین مجاہدے کئے، اس لئے اب عبادت، ذکر اور مراقبہ کے علاوہ ہر تمنا ان کے دل سے رخصت ہوگئی تھی، اس طرح پھر انہوں نے اپنی دیرینہ متاع حاصل کرلی اور حضرت حاجی صاحب نے ان کو روحانی سلاسل میں اجازت وخلافت سے نوازا، اس طرح بہت کم مدت میں وہ مسند ارشاد پر فائز ہوگئے، اور لوگوں کے مرکز عقیدت بن گئے۔

آپ کی حسن تدبیر پر انگیریزوں کا اعتراف

انگریزی سلطنت کا ہندوستان میں اس وقت اقتدار تھا، اور وہ اس ملک سے اسلام اور مسلمانوں کو اور ان کے دینی تشخص کو ختم کرنا چاہتے تھے، اسلئے وہ عیسائیت ومسیحیت کی تبلیغ

میں پوری کوشش کررہے تھے، اس وقت کے مقتدر علماء کی طرح حضرت نانوتوی نے بھی فتنے کو بھانپ لیا، اور پھر میدان عمل میں آکر انگریزوں کے دانت کھٹے کردئے اور ان سے زبردست مناظرے کئے، جن میں باطل نے شکست فاش کھائی، حضرت نانوتوی نے عیسائیت کی تردید کی مسلسل کوشش جاری رکھی، یہاں تک کہ انگریزوں کو اپنی ناکامی کا احساس ہونے لگا، اور انگریزوں کو حضرت نانوتوی کی برتری ان کی وسعت نظر اور کثرت علم کا اعتراف کرنا پڑا، اور وہ برملا یوں کہنے پر مجبور ہوئے: ''بہت سے علماء اسلام سے ہماری ملاقات ہوئی ہے، ہم نے ان کی گفتگو بھی سنی ہے اور ان سے بحث ومباحثہ بھی کیا ہے لیکن حضرت نانوتوی کی شخصیت میں جو چیز جلوہ گر دیکھی وہ دوسرے علماء کے یہاں کہیں نہیں دیکھی''۔

حضرت نانوتوی ایک عظیم مناظر

حضرت نانوتویؒ نے صرف عیسائیت ہی کا مقابلہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس کے ساتھ آریہ سماجیوں سے بڑے تاریخ ساز مناظرے کئے اور ہر بار آریہ سماجی شکست کا منہ دیکھ کر اور میدان چھوڑ کر بھاگے، ان کے بہت سے مناظروں میں پنڈت دیانند سرسوتی کے ساتھ رڑکی میں ہونے والا تاریخی مناظرہ خاص طور پر بڑی شہرت کا حامل ہے، یہ مناظرہ پنڈت دیانند سرسوتی اور ان کی رسوائی اور جگ ہنسائی میں فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے۔

ہند میں اسلام وایمان کی حفاظت آپ کا عظیم کارنامہ

پھر دارالعلوم دیوبند کے قیام پر آپ کی دیوبند تشریف آوری ہوئی، اور حضرت حاجی سید محمد عابد حسین صاحب نے ۱۲۸۳ھ ہجری میں جس دارالعلوم کا خاکہ اور پلان پیش کیا، اس دارالعلوم کے صف اول کے بانیوں میں شمار ہونے لگے، دارالعلوم کا قیام مسلمانوں

کے لئے ایک عظیم کارنامہ ہے، جس سے حضرت نانوتوی کی زندگی وابستہ رہی، اور پھر تمام
کارنامے یہیں سے انجام دئے، اس طرح حضرت نانوتوی نے مسلمانوں کے دینی
مستقبل کی تعمیر کے لئے بڑی فکرمندی سے کام کیا، اور یہ حضرت کی ذات بابرکت تھی جس
نے مسلمانوں کے دینی مستقبل کی حفاظت کے راستے کھولے اور ذہن وفکر کے دریچے
روشن کئے اور مسلمانوں کو سامراج کی غلامی سے نکالا، ہندوستان میں اسلام اور ایمان کے
سرمایہ کی حفاظت میں ان کے عظیم ترین کارناموں اور دیرینہ خدمات کا بہت بڑا حصہ ہے،
جو تاریخ کا ایک مستقل باب ہے، جس کو بھلایا نہیں جاسکتا۔

آپ کے یادگار کارنامے

حضرت نانوتوی نے درس وتدریس، دعوت وارشاد، جہد وجہاد کے ساتھ چند یادگار
تصنیفات بھی چھوڑی ہیں، ان سے ان کی علمی وسعت اورفکری گہرائی کا اندازہ کیا
جاسکتا ہے، ان میں تقریر دلپذیر، آب حیات، انتصار الاسلام اور تحذیر الناس خاص طور پر
قابل ذکر ہیں، اسی طرح ان کی آدم گری اور مردم سازی کے ہزاروں نمونے نہ دیکھتے
ہوئے صرف ان کے شاگرد رشید شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی ہی کو دیکھ لیجئے
جنہوں نے حضرت نانوتوی سے میرٹھ میں اس وقت پڑھا جب حضرت نانوتوی میرٹھ میں
ایک مطبع میں ملازم تھے، تو وہ شیخ الہند ہی نہیں بلکہ شیخ العرب والعجم بن گئے، جن کی علم
ومعرفت میں فہم قرآن میں اور درس حدیث میں، سلوک وطریقت میں اور جہد وجہاد میں
کوئی مثال نہیں۔

مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی آپ کا شیوہ تھا

پھر امام ربانی حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کی شخصیت کا کیونکر اندازہ

لگایا جاسکتا ہے، اللہ تعالی نے ان کے علم وعمل میں، قول وفعل میں، درس وتقریر میں، اتباع
سنت کا جذبہ، اعلاء کلمۃ اللہ کا ولولہ، اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی اور ملت اسلامیہ
کی فکرمندی اور ملک ووطن کی محبت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی اور ان کا جینا مرنا اور چلنا پھرنا
اللہ کی رضا کی خاطر مسلمانوں کے لئے تھا، اللہ تعالی حضرت نانوتوی کو پوری ملت اسلامیہ
کی طرف سے اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

وفات حسرت آیات

جب حضرت نانوتوی کی زندگی کی شام کا وقت ہوگیا، اور اپنی دینی خدمات کا انعام
لینے کا وقت آ گیا، تو رب العالمین نے حضرت نانوتوی کو ۴؍ جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ
جمعرات کے دن اپنے پاس بلا کر ہمیشہ ہمیش کے لئے ابدی نیند سلا دیا، اور ملت اسلامیہ
اپنے ایک عظیم رہبر اور امام سے محروم ہوگئی، اللہ تعالی حضرت نانوتوی کے درجات کو بلند
فرمائے، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی
توفیق عطا فرمائے۔

حضرت خواجہ سائیں توکل شاہ صاحب انبالویؒ

ولادت: ۱۲۵۵ھ مطابق ۱۸۳۹ء - وفات: ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء

پیدائش، وطن اور لقب

حضرت سائیں توکل شاہ صاحب پنجاب کے ضلع گورداسپور کے موضع پاکھوکے میں ۱۲۵۵ ہجری میں اس عالم رنگ وبو میں تشریف لائے، ابھی آپ کم سن تھے کہ والدین کے سایہ عاطفت سے محروم ہوگئے، آپ کا کوئی بہن بھائی نہیں تھا، بلکہ آپ اکیلے ہی تھے، آپ کے نانا حضرت میاں اللہ دین شاہ رحمۃ اللہ علیہ مست نے جو صاحب نسبت بزرگ تھے، آپ کی پرورش کی، آپ کے نام کے سلسلہ میں اختلاف ہے؛ لیکن آپ کے تذکرہ نگار ذکر خیر میں لکھتے ہیں کہ آپ کا نام ''توکل شاہ'' ہے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ توکل شاہ ہمارا لقب ہے، جو اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے، البتہ آپ کے والد گرامی کا نام بتانے سے تاریخ قاصر ہے۔

آپ کا حلیہ اور تعلیم

آپ میانہ قد، فربہ اندام، مضبوط ہاتھ پاؤں، باریک وخمیدہ ابرو، کشادہ پیشانی، بڑی بڑی آنکھوں اور رعب داب کے مالک تھے، آنکھیں ہمیشہ بادہ عشق سے مخمور ومست رہتی تھیں اور رنگت سرخ وسفید تھی، آپ امی (ان پڑھ) تھے، دنیا کے کسی مکتب سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی،

☆ یہ مضمون حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مفتاحی قاسمی مہتمم جامعہ بیت العلوم پپلی مزرعہ کی فرمائش پر ان کے یہاں ایک کانفرنس کے لئے لکھا گیا، لیکن یہ کانفرنس ملتوی ہوگئی تھی۔

لیکن علوم حدیث وفقہ وقراءت وتصوف کے بحر ذخار تھے، بڑے بڑے جید علماء حق حاضر خدمت ہوتے اور مختلف مسائل دریافت کرتے تو آپ ایسا مدلل وجامع جواب عطا فرماتے کہ ان حضرات کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا اور بزبان حال کہنا پڑتا کہ آپ کو کون امی کہتا ہے۔

خواجہ چشتی نظامی اجمیری سے آپ کی عقیدت ومحبت

ایک مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر عارفانہ کلام نے عجب رنگ باندھا ہوا تھا، حاضرین محفل آنکھیں بند کئے عالم مراقبہ میں اپنے اپنے حال ومقام کے مطابق اللہ سے لو لگائے بیٹھے تھے، نوجوان توکل شاہ کو بھی سماع کا شوق تھا، اسے اجمیر شریف کے ایک ولی اللہ حضرت چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت ومحبت تھی، اکثر ان کی خدمت میں حاضر باش رہا کرتا تھا، ان بزرگ سے بہ اصرار عرض کیا کہ حضرت والا بھی تشریف لے چلیں، انہوں نے فرمایا کہ بیٹا وہاں میرے جوش عشق کا کوئی متحمل نہ ہوسکے گا، لیکن نوجوان نے دوبارہ اصرار کیا اور بصد ادب دامن پکڑ کر ساتھ لے گیا، ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ آپ پر حالت وجد طاری ہوگئی اور ''الا اللہ'' کا ایسا نعرہ مارا کہ حاضرین بیہوش ہوگئے اور آپ واپس حجرے میں تشریف لے آئے، اس دن سے توکل شاہ کو آپ سے اور بھی محبت وعقیدت ہوگئی، وہ بلوغت کی دہلیز پر قدم رکھنے سے قبل ہی اپنا گھر بار چھوڑ کر مختلف قصبات اور شہروں سے ہوتا ہوا اجمیر شریف پہنچا تھا، دل کے اندر تڑپ بدرجہ اتم موجو تھی کہ کسی اللہ والے کے دامن سے وابستہ ہوجائے؛ کیونکہ اسے بچپن سے ہی اولیاء اللہ اور بزرگان دین سے میل ملاقات کا شوق تھا۔

تمہارا مرشد پنجاب میں ہے

حضرت توکل شاہ نے وقتاً فوقتاً حضرت چشتی نظامی رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ

مجھے بیعت فرما کر غلامی میں لے لیا جائے، آپ نے ہر بار سکوت فرمایا، البتہ ان کو بطریق
چشتیہ نفی اثبات کی تلقین فرمائی، تو ان دنوں میں انہیں عجیب وغریب کیفیات کا مشاہدہ
وتجربہ ہونے لگا، اب وہ زیادہ وقت آپ کے پاس گزارنے لگے، ایک دن حضرت چشتی
نظامی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ سے حکم ہوا کہ تم
بصرہ کے قطب بنادئے گئے ہو، لہٰذا وہاں چلے جاؤ، تو وہ بصرہ تشریف لے گئے اور حضرت
توکل شاہ دیکھتے رہ گئے اور انتظار کرنے لگے کہ دیکھیں قدرت سے کیا ظہور میں آتا ہے،
ایک دن حضرت خواجہ اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کی بارگاہ سے اشارہ ہوا کہ تم سلسلہ نقشبندیہ کے
صاحب ارشاد بزرگ ہوگے، تمہارا مرشد پنجاب میں ہے، جب خواب سے توکل شاہ
بیدار ہوئے، تو دل کی دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہو چکا تھا، فوراً رخت سفر باندھا اور بسوئے
پنجاب چل پڑے، لیکن پنجاب چھوٹی سی جگہ تو نہیں تھا، لیکن اتنا یقین تھا کہ اللہ تعالی
رہنمائی فرمائے گا، اور وہاں پہنچا دے گا جہاں میرا مقصود ہے۔

نوجوان منزل کی جستجو میں چلا جا رہا تھا کہ مضافات جالندھر میں ایک مست نے قریب
بلا کر کہا ''جہاں خیلان جاؤ'' توکل شاہ نے سنا تو ادھر رخ کر لیا، جب اس شہر کے قریب
پہنچا تو ایک مجذوب نے کہا: ''آ گئے ہو آفتاب ہدایت، حضرت خواجہ قادر بخش رحمتہ اللہ
علیہ کے غروب کا وقت قریب ہے جا کر اپنا حصہ لو''۔

آپ کے پیرو مرشد حضرت خواجہ قادر بخش جہاں خیلیؒ

حضرت خواجہ قادر بخش جہاں خیلی رحمتہ اللہ علیہ چاروں سلاسل میں صاحب ارشاد تھے،
آپ کے مورث اعلی غزنی کے رہنے والے تھے، جو ضلع ہوشیار پور میں جہاں خیل کے
مقام پر آ کر آباد ہو گئے تھے، آپ نے جب توکل شاہ کو دیکھا تو بکمال شفقت قریب بٹھا
یا اور پھر ان پر خصوصی توجہ فرمانے لگے، بیعت فرما کر حلقہ ارادت میں شامل فرمایا اور

معرفت الہیہ کی راہوں پر چلانے لگے، جب کوئی سخت مقام آتا تو سائیں توکل شاہ
صاحب کی زبان پر یہ شعر آ جاتا تھا:

بوٹے بوٹے ناگ بلے بسیر ڈنگ چلاوے
باجھوں مرشد حاصل باللہ اپنے کون بچاوے

آپ پر مرشد کی توجہ خاص سے وہ مقام آسان ہو جاتا۔

نسبت نقشبندیہ اور انوار وفیوض کا القاء

ایک دن بوقت تلقین مرشد نے آپ سے فرمایا: ''کیاری کیاری یا اکوواری'' یعنی نور
معرفت وجذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آہستہ عطا کروں یا بیک وقت سونپ
دوں، عرض کیا: ''یا مرشدنا! اکوواری'' پھر مرشد نے آپ کو سینہ مبارک سے لگا کر نسبت
نقشبندیہ کا القاء کیا اور انوار وفیوض سے نوازا تو غلبہ اس قدر رہا کہ ناک سے خون رواں
ہو گیا اور بے ہوش ہو گئے، جب حضرت نے دیکھا کہ ناک سے خون آ گیا، تو تھوڑا سا
فیض کھینچا، تب توکل شاہ صاحب کو ہوش آیا، اس واقعہ کے بعد آپ دو ماہ کے قریب اپنے
مرشد کے پاس رہے اور انبالہ رہنے کی اجازت ہوگئی۔

خواجہ قادر بخش کی جانب سے اجازت وخلافت

جب آپ کی طبیعت مرشد کے دیدار کے لئے مچلتی تو آپ حاضر خدمت ہو جاتے اور
پھر تھوڑے عرصہ کے بعد آپ کو خلافت سے مشرف فرمایا، فرماتے ہیں کہ خلافت اللہ تعالی
کی طرف سے عطا ہوتی ہے، اور پھر ارشاد فرمایا کہ جب حضرت مرشدنا کی طرف سے
اجازت رشد وہدایت ملی تو دیکھا کہ آسماں سے ایک دستار لٹک رہی ہے، جس کو میں سر پر
لپیٹتا رہا۔

فنافی الشیخ کا فائدہ

ایک دن کسی نے آپ کی خدمت میں عرض کیا: ''حضور فنافی الشیخ کس حد تک فائدہ دیتا ہے''، تو آپ کی زبان گوہر فشاں سے فوراً یہ شعر نکلا: ؎

پیر نگر کو جا نکے نبی نگر نوں جا
نبی نگر میں بیٹھ کر درشن یار دکھا

اور ارشاد فرمایا کہ حاصل ہونے کا یہ سب سے آسان طریقہ ہے، جو کمالات وتجلیات پیشوا پر وارد ہوتی ہیں، وہ محبت کی وجہ سے مرید پر بھی وارد ہونے لگتی ہیں اور اس کی روحانی ترقی ہونے لگتی ہے۔

آپ کی مجذوبیت کی وجہ سے سانپ بھی بے حس ہو گیا

جب آپ مرشد کی اجازت سے انبالہ تشریف لے گئے تو آپ پر حالت جذب طاری تھی، کسی کو نزدیک نہیں آنے دیتے تھے، ایک مرتبہ آپ بوڑیہ کے جنگل میں مراقب تھے کہ ایک سانپ آپکے سر پر چڑھ کر بیٹھ گیا، مراقبہ سے فراغت کے بعد سر پر بوجھ محسوس ہوا تو عمامہ اتارا، سانپ زمین پر گر پڑا لیکن فیضان کے اثر سے بے حس تھا، اس سے چلا نہیں جاتا تھا۔

آپ کی نماز کبھی قضا نہیں ہوتی تھی

آپ زیادہ تر وقت ویرانوں اور جنگلوں میں یاد الٰہی میں بسر کرتے تھے، اور نفی اثبات کا ذکر کیا کرتے تھے، اسی طرح آپ پر بڑے بڑے اسرار آشکارا ہوتے تھے، آپ مختلف کیفیات سے گزرے لیکن کیا مجال کہ نماز قضا ہوئی ہو، لیکن رات کو جب مراقبہ میں مشغول ہوتے تو شدید بادو باراں کے باوجود آپ اپنی جگہ پر بیٹھے رہتے اور استغراق میں فرق نہ پڑتا تھا،

آپ حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت بوعلی قلندر، حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے مزارات پر مراقب ہوئے اور بے اندازہ فیوض سے متمتع ہوئے۔

سنت نبویؐ پر سختی سے عمل پیرا ہونا

حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ بڑی سختی کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مطہرہ پر عمل کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ تاحیات چارپائی پر بھی دراز نہیں ہوئے، فرمایا کرتے تھے کہ سیدالکونین صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بسر کریں اور ہم ناچیز پلنگوں پر آرام کریں، ۱۲/ ربیع الاول کو آپ محفل میلاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد فرمایا کرتے تھے، حاضرین پر انوار الٰہی کی بارش ہوتی تھی، درود پاک کثرت سے پڑھا کرتے تھے، طبیعت میں ہمیشہ جوش وخروش اور سوز ودرد رہتا تھا۔

آپؒ کا حسن سلوک

حضرت شاہ صاحب کی سیرت میں بے شمار واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ مخلوق خدا پر بڑی شفقت فرماتے تھے اور اس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی کی تخصیص نہ تھی، اس شفقت کا ایک مقصد ہدایت بھی تھی، جو کوئی ملاقات کے لئے آتا خندہ پیشانی سے ملتے اور آپ کا تکیہ کلام تھا بندے اللہ دے، یعنی اللہ کے بندے، اس کلمے سے دوسرے کو خطاب کرتے۔

پڑوسی ہندو کا خیال

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی کا آپ کو ایسا خیال تھا کہ ایک بار پڑوسی میں کوئی ہندو مر گیا، آپ نے اس وقت تک کھانا نہ کھایا جب تک اسے باہر جلانے کے واسطے

نہ لے گئے ،فرمایا پڑوسی ہے، جب ان پر غم ہے تو ان سے الگ ہو کر کھانا کھانا چاہیے ، چنانچہ مسجد میں تشریف لے گئے اور وہیں کھانا منگا کر تھوڑا سا تناول فرمایا۔

آپ کا دستر خوان بہت وسیع تھا

حضرت سائیں توکل صاحب رحمتہ اللہ علیہ بے حد سخی تھے، مسافر وسائل کو کھانا کھلائے بغیر جانے نہ دیتے تھے، اگر کھانا تیار نہ ہوتا تو بازار سے منگوا دیتے یا نقد دے دیتے تا کہ خرید کر کھالے، اگر کسی وجہ سے سائل کو پیسے دینے میں دیر ہو جاتی اور وہ چلا جاتا تو خادموں کو حکم دیتے کہ اسے تلاش کر کے یہ رقم دو، بعض اوقات خدام کو سائل کی جستجو میں کئی کئی گھنٹے صرف کرنے پڑتے تھے، جب کبھی آپ کی خدمت میں کوئی ہدیہ و رقم پیش کی جاتی تو اسے فوراً تقسیم کر دیتے تھے اور جب تک وہ پاس رہتی اس وقت تک کوئی دوسرا کام نہ کرتے کیونکہ آپ چاہتے تھے کہ فوراً حقداروں کے پاس پہنچ جائے، اکثر ایسا بھی ہوا کہ فاقہ سے ہوتے لیکن جب کوئی حاجت مند آ جاتا تو قرض لیکر اس کی حاجت روائی کرتے تھے۔

علماء اور طلباء کی ضیافت گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت

سائیں توکل شاہ انبالوی کا دستر خوان بہت وسیع ہوتا تھا، وہ اللہ کی رضا کے لئے اللہ کی مخلوص کو کھانا کھلایا کرتے تھے، ان کی طرف سے اذن عام تھا کہ جو آئے کھانا کھائے ، چنانچہ غریب ، یتیم مسکین اور نادار لوگ آتے اور کھانا کھا کر چلے جاتے تھے، ان کو ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی زیارت نصیب ہوئی ،تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’توکل شاہ! تم اللہ تعالیٰ کی دعوت تو روزانہ کرتے ہو لیکن تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی ، اس کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی ، وہ بڑے پریشان ہوئے کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے ؟ چنانچہ انہوں نے رو رو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں کہ

پروردگار عالم اس خواب کی حقیقت کو واضح فرما دے، بالآخر ان کے دل میں ڈالا گیا کہ تم اللہ کی مخلوق کو اللہ کے لئے ہر روز کھلاتے ہو، مگر تم نے میرے نبی علیہ السلام کے وارثوں یعنی علماء، قراء اور طلبہ کو اپنے دستر خوان پر اہتمام کے ساتھ کبھی نہیں بلایا، اس لئے فرمایا تم نے ہماری دعوت کبھی نہیں کی ، چنانچہ انہوں نے شہر بھر کے علماء، طلباء اور قراء کی دعوت کی اور پھر یہ سمجھے کہ گویا میں نے نبی علیہ السلام کی دعوت فرما دی ہے۔

کامیابی کا راستہ اتباع سنت میں مضمر ہے

آپ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ اتباع سنت میں ہے، ہمیں شب بیداری کی عادت ڈالنی چاہیے ، دنیا کی آلائشوں میں پھنسنے سے گریز کرنا چاہیے ، اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ راضی رہنا چاہیے ، حضرت فضل شاہ قطب عالم فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس حال میں رکھے انسان اسی میں راضی رہے، ہمیشہ اپنے عیوب ونقائص پر نظر رکھنی چاہیے اور انہیں دور کرنے کی سعی بلیغ میں مصروف رہنا چاہیے ، زیادہ سے زیادہ درود پاک پڑھنا چاہیے ، غربت میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے سے ایمان سلامت رہتا ہے اور ہر حال میں ناشکری سے بچنا چاہیے ۔

آپ کو مشتبہ کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا

آپ کو مشتبہ مال کے بارے میں پتہ چل جایا کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک پٹواری نے آپ کی دعوت کی ، جب کھانے میں ہاتھ ڈالا تو یوں لگا جیسے انگلیاں گندگی سے آلودہ ہوگئی ہوں، ایک مرتبہ ایک تھانیدار نے آپ کی دعوت کی ، آپ کو کھانے میں سر کے بال اور خون نظر آیا، آپ نے توبہ کرائی اور رشوت لینے سے منع فرمایا، اس نے کچھ دنوں بعد پھر دعوت کی تو آپ کو کھانے میں زنبوروں کے بچے دکھائی دیئے، آپ نے پھر اسے توبہ کرائی

اور آئندہ اس کی دعوت کھانا ترک کردی۔

دونوں بیویوں کے درمیان انصاف قائم کرنا

آپ کی دو ازواج تھیں، قرآن پاک میں ہے کہ ایک مرد کے لئے چار عورتوں تک کی اجازت ہے، اگر ان میں عدل نہ کرسکے تو اس صورت میں ایک ہی عورت سے نکاح کرے، فقہاء نے عدل کی جو تشریح فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ان کو کھانے، لباس، شب باشی اور لینے دینے میں برابر رکھے، چنانچہ حضرت سائیں توکل صاحب جس حالت وہیئت میں پہلی بیوی کے پاس جاتے تو اسی میں دوسری بیوی کے پاس تشریف لے جاتے تھے، ایک بار ایسا ہوا کہ جب پہلی بیوی کے ہاں گئے تو سرمہ لگا ہوا تھا، جب دوسری کے ہاں گئے تو سرمہ لگانا یاد نہ رہا تو واپس پلٹ گئے اور سرمہ لگا کر تشریف لے گئے، یہاں تک کہ ایک کے ساتھ جتنی باتیں فرماتے اتنی ہی باتیں دوسری سے کرتے تھے، اور اس طرح آپ نے ازواج میں عدل قائم کیا جس کی مثال نہیں ملتی، حدیث پاک ہے کہ جس کی دو بیویاں ہوں اور وہ ان میں انصاف نہ کرے تو روز محشر اس طرح حاضر ہوگا کہ اس کا آدھا دھڑ ساکت ہوگا۔

حضرت خواجہ توکل شاہ کے ملفوظات وارشادات

آپ کے ملفوظات وارشادات قیمتی سرمایہ ہیں، جن سے روح کو بالیدگی اور زندگی میں نکھار آجاتا ہے، فرماتے ہیں بڑی بابرکت اور مبارک وہ غربت وافلاس ہے جس کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی یاد ہو، جس عسرت وتنگ دستی کے ساتھ فسق وفجور مل جائے غضب کی نشانی ہے، کیونکہ دنیا تو گئی ہی تھی دین بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

حضرت جنید بغدادی کی شیطان سے ملنے کی خواہش

صحیفہ محبوب کے مؤلف لکھتے ہیں: ''حضور! سائیں توکل شاہ صاحب کی مجلس میں ایک

روز شیطان کا ذکر آگیا، کسی نے عرض کیا حضور! مولوی غوث علی شاہ کے تذکرہ میں شیطان کی بہت تعریف کی گئی ہے، انہوں نے اسے عاشق الٰہی کا خطاب دیا ہے، اور کہا کہ وہ سچا عاشق تھا (اللہ تعالیٰ کے حکم پر بھی آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا) سائیں توکل شاہ صاحب نے فرمایا ''عاشق وہ ہے جو ہمیشہ معشوق کے کہنے پر چلے'' یہ شیطان مردود اللہ تعالیٰ کا کیسا عاشق ہے، جو اس کا نام لینے والوں کو بہکاتا اور گمراہ کرتا پھرتا ہے اور اپنے معشوق کو چھوڑ کر ہر وقت مخلوق کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

ایک روز فرمایا حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں مجھے آرزو ہوئی کہ شیطان سے ملوں اور پوچھوں کہ تو نے سجدہ سے انکار کیوں کیا، ایک دن حضرت جنید بغدادی، مسجد سے نکلے ہی تھے کہ ایک ایسا شخص ان کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا، جس کی صورت سے وحشت ٹپکتی تھی، انہوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا آپ کی آرزو یعنی ابلیس لعین، پھر آپ نے پوچھا اے مردود! تجھے آدم کو سجدہ کرنے سے کیا امر مانع ہوا؟ اس نے جواب دیا: توحید! اس کا جواب سن کر انہیں حیرانی ہوئی، لیکن پھر امداد الٰہی ان پر وارد ہوئی تو انہوں نے کہا: مردود! تو جھوٹا ہے اگر تو بندہ ہوتا تو فرمان الٰہی سے انکار نہ کرتا، یہ سن کر اس نے چیخ ماری اور ''میں جلا، میں جلا'' کہتا ہوا، ہوا میں اڑ گیا، بعدازاں سائیں توکل شاہ صاحب نے فرمایا ''حضرت جنید بغدادی کے اندر خود خواہش پیدا ہوئی تھی، اس لئے ابلیس آپ کے سامنے آگیا، ورنہ اس کی کیا مجال تھی کہ آپ کے نزدیک آتا''۔

ہر کام میں اللہ کی رضا پیش نظر ہو

سائیں توکل شاہ صاحب نے ایک روز فرمایا کہ ہم نے کسی کتاب میں لکھا ہوا یہ قصہ سنا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں عرض کیا کہ مجھے ایسی بات بتائیں جس سے آپ مجھ سے ہمیشہ خوش رہیں، کبھی ناراض نہ ہوں، حکم ہوا طور سے نیچے

اتر، تجھے ایک تجربہ کار ملے گا، اس سے یہ بات پوچھنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے نیچے اترے، تو شیطان کھڑا تھا، بہت گھبرائے، حکم ہوا، اسی سے پوچھ، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے یہی سوال کیا، ابلیس کو وہ وقت یاد آ گیا، جب وہ رحمت کا تاج پہنے فرشتوں کا سردار بنا ہوا تھا، اسے بہت افسوس ہوا، رویا اور حسرت سے کہنے لگا: ''میں نے جس قدر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، کبھی کوئی عبادت اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہیں کی، اس کا نتیجہ ہے کہ بالآخر میں لعنت کے طوق کے ساتھ اسفل سافلین میں گرا، سو یاد رکھنا کہ ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا پیش نظر رکھنا۔

درود شریف کے وظیفہ کرنے سے کوئی فتنہ نہیں آتا

ایک مرتبہ فرمایا کہ جس طرح غنچہ کے اندر خوشبو بند ہوتی ہے اور جب وہ کھل کر پھول بنتا ہے تو خوشبو باہر آ جاتی ہے، اسی طرح دل کے اندر نور و خوشبو موجود ہوتی ہیں، جب کثرت سے ذکر اور درود پاک پڑھا جاتا ہے تو ان کا ظہور ہونے لگتا ہے، ایک روز ارشاد فرمایا کہ اکثر بندہ جس وقت عبادت و یاد الٰہی میں مشغول ہوتا ہے تو اس پر فتنے اور ابتلا بکثرت وارد ہوتے ہیں، درود شریف کا بڑا خاصہ یہ ہے کہ اس کے ورد رکھنے والے پر کوئی فتنہ و ابتلا نہیں آتا اور حفاظت الٰہی شامل حال ہو جاتی ہے۔

درود پاک کے وظیفہ کو حرز جاں بنانا چاہیئے

ایک دن بہت سے لوگ حاضر خدمت تھے، وہ حسب حال مسائل دریافت فرما رہے تھے، آپ سب کی باتیں سن رہے تھے، جب وہ کہہ چکے تو آپ نے سب کے جوابات دینا شروع کئے فرمایا: ''ارکان اسلام کی پابندی کرنا، اور جب ان کے حقائق و کیفیات ظہور میں آئیں تو ان میں محو خرام دیدار الٰہی میں مستغرق کا نام فقر ہے، علم لدنی اللہ تعالیٰ کا انعام

وفضل ہے، اور یہ اس پر ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، مگر وہ نافرمان پر راضی نہیں ہوتا، جو فقیری میں قدم رکھنا چاہے تو لازم ہے کہ اسے ارکان اسلام کے مسائل جائز و ناجائز، سنت مؤکدہ، مستحب، واجب، فرض سے خوب واقفیت ہو، درود پاک کی فضیلت کے بارے میں کہا کہ تمام عبادات بہ سبب کسی قصور کے رد ہو سکتی ہیں، مگر درود پاک کسی حالت میں بھی رد نہیں ہو سکتا، اس لئے ہمیں اسے حرز جان بنانا چاہیئے، آپ جب کوئی وظیفہ پڑھتے تھے تو مزے لیکر اپنے لبوں کو ہلایا کرتے تھے، اس کی وجہ دریافت کی، تو ارشاد فرمایا جب ہم درود پاک یا کوئی ذات صفات کا اسم پڑھتے ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے منہ مٹھائی سے بھر گیا ہے۔

درود پاک کو محبت سے پڑھے

ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی کو مرشد کامل نہ ملے، یا کسی پر اس کا عقیدہ نہ ٹھہرتا ہو، تو درود شریف محبت کے ساتھ پڑھے، اس کے پڑھنے سے اس کو پرورش روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو جائے گی، اور جس بزرگ سے اس کو فیض دلانا منظور ہوگا، اس کی طرف خود بخود اس کی طبیعت متوجہ ہو جائے گی، اگر کسی بزرگ سے نہیں دلانا ہوگا تو خاص روح پاک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حاصل ہو جائے گی، اور اس میں مستغرق ہو کر واصل باللہ ہو جائے گا۔

درود پاک کے پڑھنے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار

ایک روز بڑی خوش وقتی کی حالت میں ارشاد فرمانے لگے کہ ''ہم کو بھی درود شریف کی برکت سے روح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ہے، اول اول جب ہم نے درود شریف بہت پڑھا تو ہم کو ایک صورت جس کا نہایت موزوں سرخ وسفید چہرہ، آنکھیں

بہت خوبصورت، جن میں سرخ ڈورا پڑا ہوا تھا، نظر آنے لگا، اس کے عمامہ میں ایک شملہ پیشانی پر پڑا ہوا تھا، وہ صورت ہر وقت ہمارے ساتھ رہنے لگی، جاگتے بھی، سوتے بھی وہ ساتھ ہی رہتی، ہم حیران تھے کہ یہ کون ہیں اور کسی سے کبھی ذکر نہ کیا کہ یہ حالت ہے اور اثر اس کا یہ تھا کہ طبیعت میں ہمیشہ جوش وخروش اور سوز ودرد رہتا، پھر کچھ عرصہ کے بعد دو صورتیں ہوگئیں، دوسری صورت کے عمامہ میں دو شملے نظر آئے، ایک پیشانی پر اور دوسرا بائیں جانب، مدت تک یہ دونوں صورتیں نظر آتی رہیں، پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ پہلی صورت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ کی تھی اور دوسری صورت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی، کچھ عرصہ کے بعد پھر وہ صورتیں گم ہوگئیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بالمشافہ ہونے لگی اور ہماری روح ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فنا ہوگئی، پھر بڑی موج ہوئی، مدینہ شریف سے جلدی جلدی فیض آنے لگا، اب ہم کو سمجھ آئی کہ فنافی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صورت تھی''، پھر فرمایا کہ ایک شخص تھا اس کو کسی بزرگ پر عقیدہ پیری نہ ہوا کہ جس کو پیر بناوے، وہ بہت پھرنے پھرانے کے بعد ایک جنگل میں جا بیٹھا اور درود شریف کثرت سے پڑھتا رہا، یہاں تک کہ اس کو نسبت ہوگئی، درود شریف سے بہت پرورش روحانیت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوتی ہے۔

سارے درود پاک عمدہ ہیں

ایک روز ارشاد فرمانے لگے کہ'' درود شریف بڑی ہی برکت والی چیز ہے، اور اس میں بڑی موج ہے، کسی نے عرض کیا کہ حضور! کون سا درود افضل ہے، فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام درود عمدہ اور بہتر ہیں مگر مراتب کا فرق ہے ''صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ'' میں لطیفہ قلب کھلتا ہے اور ''صَلَّی اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَآلِهٖ وَسَلَّمْ'' میں لطیفہ

روح کو ترقی ہوتی ہے، اور یہ جو ہم پڑھتے ہیں ''اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّآلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُومٍ لَكَ وَبِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةَ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةً وَبَارِكْ وَسَلِّمْ وَصَلِّ عَلَيْهِ'' اس میں بڑی ہی موج دیکھی، ایک دفعہ ہم نے جو یہ پڑھا تو دیکھا کہ ایک باغ ہے اور ایک نوری چبوترہ پر حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہیں، میں جا کر نہایت ادب سے ملا تو آپ سینے سے لگا کر ملے اور پھولوں کا ہار میرے گلے میں ڈال دیا، تو معلوم ہوا کہ اس درود شریف میں حضور کی بہت ہی خوشنودی ہے، اور ترقی کا حال ہم بیان نہیں کر سکتے کہ وہ تمہاری عقل سے آگے ہے''۔

درود کی تسبیح کی قضا پر تنبیہ

ایک روز ارشاد فرمایا کہ'' ہمارا ہمیشہ معمول تھا کہ عشاء کے وقت درود شریف کی دو تسبیح پڑھ کر سوتے تھے، اتفاقاً ایک دن قضا ہوگئیں، ہم نے وضو کرتے ہوئے دیکھا کہ فرشتے بہت ہی خوش الحانی سے تعریف جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کر رہے ہیں اور اثناء تعریف میں کہا کہ وضو کرنے والو! دو تسبیح درود شریف کی پڑھ لیا کرو، قضا نہ کیا کرو''۔

دنیا کافر کیلئے جنت اور مومن کیلئے قید خانہ، کی توضیح

ایک مرتبہ کسی نے سوال کیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے بہشت ہے، لیکن دیکھنے میں آیا ہے کہ کئی مومن مالدار اور کئی کافر روٹی کے لقمے کو ترستے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن یہاں کتنا ہی عیش ونعم میں ہو بمقابلہ جنت وہ قید خانہ ہی میں ہے اور کافر دنیا میں کتنا ہی مفلس محتاج ہو، عذاب دوزخ کے مقابلے میں اسے یہ تکلیف بہشت ہی معلوم ہوگی۔

توکل شاہ کا بے مثال توکل

ایک مرتبہ اس حدیث پاک کا ذکر چھڑ گیا کہ اللہ تبارک وتعالی ہر شب سب سے نیچے کے آسمان پر نزول فرماتا اور کہتا ہے: ''کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں''۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اس آواز کو جو کہ اکثر رات تین چار بجے کے قریب ہوتی ہے میں نے بھی دو تین بار سنا ہے، ایک مرتبہ وظیفہ میں مشغول تھا کہ آسمان پر پہلے سیٹی کے مشابہ آواز آئی پھر یہ الفاظ سنائی دئے: ''اے ہمارے بندے توکل وظیفہ کرنے والے''، اس کے بعد آپ نے چندے توقف فرمایا اور کہا کہ ہمارا توکل ایسا ہے جیسے بچہ باپ کی گود میں ہوتا ہے، بچے کو کسی طرح کا فکر نہیں ہوتا، باپ کو اس کے سارے فکر ہوتے ہیں، اور پھر حدیث پاک کا حوالہ دیا جس میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ اس کے گمان کے مطابق برتاؤ کرتا ہوں۔

انسان کو چھاج کے مانند ہونا چاہئے

ایک روز آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے، آپ کے ہمراہ اور بھی بہت سے احباب تھے، راستے میں ایک عورت چھاج سے اناج کو صاف کر رہی تھی، آپ نے فرمایا: ''چھلنی کی نسبت چھاج بہت اچھی چیز ہے، یہ اپنے اندر سے خراب اور بری چیز کو نکالتا ہے اور اچھی اور عمدہ چیز کو رکھتا ہے، اس کے برعکس چھلنی اچھی اور عمدہ چیز کو نکال دیتی اور خراب کو اپنے اندر رکھتی ہے، انسان کو چھاج کی مانند ہونا چاہئے اور اپنے عیوب ونقائص پر خود سزا مقرر کرے، اس سے انسانی زندگی میں امن وسکون کا اضافہ ہوتا ہے'' اور پھر آپ نے یہ دوہڑہ پڑھا:

چھانن کی مت چھوڑ دے چھاجن کے مت لے
سادھو کی مت چمٹا ہے جو چن چن گن کو لے

توبہ ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے

ایک روز کسی نے عرض کیا کہ حضور اہانت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے والے کی توبہ بھی قبول ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا جو شخص سچے دل سے توبہ کرے، اس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے، ایک دفعہ کسی نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی اور بعد میں توبہ کی غرض سے ایک بزرگ کی خدمت میں گیا، انہوں نے توبہ کرا کر اسے درود شریف پڑھنے کی تاکید کی، اس نے درود شریف بکثرت اور محبت سے پڑھا تو درود شریف کے نور کی ایک شکل بنکر ان بزرگ کو نظر آئی جنہوں نے توبہ کرائی تھی اور فرمایا کہ اب تمہاری وجہ سے اس کا قصور معاف کر دیا، اسے تاکید کر دینا کہ آئندہ ایسا نہ کرے، اگر کرے گا تو غضب الٰہی نازل ہوگا پھر اسے کبھی ہدایت نصیب نہ ہوگی، غرض توبہ ہر گناہ کو مٹا دیتی ہے، سچے دل سے توبہ اللہ تعالی کے حضور میں بہ طفیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شک منظور ہو جاتی ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی سے آپ کی نفرت

مولوی محبوب عالم صاحب اپنی کتاب صحیفہ محبوب کے صفحہ ۲۱۸ر پر لکھتے ہیں کہ ''ایک مرتبہ میں نے خواجہ توکل شاہ انبالوی سے عرض کیا کہ میں تو مرزا غلام احمد قادیانی کو برا جانتا ہوں آپ کے نزدیک وہ کیسا شخص ہے؟ ان دنوں مرزا صاحب کا دعوی مجددیت ومہدویت سے متجاوز نہ ہوا تھا'' خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ''ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ گویا کوتوال کی حیثیت سے شہر لاہور کا گشت کر رہا ہوں، ایک مقام پر دیکھا کہ کانٹوں اور گندگی میں پڑا ہے، میں نے اس کے ہاتھ کو جنبش دی اور ڈانٹ کر کہا تیرے پاس مجددیت اور مہدویت کا کیا ثبوت ہے؟ وہ سخت اداس اور غم زدہ دکھائی دیتا تھا، میرے سوال کا کچھ

جواب نہ دے سکا، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے کوئی عمل کیا تھا مگر پھر کسی بد پرہیزی کے باعث اس عمل سے گر گیا'' مولوی محبوب عالم لکھتے ہیں کہ یہ تو میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ اس کے اکثر خط خواجہ توکل شاہ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، جن کا مضمون یہ ہوتا تھا کہ حضور میرے حق میں دعا فرمائیں، خط کے سنتے ہی خواجہ صاحب کے چہرے پر غصہ کے مارے شکن پڑ جاتے تھے مگر ضبط کر کے خاموش ہو جاتے تھے۔

کھانے کیوقت شہادت کی انگلی کو لقمہ سے دور رکھنے کی وجہ

آپ کھانا کھاتے وقت آپ اپنی انگشت شہادت لقمے سے دور رکھتے تھے، وجہ دریافت کی تو ارشاد فرمایا: کہ ایک مرتبہ عالم مکاشفہ میں دیکھا کہ جنگل میں ایک نہایت خوبصورت عورت بیٹھی ہے، ہزار ہا مولوی عامل اور قسم قسم کے لوگ اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں؛ لیکن اس نے کسی کی طرف التفات نہیں کیا، ہم نے جو دیکھا کہ وہ عورت ہے تو وہاں سے فوراً چل دئے، وہ ہمارے پیچھے آئی، ہم بھاگے تو وہ پیچھے بھاگی، حجرے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا تو سوراخوں میں سے اندر آ گئی اور بولی میں آپ کی خدمت گار ہوں، ہم نے اسے باہر نکالا تو وہ حجرے کے باہر بیٹھ گئی، ہم نے اس کا نام پوچھا تو بولی میں ''دنیا'' ہوں، اپنے عاشق کو ذلیل کرتی ہوں اور اللہ کے عشاق کی خدمت کرتی ہوں، لہٰذا یہاں سے ہرگز نہ جاؤں گی، یہ واقعہ بیان فرما کر کہا کہ ہماری انگلی اس کے بدن سے چھو گئی تھی، لہٰذا دل نہیں چاہتا کہ اس کو کھانے سے مس کریں، اس سے بڑے تقوی کی اور کیا مثال ہو سکتی ہے۔

میرا لقب ''انبالہ والا مست'' ہے

ایک دن کسی نے عرض کیا: ''حضور! اللہ تبارک وتعالی کی طرف سے اولیاء اللہ کو لقب

عطا ہوتا ہے، آپ کو بھی کوئی لقب ملا ہے؟'' آپ نے قدرے سکوت فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا: ''بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں تو ہمیں ''انبالہ والا مست'' کہا جاتا ہے، اور بارگاہ ایزدی میں ''حبیب الرحمٰن'' کے نام سے پکارا جاتا ہوں''۔ فرمایا ایک مرتبہ کشف میں ایسا ہوا کہ ایک حوض پر وضو کر رہا ہوں تا کہ پاک صاف ہو کر سرور کائنات صلی اللہ صلی علیہ وسلم کے دربار میں حاضری دوں کہ اسی اثناء میں ایک صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انبالہ والے مست نے اتنی دیر لگادی۔

علالت اور وفات

حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی رحمتہ اللہ علیہ جب اٹھاون سال کی عمر کو پہنچے تو قرب وصال کی باتیں کرنے لگے، طرح طرح کی بیماریاں لاحق ہوگئیں، بواسیر نے سخت زور پکڑا، بہت زیادہ خون نکلتا تھا، ۱۳۱۳ہجری میں فرمایا کہ ہماری روح سبز عمامہ باندھے بدن سے رخصت ہونے کے لئے تیار بیٹھی ہے، ماہ صفر المظفر ۱۳۱۵ہجری تک مرض میں شدت رہی، وصال سے ایک ماہ قبل اسہال کا مرض بھی لگ گیا اور بالآخر ۵/ربیع الاول ۱۳۱۵ہجری مطابق ۴/اگست ۱۸۹۷ء بروز چہارشنبہ دس بجے کے قریب حبس دم کا ذکر کرتے ہوئے آپ کی پاک روح محبوب حقیقی سے واصل ہوگئی اور ہزاروں سوگوار اور آنسو بہاتی آنکھوں کے درمیان آپ کو اس جگہ سپرد خاک کردیا جس کے بارے میں جنگل کی طرف جاتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ یہاں سے محبت کی خوشبو آتی ہے۔

حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب جھنجھانویؒ

ولادت:.........................-وفات: ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۸ء

مولانا اسماعیل صاحب پیدائشی بزرگ

مولانا محمد اسماعیل صاحب حکیم کریم بخش کے دوسرے صاحبزادے شیخ غلام حسین کے گھر جھنجھانہ میں پیدا ہوئے، جو آپ کا آبائی وطن تھا، قرآن کریم حفظ کر کے علوم دینیہ کی تکمیل کی۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو اپنی رضا، طلب وبندگی، عبادت وریاضت کا وہ حصہ عطا فرمایا تھا، جو اپنے مقبول بندوں کو عطا فرماتا ہے، حضرت مولانا کے علو مرتبت کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے بخوبی ہوسکتا ہے: ''ایک بار حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے طریق سلوک کے حصول کی درخواست کی تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ کو اس کی حاجت نہیں ہے، جو اس طریق اور ان ذکر واذکار کا کوئی مقصود ہے وہ آپ کو حاصل ہے، اس کی مثال ایسی ہے کوئی شخص قرآن مجید پڑھنے کے بعد یوں کہے کہ قاعدہ بغدادی میں نے نہیں پڑھا، اس کو بھی پڑھ لوں''۔

آپ کو مرتبہ احسان حاصل تھا

مولانا محمد اسماعیل ہمہ وقت ذکر خدا، خدمت خلق میں مشغول رہتے، کوئی ایسا وقت نہ گزرتا جس میں آپ مسنون دعاؤں کا اہتمام نہ فرماتے ہوں، صاحب ارواح ثلثہ

☆ یہ مضمون بھی سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی کے لئے لکھا گیا تھا، وہاں سے اخذ کر کے کتاب کا جزء بنایا جارہا ہے۔

لکھتے ہیں: ''مولانا ہر وقت ذاکر وباخدا رہتے تھے، مختلف اوقات وحالات کے حدیث میں جو اذکار واوراد آئے ہیں ان کی پابندی کرتے تھے اور آپ کو اس طرح مرتبہ احسان حاصل تھا''۔

خدمت خلق آپ کا شیوہ تھا

مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق فرماتے ہیں: ''ذکر وعبادت، آئے گئے مسافروں کی خدمت اور قرآن مجید اور دین کی تعلیم شب وروز کا مشغلہ تھا، خدمت وتواضع کا یہ عالم تھا کہ جو مزدور بوجھ لادے ہوئے ادھر سے آ نکلتے ان کا بوجھ اتار کر رکھ دیتے، اپنے ہاتھ سے ڈول کھینچ کر ان کو پانی پلاتے، پھر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کرتے کہ اے اللہ تو نے مجھے اپنے بندوں کی اس خدمت کی توفیق دی، میں اس قابل نہ تھا، عام اجتماع وہجوم کے زمانہ میں پانی اور لوٹوں کا خاص اہتمام رکھتے، اور رضاء الٰہی اور قربت خداوندی کا ذریعہ سمجھ کر خلق خدا کی راحت رسانی اور خدمت میں مشغول رہتے۔

ذکر وعبادت کے ساتھ ساتھ قرآن شریف کی تلاوت کا انتہائی ذوق اور شغف تھا، پرانی تمنا بھی تھی کہ بکریاں چراتا رہوں اور قرآن پڑھتا رہوں، مولانا کی صحبت کیمیا اثر تھی، جو بھی مولانا سے مرید ہوا یا آپ کی صحبت میں بیٹھا اس میں صلاح وتقوی کے آثار پیدا ہوگئے۔

مولانا احتشام الحق آپ کی صحبت کی تاثیر کے متعلق لکھتے ہیں'' آپ کے جتنے ملنے والوں اور واقف کاروں سے ملاقات کا اتفاق ہوا، ان سب کو اختلاف عقیدہ کے باوجود دین دار پایا، آپ کے متعلق حیرت لکھتے ہیں:

نور عرفاں از جبینش آشکار — عاشق وصادق جناب کردگار
سینہ او مخزن عشق خدا — روئے پاکش مطلع شمس الضحیٰ
دیدنش حب خدا یاد آورد — صحبتش سوئے خدا دل را کشد

آپ بے ہمہ بھی تھے اور باہمہ بھی

آپ کی طبیعت اتنی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو آپ سے کوئی شکایت نہ تھی، بے ہمہ ایسے تھے کہ اللہ نے باہمہ بنادیا تھا، آپ کی للّٰہیت خلوص و بے نفسی ایسی آشکارا تھی کہ دہلی کی مختلف الخیال جماعتیں جو اس زمانہ میں ایک دوسرے سے سخت متوحش و متنفر تھیں اور ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا، ان کے پیشواؤں کو آپ پر یکسا اعتماد اور آپ کی ذات سے بلا اختلاف عقیدت تھی۔

آپ کی کرامت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے مولانا کے اعتماد علی اللہ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ: ''نظام الدین کا گھنٹہ ایک دفعہ چلتے چلتے بند ہوگیا، گھڑی ساز کو دکھلایا گیا، اس نے دیوار پر لگے لگے کھول کر دیکھا اور کہا کہ اس میں تو بڑا لمبا کام ہے، تین چار دن لگیں گے، دادا صاحب (مولانا محمد اسماعیل صاحب) نے مسجد کے سب بچوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ ہر شخص بسم اللہ سمیت الحمد للہ شریف سات دفعہ اول آخر درود شریف سات سات دفعہ پڑھ کر دم کرے، سب نے کیا گھنٹہ خود بخود چلنے لگا''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا اللہ تعالی سے کس قدر تعلق و توکل اور اعتماد علی اللہ کس درجہ کا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اگر وہ لوگ قسم کھالیں تو اللہ تعالی اس کو پورا کرتا ہے، ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔

مولانا مظفر حسین صاحب کی نواسی سے آپ کا نکاح

مولانا محمد اسماعیل رحمہ اللہ کی پہلی بیوی سے مولانا محمد صاحب تولد ہوئے، پھر ان کی

اہلیہ کا انتقال ہوگیا، ۱۲۸۵ھ میں ایک بارات میں کاندھلہ تشریف لے گئے، کاندھلہ پہلے ہی سے خاندان کی ایک شاخ کا مسکن و وطن تھا، کاندھلہ میں آپ کا ایک بڑا پراثر وعظ ہوا، اس وقت مولانا مظفر حسین صاحب کی صاحبزادی امی بی زندہ تھیں، انہوں نے اس وعظ کوسنا اور بہت متأثر ہوئیں، اپنے سارے اعزہ کو جمع کیا اور فرمایا دین وعلم اس خاندان سے برابر کم ہورہا ہے، ایسا نہ ہو خدانخواستہ بالکل ختم ہوجائے، مجھے مولوی اسماعیل دیندار اور ذی علم معلوم ہوتے ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی بڑی لڑکی کی شادی ان سے کردوں تا کہ ان روابط اور تعلقات کے ذریعہ خاندان میں دین اور علم کی بنیادیں مستحکم ہوں، مگر چونکہ اس وقت مولانا کی عمر زیادہ تھی اور ان صاحبزادی کی عمر بہت کم تھی، اس لئے ہر ایک کو تامل تھا، مگر آپ نے اس کی بالکل پرواہ نہ کی، اور زور دیکر حضرت مولانا کا نکاح اپنی صاحبزادی سے کراکے رخصت بھی کردیا، جو دوسرے کی بارات میں آئے تھے، وہ اپنی دلہن کو ساتھ لے گئے، اس طور پر اس خاندان کا پھر رخ پلٹا اور دینداری نمایاں اور غالب نظر آنے لگی، اور مولانا محمد اسماعیل بھی اس خاندان کے ساتھ ایسے مربوط اور وابستہ ہوگئے کہ جھنجھانوی کے بجائے کاندھلوی بن گئے اور کاندھلہ کی مستقل سکونت اختیار فرما کر ایک چھوٹا سا رہائشی مکان بھی تعمیر کرالیا، پھر یہ دونوں خاندان ایک دوسرے کے جزو لاینفک بن گئے، مولانا احتشام الحق کاندھلوی جو خود اس علمی دینی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں، مولانا مظفر حسین کاندھلوی کی صاحبزادی حضرت امی بی (جنھوں نے اپنی صاحبزادی بی صفیہ کی شادی محمد اسماعیل سے کی تھی) کے پوتے ہیں، اس مبارک رشتہ کے فائدہ کو ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں: ''درحقیقت یہ حضرت دادی صاحبہ امی بی کی انتہائی دوراندیشی اوراعلی کارنامہ تھا جس کے باعث مفتی الٰہی بخش صاحب کے خاندان کا رخ پلٹنے نہ پایا اور جس قدر پلٹ گیا تھا وہ بھی راہ راست پر آگیا اور حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب اور ان کے نامور فرزندوں نے اس خاندان کی خبر گیری میں کوئی کسر باقی نہ

چھوڑی جو سرپرستی اور رہنمائی اب تک جاری ہے۔

مثالی استغناء

شاہ جہاں بادشاہ نے مولانا کے جد امجد حکیم محمد اشرف کو جو دو ہزار بیگہ زمین کی معافی عطا کی تھی اور انہوں نے اس معافی کو قبول نہ کر کے دنیا سے بیزاری اور استغناء کی جو مثال قائم کی تھی اور بعد میں مولانا محمد ساجد کو جو مولانا محمد اسماعیل کے حقیقی پردادا تھے وہ معافی عطا کی گئی اور انہوں نے بعض دینی مصالح کی بنیاد پر اسے قبول کرلیا تھا، وہ معافی گویا مولانا کے گھر کی تھی اور ذاتی جائیداد تھی، اگر مولانا چاہتے تو اس جائیداد سے فائدہ اٹھاتے اور پریشانی کا جو دور آنے والا تھا اس میں وہ کام میں لاتے، لیکن مولانا کے اندر استغناء، سادگی اور دنیا سے بیزاری کوٹ کوٹ کر بھری تھی، مولانا نے ترک وطن کیا کہ اپنے پرانے وطن کو بھول گئے اور اتنی بڑی جائیداد کو جو ایک پورے خاندان کے لئے کافی تھی بالکل نظر انداز کردیا، اور ساری زندگی استغناء توکل اور صبر وعزیمت سے گزار دی اور کاندھلہ میں ایسا بس گئے کہ جھنجھانہ کا رخ تک نہ کیا۔

بنگلہ والی مسجد میں

مولانا محمد اسماعیل نے عربی کی تکمیل کے بعد درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، اور سب سے پہلے ۱۸۵۵ء میں بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش کے بچوں کو پڑھانے پر مامور ہوئے، ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد مرزا کچھ پریشانیوں میں مبتلا ہوئے، مولانا کی بزرگی اور درویشی کے پیش نظر اور اس شہرہ سے کہ آپ بڑے مستجاب الدعوات ہیں، مرزا نے آپ کی دعائیں لیں اور خدا نے پریشانیوں سے نجات دی، تو اپنی پہلی پنشن لاکر آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے اس میں سے کچھ روپے قبول فرمالئے، جو آخر تک آپ

کا مشاہرہ رہا، مرزا الٰہی بخش نے دہلی چھوڑ کر بستی حضرت نظام الدین میں مستقل سکونت اختیار کی اور چونسٹھ کھمبے کے احاطہ میں اور باہر اپنے رہائشی مکانات تعمیر کرائے اور چونسٹھ کھمبے کے دروازہ پر مولانا محمد اسماعیل کا سکونتی مکان تعمیر کرادیا، ۶۴ رکھمبے کے سامنے ایک چھوٹی سی مسجد بھی تعمیر کرائی اور اس مناسبت سے یہ بنگلہ والی مسجد کہلاتی تھی، اب مرزا الٰہی بخش آپ کے شاگرد تھے اور بڑھاپے میں قرآن شریف پڑھنا شروع کیا تھا، جو زندگی میں ختم بھی کرلیا، مرزا آپ کے نیاز مند اور پورے عقیدتمند تھے، علاوہ اس مشاہرہ کے حضرت مولانا اور ان کے متعلقین اور خدام وابستگان کا کھانا مرزاہی کے یہاں سے خصوصی اہتمام کے ساتھ آتا تھا۔

میوات اور میواتیوں سے تعلق

ایک روز جماعت کا وقت تھا مولانا محمد اسماعیل نمازی کی تلاش میں مسجد سے باہر نکلے، کچھ میواتی میوات سے آرہے تھے، اور تلاش روزگار کی خاطر دہلی جارہے تھے، آپ نے ان سے پوچھا کہ کہاں جاتے ہو؟ انہوں نے کہا مزدوی کے لئے، فرمایا کیا مزدوری ملے گی؟ انہوں نے بتلایا، آپ نے فرمایا اگر اتنی مزدوی یہیں مل جائے تو پھر جانیکی کیا ضرورت، میواتیوں نے اس کو منظور کرلیا، آپ ان کو مسجد میں لے آئے اور نماز سکھانے اور قرآن پڑھانے لگے، یومیہ مزدوری ان کو دے دیتے، اور ان کو پڑھنے، سیکھنے میں مشغول رکھتے، کچھ دنوں کے بعد نماز کی عادت پڑگئی اور ان مزدوروں نے مزدوری لینا خود چھوڑ دیا، یہ بنگلے والی مسجد کی بنیاد تھی، اور یہ پہلے طالب علم تھے، اس کے بعد دس بارہ میواتی طالب علم برابر مسجد مدرسہ میں رہتے اور ان کا کھانا مرزا الٰہی بخش مرحوم کے یہاں سے آتا۔

مولانا محمد اسماعیل ان میواتیوں کو قرآن شریف اور ضروری مسائل کی تعلیم دے کر

میوات واپس کر دیتے تا کہ وہ میوات جا کر دینی خدمت انجام دیں، اس طور پر میواتیوں کی آمدورفت شروع ہوگئی اور میواتیوں کو مولانا محمد اسماعیل سے عقیدت اور بڑا تعلق پیدا ہوگیا۔

مولانا کی وفات اور آپ کی مقبولیت

مولانا بیمار ہوئے تو دہلی میں بہرام کے تراہے کی کھجور والی مسجد میں منتقل ہوگئے اور وہیں ۴؍شوال ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۶؍فروری ۱۸۹۸ء کو انتقال فرمایا" ان العاقبة للمتقين" اور غفرلہ دونوں تاریخہائے وفات ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد اسماعیل کو عام مقبولیت اور محبوبیت عطا فرمائی تھی، ساری جماعتیں اور افراد مولانا کی عظمت، تقوی وطہارت، زہد وورع پر متفق تھے، خود مولانا کی طبیعت اتنی صلح کل واقع ہوئی تھی کہ کسی کو بھی کسی قسم کی شکایت نہ تھی، بے ہمہ اور باہمہ بزرگ تھے، دہلی میں اس وقت مختلف الخیال جماعتیں اور مختلف العقیدہ علماء تھے اور وہ سب ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہتے تھے، کوئی ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے کا روادار نہ تھا، لیکن مولانا ہی کی ایسی ذات تھی کہ ہر کسی کو یکساں اعتماد اور بلا اختلاف عقیدت تھی، یہی وجہ تھی کہ مولانا کے جنازہ میں اتنا زیادہ ہجوم تھا کہ ماضی قریب میں اس کی کم ہی مثال ملتی ہے، دہلی شہر کے ایک آباد حصے تراہے کی کھجور والی مسجد میں انتقال ہوا، اور تدفین بستی نظام الدین میں بنگلہ والی مسجد کے گوشہ میں ہوئی، مقام انتقال سے مقام تدفین تقریباً ساڑھے تین میل دور ہے، اس طویل المسافت راستہ میں برابر ہجوم بڑھتا رہا، آسانی پیدا کرنے کے لئے جنازہ میں دونوں طرف بلیاں باندھ دی گئیں تا کہ ایک ہی وقت میں زیادہ سے زیادہ آدمی کاندھا دے سکیں، لیکن مجمع تھا کہ ٹوٹا پڑتا تھا، حتی کہ نظام الدین تک بہتوں کو باوجود کوشش کے کاندھا دینے کی نوبت نہ آسکی،

اور وہ تھک تھک کر پیچھے ہٹ گئے، اس ہجوم میں ہر مکتب خیال کے عوام وخواص علماء اور مشائخ شامل تھے، جب جنازہ نظام الدین پہنچا تو نماز پڑھانے کا سوال آیا، اس میں اختلاف کا اندیشہ پیدا ہوگیا، مولانا کے منجھلے صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی فرماتے تھے کہ:

''میرے بڑے بھائی مولانا محمد صاحب بڑے نرم مزاج اور متواضع بزرگ تھے، مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ کسی بزرگ کی تواضع فرمائیں اور نماز پڑھانے کے لئے ان کو اشارہ کردیں، اور دوسری جماعت کے لوگ اور ان کے پیشوا ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، اس طرح اس موقع پر ایک نامناسب صورت پیش آئے، اس لئے میں خود آگے بڑھ گیا اور میں نے کہا کہ میں خود نماز پڑھاؤں گا، سب نے اطمینان کے ساتھ میرے پیچھے نماز پڑھی اور کوئی اختلاف وانتشار نہیں پیدا ہوا''۔

کثرت ہجوم کی بنا پر لوگوں نے بار بار نماز پڑھی جس کی وجہ سے تدفین میں تاخیر ہوگئی، اس عرصہ میں ایک صاحب ادراک بزرگ نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں: ''مجھے جلدی رخصت کردو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں''۔

مولانا محمد اسماعیل کی اولاد

آپ کی پہلی بیوی سے ایک صاحبزادہ حضرت مولانا محمد صاحب تھے، پھر دوسری بیوی سے (جو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی نواسی تھیں اور جن سے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ۱۳؍رجب ۱۲۸۵ھ مطابق ۳۰؍اکتوبر ۱۸۶۷ء کو نکاح کیا تھا) ایک صاحبزادی حمیرا خاتون ہوئیں (جن کی شادی مولانا حکیم محمد رضی الحسن صاحب سے ہوئی اور ان کے بطن سے دو صاحبزادیاں امۃ الودود، امۃ المعبود اور ایک صاحبزادے مولانا محمد اکرام

الحسن (والد ماجد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب) اور دونامور صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب ہوئے، اس طرح کل تین صاحبزادے اور ایک صاحبزادی ہوئی۔

مولانا کی دوسری اہلیہ اور ان کے معمولات

مولانا کی دوسری اہلیہ (والدہ مولانا محمد یحییٰ صاحب و مولانا محمد الیاس صاحب) کیسی خدا ترس، خدا کی مقبول بندی اور اپنے اوراد واشغال کی کیسی پابند اور معمولات یومیہ میں کیسی منہمک تھی، اس کے بارے میں مولانا محمد عاشق الٰہی تذکرۃ الخلیل میں رقمطراز ہیں:

"مگر ہاں مولانا محمد یحییٰ صاحب نے ان (بی بی امۃ الرحمٰن عرف امی بی) کی بیٹی یعنی اپنی والدہ کے معمولات ایک مرتبہ بیان فرمائے جن کو سن کر میں تو حیران رہ گیا کہ عورت تو عورت ہی ہے، اگر باہمت مرد بھی سال دو سال اس کا نباہ کرلے تو بڑی مردانگی ہے، پھر صاحب اولاد عورت اور امور خانگی کی سرپرست منتظم کا آخر عمر تک اس پر مواظبت کرنا تو استقامت کا وہ بڑا نمونہ ہے، جس سے نہ دیکھنے والوں کو ان کے نانا مولانا مظفر حسین صاحب کی استقامت وعبادت وزہد وقناعت اور خوف وخشیت کا پتہ چلتا ہے اور وہ معمولات روزمرہ کے یہ ہیں۔

درود شریف پانچ ہزار، اسم ذات، اللہ، پانچ ہزار، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم انیس سو، یا مغنی گیارہ سو، لاحول ولاقوۃ الا باللہ گیارہ سو، اللہ الصمد گیارہ سو، لا الہ الا اللہ بارہ سو، یا حی یا قیوم دو سو، حسبی اللہ ونعم الوکیل پانچ سو، سبحان اللہ دو سو، الحمدللہ دو سو، اللہ اکبر، دو سو، استغفار پانچ سو، افوض امری الی اللہ سو بار، حسبنا اللہ ونعم الوکیل سو بار، رب انی مغلوب فانتصر سو بار، رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین سو بار اور لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین سو مرتبہ۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کی ایک منزل روزانہ تلاوت کا معمول تھا کہ حافظ قرآن تھیں اور مانع نسوانی حائل نہ ہوتا تو ہر ہفتہ قرآن مجید ختم کر لیتی تھی، فرحمہا اللہ تعالی رحمۃ واسعۃ

حالات مشائخ کاندھلہ میں یہ معمولات لکھنے کے بعد یہ بھی لکھا ہے "رمضان المبارک میں ہمیشہ چالیس پارہ (ایک قرآن اور مزید دس پارے) روزانہ پڑھتی تھیں، آپ رمضان المبارک ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئیں اور بروز چہارشنبہ ۱۳۳۶ھ کو کاندھلہ میں وفات پائی۔

مولانا احتشام الحق صاحب لکھتے ہیں کہ "وہ عجیب وغریب باکمال ولیہ تھیں، میں نے بھی ان کو بے کار اور فارغ نہیں دیکھا، ہمیشہ ان کے ہاتھ ظاہری کاموں میں مشغول رہتے اور زبان پر اوراد ووظائف اور دل بیار ودست بکار کا پورا مصداق تھیں، شادی کے بعد قرآن مجید حفظ یاد کرلیا تھا اور اس قدر یاد تھا کہ ایک منزل روزانہ بلاناغہ تلاوت کرتی تھیں"۔

حضرت مولانا محمد صاحب کاندھلویؒ☆

ولادت:.....................-وفات:۱۳۳۶ھ مطابق ۱۹۱۸ء

آپ کی زندگی متوکلانہ تھی

مولانا محمد صاحب حضرت محمد اسماعیل صاحب کے بڑے صاحبزادے اور مولانا یحییٰ کاندھلوی اور مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی کے بڑے بھائی تھے،مولانا ایک فرشتہ سیرت انسان تھے،علم وتواضع ،رحمت وشفقت اور خشیت وانابت کی مجسم تصویر اور "عباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا" کا ایک نمونہ،کم گو،بے آزار،عزلت پسند اور اپنے کام سے کام رکھنے والے بزرگ تھے،متوکلانہ وزاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے، نظام الدین کی بنگلہ والی مسجد میں اپنے والد ماجد کی جگہ قیام تھا،ایک مدرسہ تھا جوان کے والد مرحوم کا جاری کیا ہوا تھا،جس میں ابتدائی تعلیم ہوتی تھی اور زیادہ تر میوات کے بچے پڑھتے تھے،توکل وقناعت پر مدرسہ کا کام چلتا تھا،دہلی اور میوات میں آپ سے بہت لوگ ارادت وعقیدت رکھتے تھے،اوران دونوں جگہ آپ سے فیض تھا۔

آپ کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی

آپ کے ملنے والوں اور تعلق رکھنے والوں میں دینداری کا ایک خصوصی رنگ تھا اور عمومی خیر خواہی اور ہمدردی کا ایک خاص جذبہ پایا جاتا تھا،اس کے باعث وہ دوسروں سے نمایاں نظر آتے تھے،آپ کی اگرچہ کوئی نرینہ اولاد نہ تھی،مگر آپ کی تربیت وصحبت سے فیضیاب ہونے والے حاجی عبدالرحمٰن میواتی اور مولانا عبدالسبحان، یہ ایک ایسا

☆یہ مضمون بھی سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کے لئے لکھا تھا،وہاں سے اخذ کرکے اس کتاب کا جزء بنادیا گیا۔

کارنامہ ہے گویا آپ ہی کی اولاد، بلکہ حقیقت میں باقیات صالحات ہیں۔

سولہ سال تک آپ کی تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی

مولانا کا شماران بزرگوں میں تھا،جن کی صورت دیکھ کر خدا یاد آتا ہے،وعظ بھی اکثر فرماتے مگر بیٹھ کر جیسے کوئی باتیں کررہا ہو،مسلسل تقریر کی صورت نہیں ہوتی تھی،مگر دل میں اترنے والے الفاظ ہوتے، زیادہ تر اخلاق وزہد کی حدیثیں سناتے اوران کا سادہ ترجمہ اور مطلب بیان فرمادیتے،مولانا بڑے ذاکر وشاغل اور خوش اوقات بزرگ تھے،حدیث حضرت گنگوہی سے پڑھی تھی، انتقال سے قبل ۱۶/سال تک ان کی تہجد فوت نہیں ہوئی، آخر وقت تک نماز جماعت سے پڑھی۔

طلبہ کی ضرورتوں کو خود پورا کرتے

مولانا کے زمانہ میں ۲۰/۲۵/طالب علم رہتے تھے جو خود نمبر وار روٹی پکاتے تھے اور خود ہی جنگل سے لکڑیاں لاتے، حضرت مولانا اپنی کسر نفسی اور سادگی کی وجہ سے خود بھی طلباء کے ان کاموں میں شریک رہتے تھے، گویا اصل کرنے والے اور ذمہ دار وہ ہوتے، اور طلباء محض معین ومددگار،صرف قرآن مجید اور اردو دینیات کی تعلیم دیتے تھے،مگر تربیت اتنی اعلیٰ ہوتی کہ طلباء، دین دار، پختہ کار، نیک کردار، متقی اور پرہیزگار ہوتے تھے، آپ میں عمومی خدمت کا عام جذبہ تھا، ہر ایک کی خدمت گزاری اور خبر گیری خود فرماتے تھے، کاندھلہ جب کبھی تشریف لاتے تو ہر ایک سے دہلی کا کام اور ضرورت معلوم کرتے، پھر سب کی فرمائشوں کو حسن وخوبی کے ساتھ پورا فرماتے۔

آپ ایک اعلیٰ قسم کے زمیندار تھے

قصبہ جھنجھانہ میں آپ کی معقول جائداد اور متعدد مکانات تھے مگر آپ کو اس سے کوئی

سروکار نہ تھا، سب دوسروں کے قبضہ اور تصرف میں تھی، جب کبھی جھنجھانہ تشریف لے جاتے تو کسی سے کوئی مطالبہ نہ فرماتے از خود اگر کوئی کچھ دے دیتا تو اس کو قبول فرما لیتے۔

ایک بڑا مکان میاں جی کے حوالے کردیا

ایک مرتبہ آپ جھنجھانہ تشریف لے گئے، آپ کے بڑے مکان میں ایک بڑے میاں رہتے تھے، جو بڑے دیندار تھے، قاضی صاحب کی نگرانی میں وہ مکان تھا، ان بڑے میاں پر بڑی سختی کرتے تھے، رعایا کی طرح خوب خدمت لیتے اور روزانہ زدوکوب کرتے اور گھنٹوں کان پکڑواتے، ان بڑے میاں نے سارا ماجرا حضرت مولانا سے ذکر کیا، آپ ان کو قاضی صاحب کے پاس لے گئے، اور نہایت نرمی کے ساتھ فرمایا کہ قاضی جی ان پر اس قدر سختی نہ کیا کرو، قاضی جی نے غصہ سے کہا کہ آپ مولوی ہیں، زمینداری کے قصوں کو نہیں سمجھتے سختی کے بغیر یہ لوگ قابو میں نہیں رہ سکتے، آپ نے فوراً دوات قلم اٹھایا اور اس مکان کا ہبہ نامہ بڑے میاں کے نام لکھ کر ان کے حوالہ کردیا اور فرمایا اب تم اس کے مالک ہو، پھر قاضی صاحب سے فرمایا معلوم بھی ہے، جس شخص پر تم سختی کرتے ہو یہ صاحب خدمت بزرگ ہیں، اگر کبھی بددعا کردی تو تباہ ہو جاؤ گے۔

آپ کا زیادہ وقت کاندھلہ میں گزرتا تھا

طبیعت انتہائی غریب اور غربا پسند پائی تھی اور غربا ہی کے ساتھ ہم نشینی رکھتے تھے، کاندھلہ میں امیر اعزاء کے اختلاط سے گریز کرتے اور بیشتر وقت دیندار غرباء کے ساتھ گزارتے، کاندھلہ میں آپ کا زیادہ وقت ملا نظام الدین کے پاس گزرتا تھا، جو ایک دیندار بزرگ تھے اور گڑھواؤں کی مسجد میں رہتے تھے، یا حضرت گنگوہی اور اپنے والد کے مریدوں کے پاس وقت گزارتے تھے، اپنا اور دوسروں کا بیشتر کام خود اپنے ہاتھ سے

کرتے، اور اپنے غریب ملنے والوں کی ضرورتوں کے پورا کرنے میں منہمک رہتے۔

ایک غریب کو چاندی بنانے کا نسخہ بتانا

ایک مرتبہ ایک غریب میواتی نے اپنے قرض کی پریشانی کا اظہار کیا، قرض چونکہ بہت زیادہ تھا، اس لئے آپ نے اس کو چاندی بنانے کا نسخہ بتایا اور یہ تاکید فرمائی کہ قرض اتر جانے کے بعد پھر کبھی اس نسخہ سے چاندی نہ بنانا، چنانچہ اس شخص نے اس نسخہ سے چاندی بنا کر اپنا سارا قرضہ اتار دیا لیکن اپنی حماقت سے ان کی ہدایت کے خلاف پھر چاندی بنانی چاہی تو ناکام رہا، مولانا احتشام الحسن صاحب لکھتے ہیں کہ "میں اس شخص سے ملا ہوں جو دس سال تک اس نسخہ سے چاندی بنانے کی کوشش کرتا رہا مگر ایک آنچ کی کسر باقی رہ جاتی"۔

علالت اور وفات

کسی زمانہ میں آنکھ کے قریب کوئی پھنسی نکلی تھی، جس پر یکے بعد دیگرے سات شگاف آئے، ڈاکٹروں نے کلورافارم ضروری بتایا، مگر انہوں نے شدت سے انکار کیا، اور یوں ہی بے حس وحرکت لیٹے رہے، ڈاکٹر متحیر تھے کہ ہم نے عمر بھر اس کی نظیر نہیں دیکھی، آخر میں بیمار ہو کر قصاب پورہ نواب والی مسجد دہلی میں بغرض علاج منتقل ہو گئے اور جمعہ ۲۵/ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ مطابق ۷/فروری ۱۹۱۸ء کی عشاء کی نماز کے بعد نماز وتر کے سجدہ میں انتقال فرمایا، جنازہ میں بڑا ہی ہجوم تھا، جنازہ کو نظام الدین لیجا کر والد بزرگوار کے پہلو میں بعد نماز جمعہ سپرد خاک کردیا گیا "سقی اللہ ثراہ و جعل الجنة مثواہ"۔

وہ صورتیں الٰہی کس دیس میں بستیاں ہیں
اب دیکھنے کو جن کے آنکھیں ترستیاں ہیں

آپکی ایک صاحبزادی تھی، جن کی شادی مولوی علاء الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر کیساتھ ہوئی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ

ولادت: ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء- وفات: ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۹ء

تمہید

اللہ تعالیٰ کا بڑا اکرم اور احسان اس آخری دور والوں پر یہ ہے کہ اس مالک ومختار نے ان کو ایسی کتاب عطا فرمائی، جو آج تک بھی اپنی نور افشانی اور ضیاء پاشی کے ساتھ موجود ہے، اور دوسری طرف اس کے حامل اشخاص کا تسلسل قائم ہے، جس کی وجہ سے یہ آخری دین اپنی پوری توانائی اور قوت کے ساتھ باقی اور نسل انسانی کی رہنمائی کے لیے کامل پیغام اور مکمل نمونہ رکھتا ہے، ان برگزیدہ ہستیوں میں مغربی یوپی کی معروف ومشہور شخصیت جن کی روحانیت وبزرگی، للّٰہیت واخلاص اور بے نفسی وتواضع تمام بزرگوں میں معروف ومسلم رہی ہے، اور جن کے فیض سے بڑے بڑے بزرگ مستفید ہوئے جن کا نام نامی شیخ المشائخ، قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری ہے، اب جب کہ یہ حضرات دنیا میں نہیں ہیں، ان کے فیض کو عام کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ ان کے سوانح اور حالات زندگی قلمبند کئے جائیں، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب حضرت شاہ صاحب کی حیات پر مستقل ایک کتاب ''تذکرہ شاہ عبدالرحیم رائے پوری'' کے نام سے راقم کے قلم سے نکل چکی ہے، یہ مضمون خلاصے کے طور پر لکھا جارہا ہے، تاکہ قارئین فائدہ اٹھاسکیں۔

ولادت باسعادت اور خاندان

قطب العالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ ۱۲۷۰ھ بمطابق ۱۸۵۳ء میں

☆ یہ مضمون حضرت مولانا محمد الیاس مفتاحی قاسمی مہتمم جامعہ بیت العلوم پپلی مزرعہ کی فرمائش پر ان کے یہاں منعقد ایک کانفرنس کے لئے لکھا گیا تھا جو ملتوی ہوگئی تھی۔

موضع ''تگری''، ضلع انبالہ (موجودہ یمنا نگر، ہریانہ) میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم راؤ اشرف علی خان صاحب سید الطائفہ قطب الاقطاب حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت اور ان کے تربیت یافتہ تھے، آپ کی والدہ محترمہ راؤ ولی محمد خان ولد راؤ ذوالفقار علی رائے پوری کی صاحبزادی تھیں، یہ نیک اور پارسا خاتون بھی حضرت حاجی صاحب قدس سرہ سے ہی عقیدت کا تعلق رکھتی تھیں۔

آپ کے دادا جناب چودھری رحمت علی خان صاحب اپنے موضع کے بڑے زمیندار اور علاقے کے سرکردہ افراد میں سے تھے، آپ حضرت شاہ غلام علی نقشبندی قادری مجددی قدس سرہ المتوفی (۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء) خلیفہ وجانشین حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ (۱۱۹۵ھ-۱۷۸۰ء) کے ہاتھ پر بیعت تھے، اور سلوک واحسان کے منازل طے کرکے خلافت واجازت سے مشرف ہوئے تھے۔

بچپن میں حضرت حاجی صاحب، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہیؒ کی توجہات اور دعاؤں کا حصول

۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۴ھ کی جنگ آزادی میں شرکت کی پاداش میں اپنے زمانے کے اکابرین مجددین اسلام سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی قدس سرہ اور ان کے دست راست حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ اور قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کے خلاف انگریز سامراج نے وارنٹ گرفتاری جاری کئے ہوئے تھے، جنگ آزادی میں بظاہر ناکامی کے بعد، نئی حکمت عملی کے تحت حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا مکہ معظّمہ میں بیٹھ کر کام کرنا ضروری سمجھا گیا، اس سلسلہ میں انگریزوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہنے کے لیے جو سفر ہجرت کیا گیا، اس میں جمنا پار کے قصبات

گمتھلہ، تگری، لاڈوہ، پنج لاسہ اور انبالہ میں خفیہ طور پر قیام کیا گیا، اسی سفر کے دوران ان تینوں اکابرین حضرات نے یکے بعد دیگرے تگری میں جناب چودھری راؤ اشرف علی خان کے گھر پر بھی قیام فرمایا، اس وقت قطب عالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری کی عمر مبارک تین چار سال کے قریب تھی، سب سے پہلے سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہ تشریف لائے، چندروز قیام رہا، گاؤں کے بچے جب حضرت قدس سرہ سے ملے، تو ان میں حضرت رائے پوری رحمتہ اللہ علیہ آپ کو بڑے منفرد نظر آئے، آپ نے ان پر خصوصی شفقت کا اظہار فرمایا اور گلے لگا کر خصوصی توجہ سے پیار دیا، ان کے والد صاحب کو ان کی تعلیم وتربیت کے سلسلے میں خصوصی ہدایات دیں، حضرت حاجی صاحب قدس سرہ خفیہ طور پر جب پنج لاسہ تشریف لے گئے، تو آپ کی زیارت اور ملاقات کے لیے آپ کے دونوں عزیز ترین اور اجل خلفاء حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی بھی یکے بعد دیگر ''تگری'' تشریف لائے اور یہاں سے پنجلاسہ گئے، ان دونوں بزرگوں نے بھی آپ کو بھرپور توجہ سے پیار دیا اور سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے، خوب دعائیں دیں۔

حضرت گنگوہی کا حضرت رائے پوری کے گھر قیام

حضرت گنگوہی کو جب پتہ چلا کہ حضرت حاجی صاحب پنج لاسہ میں ہیں، تو حضرت گنگوہی تلاش میں چلتے چلتے تگری پہنچے اور حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے مکان پر مقیم ہوئے، یہ پہلا موقع تھا کہ مولانا عبدالرحیم صاحب کو طفولیت میں حضرت امام ربانی کی زیارت ہوئی اور آفتاب عالم کو اپنے گھر کا مہمان بنا دیکھا، حضرت مولانا نے نہایت شفقت کے ساتھ آپ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا پڑھ کر دم فرمایا۔

حضرت کے والد صاحب کی خوش قسمتی

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحبؒ کے والد ماجد راؤ اشرف علی خان تگری کے خوشحال زمیندار، نہایت نیک خصال، دیندار شخص تھے، راؤ صاحب کا حضرت مولانا سے کوئی تعارف نہ تھا مگر حسن اتفاق تھا کہ راؤ صاحب کو یہ انمول جواہرات گھر بیٹھے بلا طلب حاصل ہوئے، اس وقت مولانا عبدالرحیم صاحب کی عمر صرف تین یا چار سال کی تھی، راؤ صاحب نے کچھ عجیب اخلاص کے ساتھ مسافر مہمان کی مدارات کی اور شب کو بیعت کی درخواست کرنے لگے، حضرت مولانا نے انکار فرمایا اور کہا کہ ''اعلی حضرت ابھی تشریف فرما ہیں، اگر یہ قصد ہے تو وقت کو غنیمت سمجھئے'' غرض راؤ صاحب نے آپ کا ارشاد سر آنکھوں پر رکھا اور ساتھ ہی چلنے کے متمنی وعازم ہوئے۔

حضرت مولانا نے اپنی بے سرومانی اور اندیشہ ناک حالت ظاہر فرما کر سمجھایا کہ معیت قرین مصلحت نہیں، البتہ اگلے دن آپ آئیں، اعلی حضرت سے سفارش کا میں ذمہ دار ہوں، چنانچہ ایک شب قیام فرما کر مولانا چل دئے اور اعلی حضرت کی زیارت سے مشرف ہوئے، اگلے دن راؤ صاحب بھی حاضر آستانہ ہوئے اور حضرت مولانا کی تقریب سے ایسی حالت میں بیعت ہوئے جس کو سراسیمگی اور چل چلاؤ کی حالت کہا جاتا ہے۔

تعلیم وتربیت

آپ کی تعلیم کا آغاز بڑے مبارک طریقے سے ہوا، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ حضرت اقدس نے ایک دفعہ خود بیان فرمایا: ''جب میری عمر غالباً پانچ سال تھی، ایک دفعہ حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی خواب میں زیارت ہوئی، آپ نے مجھے ''توجہ دی'' کہ میرا بدن پانی

پانی ہوگیا، پھر اپنی حالت پر آیا، تو فرمایا: ''پڑھ لو!''۔

اس کے بعد حضرت اقدس نے پڑھنا شروع کیا، سب سے پہلے قرآن پاک حفظ کیا اور غالب گمان ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم آبائی وطن ''تگری'' میں ہی ہوئی، حفظ قرآن پاک کے بعد آپ کچھ عرصہ کے لیے لدھیانہ تشریف لے گئے، اس زمانہ میں وہاں جنگ آزادی کے عظیم مجاہد حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب لدھیانوی کا خاندان علم وفضل میں بڑا مشہور تھا، ان کے صاحبزادے اور جانشین حضرت مولانا مفتی محمد لدھیانوی (دادا مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی) سے آپ نے ابتدائی کتابیں پڑھیں، اسکے بعد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کے مشورے کے مطابق مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے، باقی تمام کتابیں آپ نے یہیں پڑھیں ۱۲۹۱ھ-۱۸۷۴ء میں کتب حدیث پڑھ کر درس نظامی کی تکمیل فرمائی، یہاں آپ کے اساتذہ درج ذیل ہیں:

آپ کے اساتذہ

(۱) جہاد شاملی وتھانہ بھون میں شریک حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی صدر مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۲) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری قدس سرہ، شاگرد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی قدس سرہ۔

(۳) حضرت مولانا احمد حسن کانپوری خلیفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ۔

(۴) حضرت مولانا جمعیت علی صاحب جو کہ بعد میں پروفیسر شعبہ عربی وفارسی گورنمنٹ کالج بہاولپور بنے، ایسے جید علماء ومحدثین سے آپ نے کتب حدیث اور دیگر کتب درس نظامی پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

یہاں سے فراغت کے بعد آپ پانی پت تشریف لے گئے، اور حضرت قاری

عبدالرحمٰن پانی پتی قدس سرہ کے پاس کچھ عرصہ تجوید وقرأت اور دیگر علوم میں استفادہ فرمایا، حضرت قاری صاحب کو آپ کی مشق اور تجوید قرآن پر بڑا اعتماد تھا، چنانچہ فراغت کے وقت موصوف نے اپنا قرآن پاک بطور خاص آپ کو عنایت فرمایا تھا۔

حضرت میاں شاہ عبدالرحیم ولایتی کی خدمت عالیہ میں

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری جب سہارنپور میں تعلیم کے لیے تشریف لائے، تو اس دوران ہی آپ کا تعلق قطب وقت حضرت میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری سے ہوگیا تھا، چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری فرماتے ہیں: ''حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب سہارنپور پڑھنے کیلئے آئے تو عصر کے بعد حضرت میاں عبدالرحیم صاحب سہارنپوری کی خدمت میں طلباء حاضر ہوا کرتے تھے، حضرت بھی طالب علموں کے دستور کے مطابق وہاں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن حضرت میاں صاحب نے فرمایا: آ میرے چاند تجھے بیعت کرلوں، اور سلسلہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں آپ کو بیعت فرمایا۔

اس طرح تعلیم کے دوران ہی آپ کا بیعت کا تعلق حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری سے ہوگیا تھا، آپ نے بڑی جدوجہد اور عالی ہمتی سے اس سلسلہ کے سلوک اور تمام مقامات کو مکمل فرمایا، اور چند سالوں میں ہی آپ تربیت باطنی اور تکمیل اخلاص واحسان کے اونچے مقام پر پہنچ گئے اور اس سلسلہ عالیہ کے تمام فیوض وبرکات کے مستحق قرار پائے، چنانچہ حضرت میاں صاحب قدس سرہ نے آپ کو دونوں سلسلوں میں خلافت عطا فرما کر خلق خدا کی ہدایت کے لیے مقرر فرمایا، حضرت میاں صاحب کے خلفاء میں آپ کا ایک خاص اور اونچا مقام تھا اور متعلقین ومریدین کی نظروں میں آپ بڑی عزت وشرافت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے''۔

حضرت رائے پوری کے شیخ میاں صاحب کی وفات

حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ اپنے مرشد قطب وقت حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری قدس سرہ کی صحبت بابرکت سے فیض یاب ہوکر تربیت باطنی کے جملہ مراحل طے کر چکے تھے، اور سلسلہ عالیہ قادریہ نقشبندیہ مجددیہ میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوکر رائے پور میں قیام فرماتے تھے، اور ایک باغ میں جھونپڑی ڈال کر ہمہ وقت یادِ خدا میں مشغول رہتے تھے، اسی اثناء میں آپ کے مرشد عالی مقام حضرت میاں صاحب سہارنپوری قدس سرہ ۱۲/ ربیع الاول ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۰/دسمبر ۱۸۸۵ء میں اتوار کے روز انتقال فرماگئے۔

حضرت حاجی امداداللہ کی خدمت میں آپ غالباً ۱۳۰۵ھ مطابق ۱۸۸۸ء میں حج کے لئے تشریف لے گئے، وہاں حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی صحت بابرکت سے فیضیاب ہوئے اور حاجی صاحب نے اجازت وخلافت عطا کی، حضرت رائے پوری حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے تو گنگوہ میں امام ربانی قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت عالی رائے پوریؒ کا بیان نقل فرماتے ہیں: ''حج بیت اللہ سے واپس آکر گنگوہ حاضری ہوئی اور حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حضرت حاجی صاحب قدس سرہ کا خط پیش کیا، حضرت گنگوہی کا دستور تھا کہ صبح کو جانے والے مغرب کے بعد ہی مصافحہ کرلیا کرتے تھے، شام کو جب حضرت گنگوہی سے مصافحہ کرنا چاہا تو حضرت نے فرمایا:

''مولوی عبدالرحیم صاحب! آپ بھی جانا چاہتے ہیں؟''۔

عرض کیا گیا کہ جی ہاں!

حضرت نے فرمایا عشاء کے بعد ملنا، عشاء کے بعد فرمایا، تہجد کے وقت ملنا، چنانچہ تہجد

کے وقت مصافحہ کے لیے حاضری ہوئی تو فرمایا: اچھا آؤ تمہیں بیعت کرلوں، اور پانچوں سلسلوں (چشتیہ صابریہ، چشتیہ نظامیہ، قادریہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں بیعت کیا، اور فرمایا: ''کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، اسی میں نسبت بڑھتی رہے گی، اور مجاز فرمایا''۔

اس طرح آپ برعظیم پاک وہند کے اس عظیم سلسلہ کے ساتھ جڑ گئے، جس کے تمام علوم وافکار اور ظاہری وباطنی نسبتوں کے امین ووارث سیدالطائفہ حضرت حاجی صاحب، حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی قدس اللہ اسرارہم قرار پاتے ہیں، ان اکابرین ثلاثہ کی ظاہری وباطنی توجہات وعنایات ہر قدم پر آپ کے شامل حال رہیں، خاص طور پر حضرت گنگوہی قدس سرہ کی صحبت سے آپ نے خوب استفادہ کیا، چنانچہ حضرت امام ربانی قطب عالم گنگوہی نے آپ پر اعتماد کا اظہار فرماتے ہوئے آپ کو خلافت عالیہ کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔

دارالعلوم ومظاہر علوم کے سرپرست

اس کے بعد حضرت عالی رائے پوری کو ۱۳۲۰ھ مطابق ۱۹۰۲ء میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کا سرپرست مقرر کردیا گیا، ان ذمہ داریوں کو آپ نے زندگی کے آخری ایام تک بڑی فہم وفراست اور عمدگی سے سرانجام دیا، جس کا اظہار مختلف اکابرین کے یہاں بڑی کثرت سے ملتا ہے۔

اپنے شیخ حضرت گنگوہی سے آپکی محبت اور حضرت شیخ الہند سے قلبی تعلق

جس طرح حضرت گنگوہی قدس سرہ کو آپ سے ایک خاص انس اور وابستگی تھی، بالکل

اسی طرح آپ کو اپنے شیخ حضرت گنگوہی سے عشق کی حد تک قلبی تعلق اور محبت تھی اور اسی محبت اور قلبی تعلق کا ایک دوسرا پہلو یہ تھا کہ آپ کو اپنے شیخ کے محبوب نظر اور اپنے رفیق خاص ہمدم و ہمساز حضرت اقدس شیخ الہند قدس سرہ کے ساتھ بڑا خصوصی تعلق اور گہرا لگاؤ تھا، چنانچہ مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں:

''ایک مخلص طبیب نے حضرت عالی رائے پوری کے آخری مرض میں نبض دیکھی اور عرض کیا: ''حضرت! آپ کو تو بہت پرانی تپ (دق) معلوم ہوتی ہے، اور ایسی ہے جیسے کسی غلبہ حزن وغم میں پیدا ہوتی ہے، اور اندر ہی اندر گھلاتی ہے''۔

برس ہا برس گزر جانے پر اس وقت آپ کو جوش آیا اور فرمایا:

''ہاں حکیم صاحب! سچ فرمایا مجھے تپ اس دن شروع ہوئی جس دن حضرت گنگوہی نے اس دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن صاحب (حضرت شیخ الہند) مالٹا میں قید ہو گئے، آج مولانا رہا ہو کر تشریف لے آویں تو کچھ نہ سہی ایک دفعہ تو جھرجھری لے کر اٹھ ہی کھڑا ہوں گا، اتنا فرما کر چپ ہو گئے اور آخر اسیر مالٹا کے ہندوستان آنے سے قبل ہی دنیا سے سدھار گئے''۔

خانقاہ رائے پور، منظر و پس منظر، قصبہ رائے پور

رائے پور ایک قصبہ ہے، جو شہر سہارنپور سے بہ جانب شمال ۳۶ رکلومیٹر پر واقع ہے، سہارنپور سے چکروتہ کو جو پختہ سڑک جاتی ہے، اس کے ۳۰ رکلومیٹر سے گندیوڑ کے پل سے جانب شمال ۶ رکلومیٹر پر رائے پور کی بستی آتی ہے، یہ مسلمان راجپوتوں اور مسلمان شرفاء کی بستی ہے، اس قصبہ کی تاریخ کوئی تین چار سو سال پرانی ہے، ویسے تو ضلع سہارنپور، ہندوستان کے مشہور صوبہ (یوپی) کے انتہائی گنجان آباد اور مردم خیز خطہ ''دوآبہ گنگ وجمن'' کا سرسبز و شاداب ضلع کہلاتا ہے، لیکن خاص طور پر اس کا شمالی حصہ ''کوہ شوالک''

کے دامن میں واقع ہونے کی وجہ سے ندی نالوں کی بہتات، سرسبز و شاداب اور دلفریب مناظر اپنے اندر لئے ہوئے ہے، اس طرح ''رائے پور'' قدرتی مناظر اور دلفریب گھاٹیوں کے درمیان واقع ایک خوبصورت بستی ہے۔

گنگ وجمن کے درمیان دوآبہ کا مردم خیز خطہ

گنگا وجمنا کے درمیان واقع اس ''دوآبہ'' کی شاید یہی قدرتی خوبصورتی اور فطری حسن ورعنائی ہے، جو صوفیاء کرام اور اولیائے عظام کی انس وطمانیت پسند طبیعت کو بھا گئی کہ انہوں نے اس علاقہ کو اپنے مسکن اور مرکز کے لیے پسند کیا، عجیب اتفاق ہے کہ دہلی کے اجڑنے کے بعد خانوادۂ ولی اللہی کے جانشین علماء ربانیین اور مشائخ عظام نے اپنے فکر وعمل کا مرکز جن قصبات کو قرار دیا، ان میں تھانہ بھون، دیوبند، گنگوہ، سہارنپور اور رائے پور کی امتیازی شان ہے، اور یہ سب مراکز اسی مردم خیز ''دوآبہ'' میں واقع ہیں، غالباً ان مجددین علماء ربانیین کی انسانیت دوست طبیعت نے اپنے فکر وعمل کو مجتمع کرنے اور خدا پرستی اور انسانیت دوستی کے مشن کو آگے بڑھانے کے لیے اس سے بہتر کوئی علاقہ نہیں پایا، اس طرح قدرتی رنگینیوں سے بھرپور یہ خطہ ان کے بلند فکر وعمل کو مہمیز اور ان کے جہد و کردار میں توانائی پیدا کرنے کا ایک ذریعہ رہا۔

حضرت کا رائے پور میں مستقل قیام

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کا آبائی گاؤں ''تگری'' ضلع انبالہ (موجودہ یمنا نگر، ہریانہ) تھا، رائے پور آپ کا ننہالی قصبہ ہے، آپ جب ظاہری وباطنی تربیت سے فارغ ہوئے تو اپنے مرشد اول حضرت میاں عبدالرحیم سہارنپوری کی منشاء کے مطابق آپ نے رائے پور میں مستقل قیام کا ارادہ فرمایا، چنانچہ

سب سے پہلے رائے پور سے کچھ فاصلہ پر ایک باغ میں آپ نے اپنی خلوت گاہ بنائی، اس میں بیٹھے ذکر وفکر میں مشغول رہا کرتے، عالم پور گاؤں والے راستہ میں ایک کھیت میں ایک چبوترہ بنایا جو ابھی بھی موجود ہے، کچھ عرصہ اسی طرح گزرا، اس کے بعد آپ کے ننہال کی طرف سے جو ترکہ آپ کو ملا اس میں رائے پور کے قریب ایک قطعہ باغ بھی تھا، چنانچہ اپنے ننہالی عزیزوں کے اصرار اور اشارۂ غیبی کے مطابق آپ نے اس قطعہ باغ میں (۱۳۰۰ھ م ۱۸۸۲ء) میں مستقل قیام فرمایا، یہی باغ بعد میں ''گلزار رحیمی'' کے نام سے معروف ومشہور ہوا۔

گلزار رحیمی

اس باغ میں آپ نے دو چار گھاس پھونس کے چھپر ڈلوائے اور بنام خدا ایک تربیتی مرکز کی بنیاد رکھ دی، یہ مرکز ''خانقاہ رحیمیہ'' کے نام سے دنیا بھر میں مشہور ہوا، حضرت کے اخیر زمانے میں حضرت کے ایک معتقد حاجی سوندھے خاں نے آپ کی خانقاہ کے لیے ۲/ پختہ کمرے تعمیر کرادئے تھے، جس کی عمارت ابھی تک موجود ہے، جس باغ میں یہ خانقاہ قائم ہے، اس کا محل وقوع بھی بڑا منفرد ہے، گلزار رحیمی اور قصبہ رائے پور کی آبادی کے درمیان، دریائے جمنا سے نکلنے والی ''نہر جمن'' خوبصورتی کے ساتھ بل کھاتی ہوئی بہتی جارہی ہے، جس کا صاف وشفاف پانی بڑی تیزی کے ساتھ پتھروں پر سے گزرتا ہوا بادشاہوں کے شہر دہلی کی طرف رواں دواں رہتا ہے، یوں یہ ٹھنڈا اور میٹھا پانی اپنے تیز بہاؤ کی مدھم آواز کے ساتھ ذکر اللہ کرنے والوں کے دلوں کو بڑی تازگی اور فرحت بخشتا ہے۔

گلزار رحیمی میں واقع اس عظیم خانقاہ کے ایک طرف اگر یہ نہر پوری آب وتاب کے ساتھ بہتی رہتی ہے تو دوسری طرف ایک برساتی ندی اس نہر کو کراس کرتے ہوئے برسات

کے موسم میں اپنی جولانیاں دکھاتی ہے، اور پھر جس سنگم پر آکر ندی اور نہر باہم ملتے ہیں، اس جگہ برسات کے موسم میں ندی کا پانی بلندی سے جب نیچے گرتا ہے تو ماحول میں ایک عجیب طرح کا جلترنگ پیدا ہوتا ہے، جس سے اہل دل محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہتے، اس طرح خانقاہ ندی اور نہر کے سنگم پر ایک مرتفع مقام پر گھنے باغ کے درمیان واقع ہے۔

اہل دل کے احساسات

قدرتی حسن اور خوبصورتی سے بھرپور ایسے پرفضا مقام پر حضرت اقدس عالی رائے پوری کی ذات قدسی صفات کے فیضان سے رائے پور کے اس باغ میں کچھ ایسی نورانیت اور کشش پیدا ہوگئی کہ جس کا مشاہدہ، ہر اہل دل کو گلزار رحیمی میں داخل ہونے پر ہوتا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ باغ کا پتہ پتہ اور نہر کا قطرہ قطرہ ذکر اللہ میں مشغول ہے، چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی اپنے تاثرات کچھ یوں بیان کرتے ہیں: ''چونکہ صناع بے چوں کی گل کاری کے نظارہ سے حضرت اقدس رائے پوری کی طبع زیادہ مانوس ہے، اس لئے رائے پور کے مغربی سمت، لب نہر جمن شرقی، اس باغ میں آپ کی سکونت ہے، جو دنیا ودین کی راحت رسانی کے اعتبار سے گویا دنیا میں جنت ہے، آپ کی مقبولیت کے آثار بدیہیات سے زیادہ نمایاں ہیں، نقشبندیہ کے فیضان سے انس پانیوالی جماعت کو آبشار نہر کی دلکش صداؤں اور جنگل کے درختوں کی روح بخش سنسناہٹ میں، آپ کی بابرکت ذات کی بقاء حیات کی دعاء مسموع ہوتی ہے، آپ کا فیضان شام کو شبنم اور صبح کو باد نسیم بنا کر شاداب قصبہ کے ہر ہر پتہ کو ہرا بھرا بنائے ہوئے ہے، آپ کے حالات اس درجہ عجیب ہیں کہ غنچہ ہائے دل ان کے تصور وخیال سے کھلے جاتے ہیں''۔

ایک اور جگہ حضرت مولانا میرٹھی اپنے تاثرات کو الفاظ کا جامہ یوں پہناتے ہیں: ''حضرت رائے پوری قدس سرہ کا قیام قصبہ رائے پور ضلع سہارنپور میں بستی سے باہر ایک

باغ میں تھا، جس کے نیچے نہر جاری تھی، اور دنیا ہی میں حق تعالی نے آپ کو "جنت تجری من تحتها الانهار" (وہ باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی) کا مصداق بنا رکھا تھا، آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں تھے اور غلبہ کتمان واخلاص کی وجہ سے نقشبندیت کا آپ پر غلبہ تھا کہ باغ کے پتہ پتہ اور نہر کے قطرہ قطرہ سے ذکر اللہ سنائی دیتا اور بے حس و بے مس شخص بھی حاضر خدمت ہو کر اس اندرونی لذت کو محسوس کرتا تھا، جس میں آپ کا اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گزرا کرتا تھا۔

خانقاہ رحیمیہ کی مرکزیت

حضرت رائے پوری قدس سرہ کی ذات والا صفات کے ہمہ جہتی کردار کی وجہ سے اللہ تعالی نے خانقاہ رائے پور کو ایسی مرکزیت عطا فرمائی کہ عام طور پر مدارس ومراکز دینیہ اور قومی آزادی کی تحریکات اور جماعتوں کے راہ نما اور منتظمین حضرات اپنی تربیت، نگرانی اور سرپرستی کے لیے خانقاہ رحیمیہ رائے پور کی جانب رجوع کرتے رہے ہیں، اس طرح رائے پور کا یہ مرکز کسی ایک شعبہ دین ہی کا مرکز نہ رہا، بلکہ دین اسلام کے تمام شعبوں میں راہ نمائی کا مرکز بن کر ابھرا۔

خانقاہ رحیمیہ رائے پور سے جہاں شعبہ سلوک ومعرفت اور شعبہ شریعت ودینی مدارس کے ارباب فضل وکمال تربیت ورہنمائی حاصل کرتے تھے، وہاں سیاسی تحریکات کے ذمہ داران بھی مشورے کرنے کیلئے رائے پور تشریف لاتے اور راہ نمائی چاہتے تھے، چنانچہ تحریک ریشمی رومال کے تقریباً تمام ارکان اصولی ہدایات اور راہ نمائی کے لیے رائے پور حاضر ہوتے تھے؛ بلکہ تحریک ریشمی رومال کے قائد اعلی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا قدس سرہ بھی مشاورت کے لیے رائے پور تشریف لایا کرتے تھے، حضرت شیخ الہند قدس سرہ آپ کے وصال پر اپنے مرثیہ میں فرماتے ہیں:

ہمدمو! رائے کس سے لوگے؟ کہو!
مشورے کس سے اب کروگے، کہو!
راز دل، کس سے اب کہوگے، کہو!
رائے پور بھی کبھی چلو گے؟ کہو!
زینت وزیب الف ثانی مرد!
شاہ عبد الرحیم ثانی مرد!

خانقاہ گنگوہ کی جانشین خانقاہ

اس طرح ''خانقاہ رحیمیہ رائے پور'' کا مرکز ''خانقاہ رشیدیہ گنگوہ'' کا نائب اور جانشین بن کر دین اسلام کے تمام شعبوں میں تربیت نگرانی اور راہ نمائی کا روشن مینار بن گیا، اور گنگوہ کے بعد طالبین ''رائے پور'' کے مرکز سے فیض حاصل کرنے لگے، جس کا نقشہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بڑی خوبی کے ساتھ کھینچتے ہیں:

جنھوں نے رائے پور میں بیٹھ کر گنگوہ دیکھا ہے
انہیں ہی یاد کچھ گنگوہ کا جغرافیا ہوگا

خانقاہ رحیمیہ رائے پور کی خصوصیات

ہندوستان کی گذشتہ تاریخ کا جن حضرات نے مطالعہ کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ اس خطہ میں دین اسلام کی انسانیت دوست تعلیمات کو پھیلانے، اس کی سوشل طاقت کو قائم کرنے اور سیاسی ومعاشی نظام کی تکمیل کے پس پردہ صوفیائے کرام اور مشائخ عظام کی کاوشوں کا کتنا زیادہ عمل دخل رہا ہے، حضرت علی ابن عثمان الہجویری اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہ سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ تک مشائخ کرام کی

خانقاہوں کا ایک سلسلہ ہے، جس نے اپنے اثر ورسوخ کو استعمال کر کے دور کے تقاضوں کے مطابق انسانیت کی بھلائی کے نظاموں کی تعمیر وتشکیل میں بھر پور کردار ادا کیا، خانقاہ رحیمیہ رائے پور کے عالی مقام بزرگ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے جامع فکر اور ہمہ جہتی کردار نے گذشتہ دور کے مشائخ عظام کی یاد تازہ کردی، حقیقت یہ ہے کہ بظاہر خانقاہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر بلند تر سیاسی شعور اور دینی فہم وبصیرت کے ساتھ تمام معاملات میں رہ نمائی اور سرپرستی کرنا، حضرت رائے پوری کا ایسا امتیازی وصف ہے، جس کی نظیر ماضی قریب کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

انقلاب انگیز تحریکوں کی رہنمائی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اس حقیقت کو کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں: ''ہندوستان کے متعدد شیوخ کبار جن میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت مجدد الف ثانی، شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (قدس اللہ اسرارہم) کا نام بطور مثال کے لیا جاسکتا ہے، ان حضرات نے اپنے گوشہ عزلت یا مرکز ارشاد وتربیت میں بیٹھ کر بڑی بڑی انقلاب انگیز اور عہد آفریں تحریکوں کی رہنمائی وسرپرستی فرمائی ہے اور وقت کے فتنوں کا مقابلہ کیا ہے اور اپنے خلفاء اور منتسبین کے ذریعہ اشاعت یا حفاظت اسلام کا نہایت وسیع اور مؤثر کام انجام دیا، ان کی تحریک وترغیب، تحریض وتشویش اور حکم وہدایت سے اور ان حضرات کی نگرانی اور سرپرستی میں ان کے خدام ومنتسبین نے وقت کے اہم تقاضے پورے کئے اور ان خطرات کا سد باب کیا، جو اس وقت مسلمانوں کو درپیش تھے۔

دور سے دیکھنے والوں کی نظر میدان کے انہیں سپاہیوں پر تھی، جو سرگرم اور متحرک تھے، لیکن جو لوگ حقیقت حال سے واقف تھے وہ جانتے تھے کہ اس کام کی، اور ان کام کرنے

والوں کی ڈوری کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور جس کا اخلاص، سوز دروں (اندورنی فکر) اور حکمت وفراست ان سے کام لے رہی ہے اور ان (کام کرنے والوں) کے اندر قوت عمل، جذبہ وایثار اور نظم واتحاد قائم کئے ہوئے ہے، اور وہی اس کام کی قوت واثر کا اصل سرچشمہ، ان کے قلوب کے لیے حرارت اور توانائی کا اصل مرکز ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت رائے پوری نے جس ہمہ جہتی انداز میں اپنے دور میں اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی اساس پر غلبہ دین کے لیے کام کیا ہے، دور کے تقاضوں کے مطابق اس کی بڑی اہمیت ہے۔

اس کام کے لیے طویل اسفار

حضرت رائے پوری کے فکر وعمل کا مرکز بظاہر رائے پور کا باغ ''گلزار رحیمی'' رہا؛ لیکن حضرت نے اس کام کے لیے پورے برصغیر میں مسلسل اسفار فرمائے ہیں، چنانچہ حضرت کا معمول طویل اسفار کا رہا ہے، بالخصوص دور دراز کے علاقوں اور انتہائی دشوار گزار مقامات پر بھی احباب کی طلب اور تقاضہ کے مطابق سفر کیا جاتا رہا ہے، اس طرح حضرت کا زیادہ وقت ''رائے پور'' کی بجائے اسفار میں گزرتا تھا، البتہ رمضان کا مہینہ ایک جگہ پوری یکسوئی اور خلوت کی صورت میں گزرتا تھا، باقی سال کے اکثر مہینوں میں اسفار ہی رہتے تھے۔

خانقاہ رائے پور ایک چلتی پھرتی تربیت گاہ

اس طرح گویا ''خانقاہ'' رائے پور ایک چلتی پھرتی تربیت گاہ تھی، جہاں حضرت رائے پوری تشریف فرما ہوتے، وہی جگہ خانقاہ رائے پوری بن جاتی تھی، چنانچہ قطب عالم حضرت عالی رائے پوری قدس سرہ کے دور کا ایک قصہ سناتے ہوئے خود حضرت شاہ

عبدالقادر رائے پوری نے فرمایا: ''جب حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری بہٹ کے
نزدیک پیلوں میں قیام فرماتے تھے، بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت کو'' پیلوں'' سے
رائے پور چلنے پر آمادہ کرو، تو میں نے جواب دیا کہ میرے لیے تو جہاں حضرت ہیں وہیں
رائے پور ہے، اگر کہنا ہے تو تم کہو، میں کیوں کہوں؟ میرے لئے تو اگر حضرت جنگل میں
ہیں، وہی رائے پور ہے، وہی گلزار ہے۔

محبت وتعلق سے فیض ملتا ہے

حضرت کا وجود مسعود ہی وہ مرکزی شمع تھا، جس کے گرد پروانے اپنی اپنی بساط کے
مطابق فیضیاب ہوتے رہتے تھے، یہی نہیں بلکہ جس کا جتنا محبت وعشق کا تعلق بڑھتا گیا،
خواہ وہ دور ہی کیوں نہ بیٹھا ہو، اور کسی ذمہ داری کو پورا کر رہا ہو، اس کو اتنا ہی زیادہ فیض
حاصل ہوتا رہا ہے، اصل چیز اپنے بزرگوں کے ساتھ محبت اور عشق کا تعلق رکھتے ہوئے
زندگی بسر کرنا ہے، اللہ تعالی متعلقین ومتوسلین پر فیض کی بارش برساتے رہتے ہیں۔

حضرت کی علالت کا زمانہ

اعلی حضرت قدس سرہ کی علالت کا زمانہ بہت ہی طویل گزرا، تقریباً سات آٹھ سال
علالت کا سلسلہ رہا اور روز افزوں اضافہ ہی ہوتا رہا، حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی ثم
الدہلوی مستقل معالج تھے، بار بار تشریف لاتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے مگر: ؎

مریض عشق پر رحمت خدا کی
مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

ہر نوع کا علاج کیا گیا، مگر ہر علاج بجائے صحت کی طرف لانے کے علالت کی شدت
کی طرف لے جاتا تھا۔

بخار کا عارضہ

حضرت رائے پوری کی علالت کا زمانہ طویل گزرا ہے، مگر آپ میں کتمان حال (اپنی
حالت کو لوگوں سے چھپانے) اور ضبط وتحمل بہت زیادہ تھا، بڑی سے بڑی تکلیف کو
چھپاتے تھے، آخری زمانہ میں مستقل بخار رہنے لگا لیکن باوجود اس کے مجاہدات کا وہی
عالم رہا، مدتوں تک حالت چھپاتے رہے، ایک دن طبیب کے اصرار اور سوال پر فرمایا مجھے
بخار اس دن شروع ہوا جس دن حضرت گنگوہی نے اس دنیا کو الوداع کہا اور اس کا بدن پر
ظہور اس دن ہوا جس دن خبر سنی کہ مولانا محمود حسن صاحب مالٹا میں قید ہوگئے، ان
حضرات کے غم میں آپ عشق سوزاں سے شمع کی طرح پگھلتے رہتے تھے، کسی دوا سے افاقہ
نہیں ہوتا تھا، ہاں اگر محبوب کا تذکرہ ہوتا، تو طاقت اور توانائی بڑھ جاتی تھی، سوزش عشق کا
یہ عالم تھا کہ جسم پر حالت صحت میں بھی ہاتھ رکھنا دشوار تھا، چنانچہ حضرت مولانا اسعد مدنیؒ
فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ مولانا عزیز گل صاحب نے حضرت رائے پوری سے درخواست
کی حضرت! مجھے بدن دبانے کی اجازت مرحمت فرمادیجئے'' تو ارشاد فرمایا'' تم برداشت
نہ کرسکو گے، مولانا نہ مانے، اور دبانا شروع کیا، مولانا عزیز گل صاحب کا بیان ہے کہ مجھ
سے جسم پر ہاتھ رکھنا دشوار ہوگیا، انگارے کی طرح آپ کا جسد مبارک گرم تھا، فوراً ہاتھ
اٹھالیا، تب حضرت نے فرمایا'' دیکھ لیا''۔

حضرت سہارنپوری کا خواب

آپ کے مرض کو چونکہ امتداد زیادہ ہوگیا تھا، اس لیے زائرین آتے اور چلے جاتے
تھے، کس کو خیال تھا کہ فلاں وقت رخصت کا ہے اور ٹھہرنا چاہئے، ایک مرتبہ حضرت
سہارنپوری نے خواب دیکھا کہ آفتاب غروب ہوگیا، اور دنیا میں اندھیرا چھا گیا، حسب
معمول تہجد کے وقت حضرت اٹھے اور نفلوں سے فارغ ہو کر متفکر بیٹھ گئے، اہلیہ نے پوچھا
آج عادت کے موافق آپ نفلوں کے بعد لیٹے کیوں نہیں، اور طبیعت کچھ فکر مند معلوم

ہوتی ہے، کیا بات ہے؟ آپ نے خواب کا اظہار کیا، اور محزون لہجہ میں فرمایا، اس کی تعبیر ایک تو یہ ہے کہ مولانا محمود الحسن صاحب مالٹا میں محبوس ہیں، دوسرے مجھ کو یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں شاہ عبدالرحیم صاحب کی حالت نازک نہ ہو۔

غرض صبح کو حضرت پیلوں روانہ ہو گئے، جہاں تبدیل آب وہوا کیلئے حضرت کا قیام تھا، بعد مغرب حضرت نے فرمایا آج عشاء کی نماز ذرا سویرے پڑھ لو، چنانچہ یہ سمجھ کر کہ آرام کی خواہش ہوگی نماز اول وقت پڑھ لی گئی اور آپ چارپائی پر لیٹ رہے، حضرت دوسرے کمرہ میں جا لیٹے کہ دفعتہً آپ کو آخری کرب شروع ہوا، اور حضرت اپنے کمرہ سے لپک کر پاس آئے، مولانا نے حضرت کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور آپ کا ہاتھ تھام کر اپنے سینہ پر رکھ لیا۔

حضرت رائے پوری کا وصال

حضرت نے پڑھنا شروع کیا اور رائے پور کا آفتاب اپنے محبوب کا ہاتھ چھاتی پر رکھے ہوئے چند منٹ کے اندر شب کے گیارہ بج کر انیس منٹ پر ۲۶/ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹/جنوری ۱۹۱۹ء کو پیلوں میں غروب ہو گیا، یہ گاؤں شاہ زاہد حسن صاحب رئیس بہٹ کا خریدا ہوا تھا، آب وہوا اس کی بہت اچھی تھی اور انگریزوں کی دیگر کوٹھیاں اس میں تھیں، بہت ہی خوشگوار اور پر فضا تھی، شاہ صاحب کی درخواست پر حضرت قدس سرہ زندگی کے آخری ایام میں تبدیلی آب وہوا کی وجہ سے یہاں تشریف لے آئے تھے، وصال کے بعد جنازہ رائے پور لے جایا گیا، حضرت سہارنپوری نے نماز جنازہ پڑھائی اور وہیں مسجد کے جنوب میں تدفین ہوئی۔

اولاد و احفاد

حضرت رائے پوری قدس سرہ کا آبائی وطن اگرچہ ''تگری'' تھا، جب کہ آپ کی ننھال رائے پور میں تھی، آپ کی والدہ محترمہ راؤ ولی محمد خان ولد راؤ ذوالفقار خاں رائے پوری کی

92

صاحبزادی تھیں، حضرت کی ہمشیرہ محترمہ کی شادی بھی رائے پور میں راؤ مراد علی خاں صاحب سے ہوئی تھی، آپ کے بھانجے حضرت مولانا محمد اشفاق صاحب رائے پوری انہیں کے بطن سے تھے، حضرت مولانا اشفاق صاحب خاصے طویل عرصہ (۱۳۴۴ھ تا ۱۳۶۷ھ) تک دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے بڑے معزز ممبران میں سے تھے، حضرت کی خانقاہ کے کتب خانہ میں جو کتابیں تھیں، ان کے متولی تھے، حضرت رائے پوری نے اپنی حیات مبارکہ میں اس کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی تھی۔

حضرت رائے پوری کی دو شادیاں ہوئیں، پہلی شادی راؤ امانت علی ولد راؤ قلندر علی رائے پوری کی صاحبزادی محترمہ سے ہوئی، ان کے بطن سے دو بچے ہوئے، ایک حافظ عبدالرشید جو کہ ۱۳۲۸ھ-۱۹۱۰ء میں سفر حج سے واپسی پر ''عدن'' کے مقام پر انتقال فرما گئے تھے، دوسری صاحبزادی محترمہ جن کا نکاح جناب چودھری تصدق حسین صاحب رئیس گمتھلہ سے ہوا تھا، اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ (جانشین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ) انہی کے بطن سے پیدا ہوئے، حضرت رائے پوری نے اپنے ان نواسے کی تربیت ظاہری و باطنی اپنی زندگی میں کر دی تھی، جس کی تکمیل حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے دور میں ہوئی تھی۔

حضرت رائے پوری کی دوسری شادی، پہلی بیوی کے انتقال کے بعد نکاح بیوگان کے سلسلہ میں ہوئی تھی، اور یہ شادی آپ نے اپنے سسر کی دوسری بیوی کے بیوہ ہونے پر ان سے کی تھی، یہ دوسری اہلیہ محترمہ چودھری برکت علی ولد علی نواز خان لیدھا والوں کی صاحبزادی تھیں، دوسری اہلیہ محترمہ سے آپ کی کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔

خلفائے کرام

ویسے تو حضرت عالی رائے پوری کے تربیت یافتہ افراد اور اجازت یافتہ حضرات کی

تعداد خاصی ہے؛ لیکن آپ کے چند خلفاء خاص طور پر اہم اور قابل ذکر ہیں جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری۔

(۲) حضرت مولانا اللہ بخش صاحب بہاولنگری قدس سرہ دین پور ضلع بہاؤلنگر۔

(۳) حضرت منشی رحمت علی صاحب جالندھری قدس سرہ

(۴) حضرت ملا عبدالعزیز صاحب رائے پوری (والد محترم حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری)۔

خصوصیات و امتیازات

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی نے آپ کے اوصاف، امتیازی خصوصیات اور عادات مبارکہ کا اجمالی خاکہ کچھ یوں بیان کیا ہے:

’’حضرت ممدوح اس صدی کی وہ مقتدر ہستی تھی جو گذشتہ صدیوں کے بزرگان مشاہیر کا نمونہ بن کر دنیا میں آئی تھی، شان تفویض (یعنی ہر بات کو خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا) کی مجسم تصویر، بحر توحید کی غواص (غوطہ لگانے والے) تسلیم ورضا میں غرق اور توکل واعتماد میں فنا، شریعت میں آپ عالم متبحر تھے، مگر طریقت کا آپ پر ایسا غلبہ تھا کہ دیکھنے والا آپ کو مولوی و عالم نہ سمجھتا تھا، یکسوئی اور وحدت نشینی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، مگر حق تعالیٰ کو آپ کے نور فیضان سے عالم کو معمور (آباد) کرنا تھا، اس لیے جس گمنامی و پنہائی کے آپ متمنی اور شیدا تھے، اس میں کامیاب نہ ہوئے، مخلوق کو قدرتی طور پر آپ کی طرف کشش ہوتی اور آپ جتنا دنیا سے بھاگتے، گھبراتے اور دامن چھڑاتے تھے، اسی قدر دنیا آپ کا تعاقب کرتی لپکتی اور دامن پکڑتی تھی، آپ کے حالات عجیبہ بیان کرنے سے زبان عاجز ہے، محبوبیت آپ پر سایہ فگن تھی، اور اس لیے مخلوق کو آپ کے وجود باجود سے ظاہری

وباطنی ہر قسم کا ہر وقت نفع پہنچتا رہتا تھا‘‘۔

آپ حضرت گنگوہی قدس سرہ کے اجلہ خلفاء میں تھے اور غلبہ کتمان اور اخلاق کی وجہ سے ’’نقشبندیت‘‘ کا آپ پر غلبہ تھا، کہ باغ کے پتہ پتہ اور نہر کے قطرہ قطرہ سے ذکر اللہ سنائی دیتا تھا۔

اور بے حس و بے مس شخص بھی حاضر خدمت ہو کر اس اندرونی لذت کو محسوس کرتا تھا، جس میں آپ کا اور آپ کے متوسلین کا ہر لمحہ گذرا کرتا تھا۔

نقشبندیہ عجب قافلہ سالار اند
کہ برند از رہ پنہا بحرم قافلہ را

نقشبندی بزرگ بھی عجیب راہبران قافلہ ہیں، کہ چھپے راستے سے ہی قافلہ کو حرم شریف پہنچا دیتے ہیں۔

غرضیکہ حضرت صفائے باطن اور تزکیہ نفوس میں رشد وہدایت کے تاجدار تھے، صحیح حکمت عملی اور فہم وبصیرت کی اعلیٰ صلاحیت کے حامل تھے، مناقشات ومجادلات سے بہت زیادہ محرز تھے، حکمت وفلسفہ کے بلند پایہ عارف تھے، علوم ومعارف اور حقائق کا ہر وقت فیضان رہتا تھا، آپ کی نسبت بہت قوی تھی۔

تصوف کی اصل حقیقت اور اس کے عملی تقاضوں سے خوب واقف تھے، تصوف کو دینی عقل وشعور کا دوسرا نام دیتے تھے، قوم کی انفرادی واجتماعی مشکلات کا صحیح خطوط پر حل کرنا جانتے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو توکل کی نعمت، صبر وتحمل مخلوق کی دلجوئی ومدارات جیسی صفات حمیدہ سے نوازا تھا، آپ کو سنت سے محبت، بدعت سے نفرت حد درجہ تھی، آپ کی اصلاح اور امر بالمعروف کا انداز نرالا تھا، آپ علم ظاہری وباطنی کے جامع تھے، اور آپ پر نسبت نقشبندیہ غالب تھی، قرآن پاک اور اس کی تعلیم سے عشق وتعلق تھا، مدارس کی سرپرستی اور مدارس کے چندہ کے متعلق بہت محتاط تھے، مہمانوں کی تواضع اور راحت

ودلداری کا خوب خیال رکھتے تھے، آپ کو مشتبہ کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا، خواب کی تعبیر میں مکمل دستگاہ حاصل تھی، بزرگوں اور متعلقین کی آمد سے مسرور ہوتے تھے۔

حضرت رائے پوری کے کارنامے

حضرت کے چند کارنامے یہ ہیں کہ آپ نے ملک کے مختلف علاقوں میں مکاتب قرآنیہ کا جال بچھادیا، قومی تحریکات میں مرکزی کردار ادا کیا، بڑے اور اہم اداروں کی سرپرستی ونگرانی فرمائی، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور اور تحریک ریشمی رومال اور نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی کی سرپرستی فرمائی، حضرت شیخ الہند سے ترجمہ قرآن کرایا، حضرت مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی سے نورانی قاعدہ لکھوایا، حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب سے تعلیم الاسلام اور اصول اسلام کے رسالے لکھوائے، آپ نے رائے پور کو مکاتب ومدارس قرآن کا مرکز بنادیا بلکہ تمام تحریکوں کا مرکز بنایا تھا، اور آس پاس کے علاقوں میں مکاتب قرآنیہ کا اجراء کرایا، مشرقی پنجاب کے دیہات میں، ریاست بہاولپور میں، دین پور میں، خیر پور میں جمال پور، دہرہ دون اور مغربی یوپی میں جگہ جگہ مکاتب قائم کردئے تھے، اور سب سے بڑا کارنامہ خانقاہ رائے پور کی شکل میں ابھی بھی مسلم وغیر مسلم عوام کی خدمت میں شب وروز مشغول ہے، اللہ تعالی حضرت کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (حضرت کے تفصیلی حالات راقم کی کتاب ''تذکرہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' میں ملاحظہ فرمائیں)۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ

ولادت: ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء - وفات: ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۰ء

اسلام کی اہم عبقری اور جامع شخصیت

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی تاریخ کے عظیم اور اسلام کی اہم عبقری اور جامع شخصیت کے مالک تھے، ان کی ذات سے ایسے ایسے جبال علم پیدا ہوئے کہ جن کے کارناموں کو دیکھ کر نظریں خیرہ اور عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''آفتاب کو ممکن ہے کہ کچھ لوگ نہ پہچانتے ہوں؛ لیکن علمی دائرہ کا کون فرد ہوگا جو اس یگانہ روزگار ہستی اور اس کے فیوض وبرکات سے واقف نہ ہو، علمی میدان میں عارف باللہ، عملی میدان میں مجاہد اعظم، اخلاقی میدان میں فنا فی اللہ، سیاسی میدان میں زعیم مخلص، عقلی میدان میں فرزانہ فرید، شعروادب کے میدان میں ادیب بے مثال، شخصیت کے میدان میں شیخ کامل، دارالعلوم کو اگر آسمان فرض کیا جائے تو آسمان کا سورج اپنے وقت میں شیخ الہند کی ذات بابرکت تھی جس سے شیخ الہند کے انفاس طیبہ عیاں ہیں''۔

شیخ الہند کے تعارف کی حد تام

اگرچہ یہ مثل مشہور ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، اور بلاشبہ صحیح ہے، تو یگانہ دہر علامہ انور شاہ کشمیری قدس سرہ، مفتی کفایت اللہ صاحب، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ سندھی،

☆ یہ مضمون فکر انقلاب دہلی کے خصوصی نمبر بیاد حضرت شیخ الہند بابت مارچ ۲۰۱۴ء کے لئے لکھا گیا تھا۔

مولانا محمد میاں منصور انصاری ، حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی ، حضرت مولانا سید فخر الدین شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند جیسے سینکڑوں فضلاء واتقیاء کو سامنے لے آنا، شیخ الہند کو سامنے کرلینا ہے، یعنی ان بزرگوں کے عملی وعلمی کارنامے شیخ الہند کے تعارف کی حدتام ہیں، جس کے ایک ایک مقدمہ کے آئینے میں شیخ الہند کی تصویر جھلکتی نظر آتی ہے، اس سے ہر ذی شعور اندازہ کرسکتا ہے کہ جس کی وساطت سے ایسے ایسے مقدس اور برگزیدہ افراد پیدا ہوئے ہوں تو اس مربی اور شخص کا کیا کہنا ، الغرض شیخ الہند کی ہمت ظاہری وباطنی سے علم اخلاق کے کتنے پیکر تیار ہوئے اور عالم اسلامی میں ان کے آثار صالح کس حدتک پھیلے ، نیز آپ کی ذات سے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے علمی واخلاقی مسلک کا کس حدتک شیوع وفروغ ہوا، اس کے لئے نہ تو یہ سطریں کفایت کرسکتی ہیں اور نہ ہی یہ تحریر ان کی مدح وسرائی میں کافی ہوسکتی ہے۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب حضرت مولانا ذوالفقار صاحب کے گھر میں ۱۲۶۸ھ م ۱۸۵۱ء میں بریلی میں پیدا ہوئے ، جہاں آپ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علی صاحب بسلسلہ ملازمت مقیم تھے، آپ کی نشو ونما دیوبند ہی میں ہوئی ، جو آپ کا وطن اصلی تھا، ابتدائی تعلیم ایک دیندار بزرگ میاں جی منگلوری سے حاصل کی ، ابتدائی تعلیم کے بعد جب دیوبند میں ۱۲۸۳ء میں دارالعلوم قائم ہوا، تو سب سے پہلے مدرس ملا محمود کے سامنے پہلے شاگرد محمود حسن نے زانوئے تلمذ تہ کیا۔

دارالعلوم دیوبند میں درس وتدریس

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جب تعلیم سے ۱۲۹۰ھ میں فارغ ہوئے تو دو سال تک دارالعلوم میں معین مدرس کی حیثیت سے خدمت انجام دی ، اس درمیان آپ دارالعلوم کے طلبہ کو

بڑی بڑی کتابوں کا درس دیا کرتے تھے ، لیکن جب آپ کا باضابطہ دارالعلوم میں تقرر ہوگیا تو درجہ چہارم کی کتابیں آپ سے متعلق ہوئیں ، جس میں قدوری ، قطبی اور دیگر کتابیں زیر درس تھیں، آپ کے علم وفن میں کمال اور مہارت تامہ ہونے کی وجہ سے ہر سال آپ کو بڑے درجات کی کتابیں حوالے ہوتی رہیں ، دوسرے سال عربی پنجم کی کتابیں زیر درس رہیں، اور تیسرے سال عربی ششم اور ہفتم کی کتابیں زیر درس رہیں، اسی طرح آپ کے ذمہ نو اسباق تھے یعنی پورے اوقات میں ایک لمحہ کی بھی فرصت نہیں ملتی تھی ، اور کتابیں بھی وہ تھیں جن میں معرکۃ الآ راء بحثیں ہوتی ہیں، آپ مشکوۃ شریف بھی پڑھاتے تھے اور سنن ترمذی بھی اور فقہ میں ہدایہ کا بھی درس دیتے تھے ، میرزاہد اور ملا جلال بھی آپ کے زیر درس تھیں، حضرت شیخ الہند کی ذات گرامی تو دارالعلوم کے لیے وقف ہوکر رہ گئی تھی ، نماز فجر کے بعد سے اسباق کا سلسلہ جاری فرماتے تو بارہ بجے تک چلتا رہتا، پھر بعد نماز ظہر اسباق شروع ہوتے تو نماز عصر کے وقت ختم ہوتے ، آپ ابتدا ہی میں ہر علم وفن کی کتابیں پڑھاتے رہتے ، حدیث تفسیر ، فقہ، اصول فقہ، منطق وفلسفہ، معانی وبیان کی کتابیں آپ کے یہاں ہوتی تھیں، تدریسی زندگی کے اخیر دور میں آپ نے صرف صحاح ستہ کے اسباق اپنے ذمہ رکھے تھے۔

اجازت وخلافت اور تحریک ریشمی رومال

۱۲۹۴ھ میں پہلا حج کیا، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے شرف بیعت حاصل کیا، بلکہ خلافت واجازت بیعت سے بھی نوازے گئے ، دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۲۳ھ تک تدریس حدیث کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کی اساسی غرض (استخلاص وطن) کے لیے نہایت گرم جوشی مگر حزم واحتیاط سے کام کرتے رہے، اور ریشمی رومال تحریک قائم کی ، اسی غرض کی تکمیل کے لیے ۱۳۳۳ھ میں سفر حجاز کیا اور وہاں اپنے شاگرد باوفا حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی کی وساطت سے آزادی برصغیر کے لیے ترکی حکومت سے مذکرات کے بعد عملی اقدام کی تیاری فرمارہے تھے کہ جنگ عظیم چھڑ گئی، انگریزوں کی سازش سے آپ کو مالٹا میں اسیر کردیا گیا، ۱۳۳۷ھ میں رہائی کے بعد وطن تشریف لائے۔

چھوٹوں پر شفقت اور مہربانہ تربیت کا بے مثال نمونہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند کی جب مالٹا سے تشریف آوری ہوئی تو میرے والد (حافظ محمد احمد) صاحب نے حضرت سے فرمایا کہ حضرت! آپ ان دونوں بچوں (محمد طیب اور محمد طاہر) کو بیعت فرمالیجئے، فرمایا بھائی حافظ جی میں تو ان سے بیعت جہاد لوں گا، والد صاحب نے فرمایا کہ آپ میری طرف سے ان کے سر کٹوا دیجئے، اس میں مجھ سے کیا پوچھنا ہے، آپ جانیں اور آپ کی اولاد جانے، اور پھر فرمایا کہ لوگ مجھے کہتے ہیں کہ یہ بڑا ہوشیار ہے، دو بزرگوں (حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی) کے دو ہی صاحبزادے ہیں (مولانا مسعود احمد گنگوہی اور حافظ محمد احمد صاحب) اور اس نے دونوں پر پہلے ہی سے قبضہ جما رکھا ہے، اب اگر ان بچوں کو بھی بیعت کرلیا تو کہیں گے کہ دیکھو اس نے آگے کو بھی قبضہ رکھنے کو داغ بیل ڈال دی ہے، بہر حال اس قسم کی مزاحی باتیں جانبین سے ہوتی رہیں، یہ مجلس ختم ہوگئی، دو دن کے بعد اچانک خود ہی دارالعلوم میں تشریف لاکر مجھے اور بھائی طاہر کو بلایا، ہمارے ذہن میں بھی نہیں رہا تھا کہ ہمیں بیعت بھی ہونا ہے، میں نے عرض کیا کہ حضرت نے کیوں یاد فرمایا ہے، فرمایا مرید بھی کرنا ہے، اس وقت ندامت سی ہوئی کہ اس کے لئے ہمیں خود حاضر ہونا تھا لیکن یہاں قصہ برعکس ہورہا ہے، بہرحال یہ اپنے چھوٹوں پر شفقت اور مہربانہ تربیت کا بے مثال نمونہ تھا، جو اس ذات ستودہ صفات میں حق تعالیٰ نے ودیعت فرمایا تھا۔

ہندوستان کی آزادی کیلئے مختلف تنظیموں کا وجود

تحریک آزادی ہند میں آپ کی خدمات عدیم النظیر اور کارنامے بے مثال ہیں، آپ کی جدوجہد آزادی کا زمانہ بڑا طویل ہے، آپ نے آزادی کی جدوجہد اس وقت شروع کردی تھی جب کہ انڈین نیشنل کانگریس وجود میں نہ آئی تھی، ۱۸۷۸ء میں ''انجمن ثمرۃ التربیت'' قائم کرکے جدوجہد کا آغاز کیا، ۱۹۰۹ء میں ''جمعیۃ الانصار'' ۱۹۱۳ء میں ''نظارۃ المعارف القرآنیہ'' پھر ۱۹۱۶ء میں ''تحریک ریشمی رومال'' کے نام سے آپ کی انقلابی سرگرمیاں ظاہر ہوئیں، استخلاص وطن کا ایسا انقلابی منظم منصوبہ بنایا تھا، اگر وہ کامیابی سے ہمکنار ہوجاتا تو شاید پوری دنیا سے انگریزوں کا وجود مٹ جاتا، آپ کی تحریک انقلاب کا دائرہ ہندوستان سے روس، جرمنی، ترکی، افغانستان اور بلاد عرب تک پھیلا ہوا تھا، مگر بدقسمتی سے تحریک کا راز فاش ہوگیا، وابستگان تحریک برطانوی قید خانوں میں نظر بند کردیئے گئے، آپ کو بھی چار رفقاء سمیت مکہ معظمہ سے قید کرکے مصر و مالٹا کے قید خانہ میں ڈال دیا، جہاں تقریباً ساڑھے تین سال گزار کر جون ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے۔

علالت اور وفات

علالت اور بدنی ضعف کے باوجود اپنی تحریک کو دوسری حکمت عملی سے جاری فرمایا، پھر ربیع الاول کے دوسرے عشرہ میں اتوار کے روز آپ کی حالت تشویشناک ہوگئی، بالآخر ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۳۹ھ م ۳۰ر نومبر ۱۹۲۰ء کو رحلت فرماگئے، اور اگلے روز حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی قبر مبارک کے قریب یہ گنجینۂ علم اور فضل وکمالات دنیا کی نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔

شیخ الہند کے کارنامے

آپ نے جہاں مردم سازی کا کارنامہ انجام دیا، اور ہندوستان کی آزادی کے سلسلہ

میں جو جدوجہد کی، شاگردوں کی ایک عبقری ٹیم تیار کی، مجاہدین کی ایک کھیپ بنائی، مختلف ادارے قائم کئے، ریشمی رومال تحریک کی بنیاد ڈالی اور ایک نئے ہندوستان کا خواب دیکھا، وہیں آپ نے تمام ہماہمی مصروفیات اور قید و بند کی صعوبتوں کے ساتھ کلام الٰہی کی خدمت بھی کی اور اس معجزہ الٰہی کا اردو میں ترجمہ بھی کیا، جو آپ کا ایسا عظیم کارنامہ ہے جس نے مسک ختام کا کام کیا، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الہند کے درجات کو بلند فرمائے، اور کاش کہ ان کی فکر و خواہش کے مطابق ایک نئے ہندوستان کا وجود ہو، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ☆

ولادت: ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۸۶۴ء - وفات: ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹۴۳ء

تمہید

ہندستان کے مغربی اتر پردیش کو اس ملک کی دینی، مذہبی، ملی، سیاسی، سماجی اور علمی تاریخ میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے، یہاں کی سرزمین سے ہر دور میں ایسے نابغہ روزگار اور باکمال افراد پیدا ہوئے جنھوں نے بسا اوقات پورے ملک پر (بلکہ بعض مرتبہ پورے عالم اسلام پر) اپنے خوشگوار اثرات ڈالے اور اپنی مسیحا نفسی سے ایک نئی روح پھونک دی، اس خطہ کی نادرۂ روزگار اور عظیم المرتبت شخصیات میں ایک ممتاز اور روشن نام مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، جن کی ہمہ جہت شخصیت نے برصغیر ہند و پاک کے ذرہ ذرہ کو اپنی تابانی سے منور کیا اور اس کے خوابیدہ چمن میں ایک روح پھونک دی۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

ولادت باسعادت

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ولادت باسعادت ۵/ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ مطابق ۱۹/ستمبر (۱۸۶۴ء) کو سنیچر کے دن صبح صادق کے وقت ہوئی، مادہ تاریخ

☆ یہ مضمون رسالہ کی شکل میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ۱۹۹۹ء میں لکھا گیا تھا، بعد میں مستقل کتابی شکل میں مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ۲۰۰۶ء میں شائع کیا گیا، دہلی سے سہ ماہی ''حسن تدبیر'' کے خصوصی شمارہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نمبر میں شائع ہوا، انگریزی میں بھی اس کا ترجمہ Life Scketch of Hadhrat Thanvi کے نام سے ہو گیا ہے۔

۱۲۸۰ ''کرم عظیم''اور لقب حکیم الامت ہے، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب سابق مفتی دارالعلوم دیوبند نے آپ کا مسجع ''از گروہ اولیاء اشرف علی'' کہا تھا۔

حضرت کے والد شیخ عبدالحق صاحب کے یہاں اولاد نرینہ زندہ نہیں رہتی تھی، ان کی خوش دامن صاحبہ نے اس کا ذکر ایک مشہور صاحب خدمت مجذوب بزرگ حافظ غلام مرتضٰی صاحب پانی پتی سے کیا، جس پر مجذوب صاحب نے فرمایا: انشاء اللہ اس کے دو لڑکے ہوں گے اور زندہ رہیں گے، ایک کا نام اشرف علی رکھنا اور دوسرے کا اکبر علی۔

چنانچہ مجذوب صاحب کی پیش گوئی کے مطابق شیخ عبدالحق کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے اور انہیں کے ارشاد کے مطابق بڑے صاحبزادے کا نام اشرف علی اور چھوٹے کا نام اکبر علی رکھا گیا، اگرچہ دادیہال سے آپ کا نام عبدالغنی تجویز کیا گیا، لیکن ؎

گفتہ او گفتہ اللہ بود ☆ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس لیے حافظ صاحب ہی کا تجویز فرمایا ہوا نام مبارک مشہور ہوا۔

شرف نسب

حضرت حکیم الامتؒ کا دادھیال اور نانہال دونوں تھانہ بھون ہی کا تھا، دادھیال فاروقی اور نانہال علوی تھا، والد ماجد کا اسم گرامی عبدالحق تھا، آپ قصبہ تھانہ بھون (۱) کے

(۱) تھانہ بھون کا اصل نام ''تھانہ بھیم'' تھا کیونکہ وہ کسی زمانہ میں راجہ بھیم کا تھانہ تھا، کثرت استعمال سے تھانہ بھون ہوگیا، جب یہاں مسلمان آ کر آباد ہوئے تو شرفائے قصبہ کے بعض اجداد نے اپنے ایک فرزند ''فتح محمد'' کے نام پر اس کا نام محمد پور رکھا، جو کاغذات شاہی میں بھی پایا جاتا ہے، لیکن عام طور پر پرانا نام یعنی تھانہ بھون ہی مشہور رہا، غدر ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے اس قصبہ کی آبادی اڑتالیس ہزار کی تھی، پھر غدر کے قریب چھتیس ہزار کی رہ گئی، اس کے بعد ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۹۳۵ء میں صرف چھ سات ہزار کی رہ گئی؛ لیکن اس وقت تیس ہزار ہے اور مسلم آبادی نصف ہے، یہ قصبہ مغربی اتر پردیش کے ضلع مظفر نگر کا ایک مشہور و معروف مردم خیز تاریخی قصبہ ہے، جہاں ہمیشہ مسلمان شرفاء بالخصوص شیوخ فاروقی النسل صاحب اقتدار اور صاحب قوۃ وشوکت اور صاحب جائداد رہے ہیں، نیز یہاں مختلف فنون کے اہل کمال بھی گذرے ہیں، جن کے کارناموں کے افسانے اور تذکرے کتابوں میں اور زبانوں پر اب تک ہیں۔

98

ایک مقتدر رئیس اور صاحب نقد و جائیداد تھے۔

فارسی میں بہت اعلیٰ قابلیت رکھتے تھے اور بہت اچھے انشاء پرداز تھے، میرٹھ کی ایک بڑی ریاست کے مختار عام تھے اور باجازت رئیس کمسریٹ (Commissariat) کے ٹھیکے بھی لیا کرتے تھے۔

حضرت کی والدہ بھی ایک باخدا اور صاحب نسبت بی بی تھیں، جیسا کہ حضرت نے اپنے خاندانی بزرگوں کے واسطے سے بیان کیا (اس لیے کہ حضرت کی عمر پانچ سال کی تھی تب ہی والدہ صاحبہ کا انتقال ہوگیا تھا) نیز ان کی عقل وفراست اور فہم وبصیرت کی تصدیق حضرت حافظ غلام مرتضٰی صاحب مجذوب نے بھی فرمائی۔

غرض حضرت حکیم الامت کی جامعیت عقل وعشق یا بالفاظ دیگر جامعیت شریعت وطریقت جو آج تک خاص وعام میں مشہور ہے، درجہ استعداد فطری میں دادھیال اور نانہال ہی سے موروث ہے، جس پر بے ساختہ یہ شعر ذہن میں آتا ہے۔ ؎

زیکسو بوئے گل وز یک طرف پیغام یار آمد

من آں دیوانہ ام کز ہر دو سوئے من بہار آمد

اس طرح آپ ماشاء اللہ اپنے خاندان کے خلف الصدق اور شان فاروقی وشان علوی دونوں کے جامع اور مظہر اتم تھے ''ذلك فضل الله يوتيه من يشاء''

طفولیت

چونکہ حضرت حکیم الامتؒ کے چھوٹے بھائی آپ کی ولادت کے تقریباً چودہ ماہ بعد تولد ہوگئے تھے اور دودھ دونوں بچوں کے لیے کافی نہ ہوتا تھا، اس لیے آپ کے لیے ایک انّا (دودھ پلانے والی) مقرر کی گئی تھیں، وہ ضلع میرٹھ کے کسی دیہات کی قوم کی قصائن تھی، چنانچہ حضرت مزاح میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میں نے قصائن کا دودھ پیا ہے اس

لیے بھی میرے مزاج میں حدت ہے، مگر الحمدللہ شدت نہیں، میرا دل اس قدر نرم ہے کہ مجھ سے کسی کی ذراسی بھی تکلیف نہیں دیکھی جاتی، اگر کسی کو ادنی تکلیف میں بھی دیکھ لیتا ہوں تو بس دل پگھل جاتا ہے اور پانی پانی ہو جاتا ہے، حضرت نے بہت چاہا کہ اپنی مرضعہ کی اولاد وغیرہ کا پتہ چلائیں تاکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، لیکن کچھ پتہ نہ چل سکا، اس خیال کا منشاء طبعی تعلق اور اتباع سنت دونوں تھا، آپ کی عمر ابھی غالباً پانچ سال کی تھی کہ والدہ مشفقہ کا سایۂ عاطفت سر سے اٹھ گیا، اس لیے ان کے انتقال کے بعد والد صاحب نے دونوں بھائیوں کی بڑی محبت وشفقت سے پرورش کی، ناشتہ میں روغنی روٹی کو خوب گھی سے چور چور کر اور لقمے بنا بنا کر اپنے ہاتھ سے کھلایا کرتے تھے، ایسی محبت سے پالا کہ والدہ صاحبہ کے رنج کو بھی بھلا دیا اور تربیت بھی بڑے اچھے مربیانہ طریقے سے کی، تراویح میں ختم قرآن کی جو مٹھائی مسجدوں میں تقسیم ہوتی اس میں کبھی شریک نہ ہونے دیتے، بلکہ اس روز خود بازار سے مٹھائی منگوا کر اس سے زیادہ کھلا دیتے، اور کہتے کہ مسجدوں میں مٹھائی لینے کے لیے جانا بے غیرتی کی بات ہے، اس خوبی کے ساتھ آپ کو حرص سے بچایا اور غیرت سکھائی، غرض حضرت کی ذہانت بچپن کی شوخیوں میں بھی نمایاں تھی، نئی نئی جدتیں سوجھتی تھیں۔

تعلیم وتربیت

آپ کی ابتدائی تعلیم میرٹھ میں ہوئی، فارسی کی ابتدائی کتابیں یہیں پڑھیں، حفظ کلام پاک حافظ حسین علی صاحب مرحوم دہلوی سے کیا، پھر تھانہ بھون آ کر حضرت مولانا فتح محمد صاحب تھانوی سے عربی کی ابتدائی اور فارسی کی متوسط کتابیں پڑھیں اور انتہائی کتب ابوالفضل تک، اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھی، جو فارسی ادب کے کامل استاذ تھے، اس کے بعد علوم دینیہ کی تحصیل وتکمیل کے لیے اواخر ذی قعدہ ۱۲۹۵ھ مطابق

99

نومبر ۱۸۷۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور بڑی محنت وجدوجہد اور جانفشانی سے تحصیل علم میں منہمک ومشغول ہو گئے، دیوبند میں آپ کے بعض اعزہ اور رشتہ دار بھی تھے؛ لیکن والد ماجد کی ہدایت کے مطابق زمانہ طالب علمی میں سب سے الگ تھلگ رہے، طلبہ سے بھی اختلاط نہ رکھتے تھے، مطالعہ کتب سے فرصت ملتی تو اپنے استاذ خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں پہنچ جاتے اور ان سے علمی استفادہ کرتے، انہیں کی زیر تربیت آپ نے افتاء کی مشق بھی کی، اس زمانہ میں حضرت تھانوی کو مناظرہ سے بھی دلچسپی تھی، چنانچہ آریوں کے مقابلہ میں کئی معرکے سر کئے، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب بھی آپ پر خصوصی شفقت فرماتے اور آپ کی محبت ومحنت اور صلاحیت کے پیش نظر حقائق ومعارف اور نکات ودقائق علمیہ کثرت سے بیان فرماتے تھے، حضرت تھانوی بھی خوب خوب استفادہ فرماتے، آپ کے متعلق حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے پیش گوئی فرمائی تھی، کہ ''جہاں جاؤ گے تم ہی تم نظر آؤ گے''۔

زمانہ طالب علمی میں جب آپ کو مرض خارش کے لاحق ہونے کی وجہ سے گھر جانا پڑا تو بطور مشغلہ ''مثنوی زیر وبم'' فارسی میں تصنیف فرمائی، اس وقت آپ کی عمر صرف اٹھارہ برس کی تھی، اس کی تمہید اس طرح شروع فرماتے ہیں، ''ہمی گوید گرفتار درد ونالہ ناداں ہشدہ[۱۸] سالہ الخ''۔

عربی کی پوری تکمیل دیوبند ہی میں فرمائی اور صرف ۱۹/ یا ۲۰/ سال ہی کی عمر میں ۱۳۰۱ھ (۱۸۸۴) میں فارغ التحصیل ہو گئے، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے دست مبارک سے آپ کی دستار بندی ہوئی۔

دارالعلوم کے اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہما کی خصوصی توجہات آپ کے اوپر مبذول رہیں۔

درس وتدریس

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آپ ماہ صفر ۱۳۰۱ھ میں کانپور کے مدرسہ ''فیض عام'' میں بمشاہرہ ۲۵؍روپیہ ماہوار تشریف لے گئے ،اور صدر مدرسی کے عہدہ پر فائز ہوئے ،۱۴؍سال تک کانپور میں درس وتدریس ،افتاء اور دعوت وتبلیغ کے کاموں میں مشغول رہے ،اس عرصہ میں وہاں کے مسلمانوں کو اپنے مواعظ حسنہ اور تصانیف مفیدہ سے بھی مستفیض فرماتے رہے، اس طویل عرصہ میں آپ کے دریائے علم سے ہزاروں افراد سیراب ہوئے جن میں حضرت مولانا اسحاق صاحب بردوانی ،مولانا محمد رشید صاحب کانپوری ،مولانا احمد علی صاحب فتحپوری ،مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی ،مولانا صادق الیقین صاحب کرسوی ،مولانا شاہ لطف رسول صاحب بارہ بنکوی ،مولانا حکیم محمد مصطفیٰ بجنوری ،مولانا فضل حق صاحب الہ آبادی ،مولانا سید محمد اسحاق صاحب علی کانپوری ، مولانا مظہر الحق صاحب چاٹگامی اور مولانا سعید احمد صاحب اٹاوی رحمہم اللہ رحمۃً واسعا خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

طرز تعلیم اور طریقہ تدریس

آپ کا طرز تعلیم اتنا نفیس، سلیس اور سہل تھا کہ جو طالب علم آپ سے دو چار سبق بھی پڑھ لیتا، پھر دوسرے استاذ سے اس کو تسلی نہ ہوتی تھی، آپ مشکل سے مشکل مسئلہ چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے، اس لیے بہت جلد طلبہ اور اساتذہ میں آپ کے علم وفضل اور عبقریت کا سکہ بیٹھ گیا، آپ کے طرز تعلیم کے اصول مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) استاذ کو محنت سے مطالعہ کر کے شاگرد کے سامنے سبق کو سہل ترین صورت میں پیش کرنا چاہئے۔

(۲) مشکل اور پیچیدہ مقام کو پہلے سہل ترین انداز میں شاگرد کو سمجھایا جائے ،بعد ازاں اس مقام کا تعارف شاگرد سے کرایا جائے اور اگر پہلے ہی یہ بتا دیا کہ یہ مقام اس کتاب کے مشکل ترین مقامات میں سے ہے، تو طالب علم نفسیاتی طور پر اس سے مرعوب ہو جائے گا اور پھر سمجھنے میں دقت ہوگی۔

(۳) طلباء کے سامنے محض اظہار قابلیت کی خاطر زائد از ضرورت تقریر کرنے کو سخت ناپسند فرماتے تھے۔

(۴) ہفتہ واری تقریروں اور مناظروں سے بھی حضرت کو شدید اختلاف تھا، فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ سے طلباء کی توجہ ہفتہ بھر ایک ہی موضوع تقریر ومناظرہ کی طرف لگی رہتی ہے اور اصل سبق میں اس سے شدید حرج واقع ہوتا ہے، اور فرماتے تھے، کہ جب کتابیں اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لی جائیں، تو پھر تقریر ومناظرہ سب کچھ آجاتا ہے۔

طلبہ کو خصوصی ہدایت

حضرت فرماتے تھے کہ طلباء تین باتوں کا التزام کرلیں، تو علمی استعداد پیدا ہوجائے گی۔

(الف) آئندہ سبق کا مطالعہ ضرور کریں، اور مطالعہ میں کتاب کا حل کرنا ضروری نہیں ، بلکہ معلومات اور مجہولات میں تمیز پیدا ہوجانی چاہئے۔

(ب) استاذ سے پڑھتے وقت بلا سمجھے ہوئے آگے نہ بڑھیں۔

(ج) جب سمجھ جائیں تو بعد میں ایک بار خود اسی مطلب کی تقریر کرلیں۔

حضرت فرماتے تھے کہ استعداد پیدا کرنے کے لیے یہ تین چیزیں تو واجب ہیں اور ایک چیز درجہ استحباب میں ہے اور وہ یہ کہ روز آنہ پچھلے پڑھے ہوئے حصہ میں سے کچھ حصہ کا مطالعہ کرلیا کریں۔

اصل درویشی اور علماء کی ضرورت

حضرت حکیم الامتؒ ہمیشہ اپنے آپ کو طالب علم ہی سمجھتے اور کہتے تھے، اور آپ قرآن کریم کو سیکھنے اور سکھانے ہی کو اصل درویشی گردانتے تھے، فرماتے کہ ”مجھے پیر جیوں والی درویشی نہیں آتی، میں تو ایک طالب علم ہوں، مجھ سے تو قرآن وحدیث کی باتیں پوچھی جائیں، مجھے تو سیدھا سادھا قرآن وحدیث ہی آتا ہے اور اسی کو اصل درویشی سمجھتا ہوں“۔

علماء کی ضرورت اور علماء کو انتظام دین کے قیام کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ ”صوفیا“ سے زیادہ ”علماء“ کی ضرورت ہے، کیونکہ انہی کی بدولت انتظام دین قائم ہے۔

لقائے بزرگاں ودعائے بزرگاں

حضرت حکیم الامتؒ کو بچپن ہی سے اہل اللہ، بزرگان دین اور علماء ومشائخ کرام سے بے حد محبت وعقیدت رہی ہے، اپنے زمانہ کے تمام ہی اکابر سے شرف ملاقات حاصل کیا اور ہر ایک سے دعاء، توجہ اور لطف وعنایت کے ذریعہ استفادہ باطنی کیا ہے، آپ فرماتے تھے کہ بزرگوں کے ناموں سے بھی روح میں تازگی اور قلب میں نور پیدا ہوتا ہے، واقعہ یہی ہے کہ اللہ کے نیک وصالح اور مقبول بندوں کے تذکرہ سے اللہ کی رحمت خاصہ نازل ہوتی ہے، مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں ”عند ذکر الصالحین تنزل الرحمة“ بزرگوں کے تذکروں کو اس قدر نافع اور مفید سمجھتے تھے کہ ایک ہزار حکایات کا مجموعہ مرتب کرا کر ”نزہۃ البساتین“ کے نام سے شائع کرایا، اسی طرح قصص الاکابر، ارواح ثلاثہ اور ”أماثل الأقوال والأحوال لأفاضل الرجال“ وغیرہ آپ کے ایماء سے شائع ہوئیں، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ”بزرگان دین اور اولیائے کرام، خدا ورسول کے

عاشق ہیں، اس لیے ممکن نہیں کہ ان کے حالات پڑھے جائیں اور قلب میں محبت الٰہی پیدا نہ ہو“۔

غرض حضرت کو ابتدا ہی سے بزرگان دین اور اکابر صالحین سے بے حد عقیدت ومحبت اور ان سے ربط وضبط رہا اور ان حضرات کی بھی آپ پر خاص عنایات وتوجہات شفقتیں اور محبتیں رہیں، آپ اکثر فرماتے تھے کہ ”نہ کبھی طالب علمی میں میں نے محنت کی نہ اس طریق (تصوف) میں کبھی مجاہدات وریاضات کئے، جو کچھ اللہ تعالی نے عطا فرمایا ہے سب اپنے حضرات اساتذہ ومشائخ کی دعاء وتوجہ اور میری طرف سے غایت درجہ ادب وعقیدت کا ثمرہ ہے، آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ ”الحمد للہ میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے کبھی کسی بزرگ کو ایک منٹ کے لیے بھی مکدر نہیں کیا“۔

زندہ کتابیں

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی نظر کتابوں پر زیادہ نہیں رہتی تھی، علوم ومعارف کے چشمے آپ کے اندر سے ابلتے رہتے تھے، ایک صاحب نے آپ سے دریافت کیا کہ حضرت آپ نے اس قدر کتابیں تحریر فرمائی ہیں، تو ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی؟ آپ نے جواب میں فرمایا، ہاں چند کتابیں دیکھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، ان کتابوں نے مجھے دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیا، ایک مرتبہ فرمایا کہ ”مجھے زیادہ کتب بینی کا ذوق نہیں ہوا کیوں کہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا، عمل کے لیے جتنے علم کی ضرورت ہے، اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتماد واعتقاد تھا، جو کچھ قرآن وسنت کی تعبیر میں انہوں نے فرمایا تھا، اس پر دل سے مطمئن تھا۔(۱)

(۱) مجالس حکیم الامت ۱۰۲۔

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں: کہ وہاں تو

صد کتاب وصد ورق درنار کن ☆ سینہ راازنورِ حق گلزار کن

کا گلزار کھلا رہتا تھا، اور حضرت فرمایا کرتے تھے کہ آج کل رسالوں کے باعث لوگوں میں کتب بینی کا مذاق بہت پھیل گیا ہے اور معمولی طالب علم بھی خوب خوب کتابیں پڑھنے لگے ہیں، لیکن نظر کی اس وسعت نے نظر کے عمق کو غارت کر دیا ہے، لوگوں کی نظریں پھیلی ہوئی تو بہت ملتی ہیں؛ لیکن گہری نہیں ہوتیں، صرف سطح پر رہتی ہیں، اپنے مضامین، مقالات میں حوالے تو خوب دیدیتے ہیں کہ فلاں کتاب کے فلاں صفحہ پر یوں لکھا ہے، لیکن فہم مسائل کی استعداد نہیں بڑھتی، سمندر سے موتی وہی نکال کر لا سکتے ہیں جو گہری غواصی کر سکتے ہوں، محض سطح سمندر پر دور دور تک تیرتے ہوئے چلے جانے سے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

بے غوطہ زنی لعل و گہر کس کو ملا ہے
بے سعی و جہد علم و ہنر کوکس کو ملا ہے

اگلے علماء مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم کے پاس کتابوں کا ذخیرہ بہت ہی کم تھا؛ لیکن نکتے کیسے کیسے ان حضرات نے پیدا کیے۔(۱)

نہ کتابوں سے، نہ وعظوں سے، نہ عقل وزر سے پیدا
علم ہوتا ہے اساتذہ کی نظروں سے پیدا

شرف بیعت واستفاضہ باطنی

ایک بار قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کسی ضرورت سے دیوبند تشریف لائے، تو حضرت حکیم الامت فرط اشتیاق سے مصافحہ کے لیے آگے بڑھے، شوق نے بے قابو کر دیا تھا، دارالعلوم کے مشہور ''نودرہ'' کی تعمیر چل رہی تھی، پڑی ہوئی اینٹوں پر سے

(۱) حکیم الامت نقوش وتأثرات صفحہ ۳۰۰۔

پاؤں بے اختیار پھسل پڑا، حضرت گنگوہی نے آپ کو تھام لیا، اگرچہ اس وقت بیعت اور اس کی حقیقت سے آپ ناآشنا تھے، مگر کشش اس درجہ بڑھی کہ آپ نے بیعت کی درخواست کر ہی دی، حضرت گنگوہی نے دوران تعلیم بیعت کو مناسب نہ سمجھا اور انکار فرمادیا، جب حضرت گنگوہی ۱۲۹۹ھ میں عازم حج ہوئے، تو آپ نے حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ ''آپ مولانا (گنگوہی) سے سفارش فرمادیں کہ مجھ کو بیعت کر لیں''، لیکن جواب میں حضرت حاجی صاحب نے خود ہی غائبانہ طور پر بیعت فرمالیا، اس وقت حضرت حکیم الامت کی عمر ۱۹ رسال تھی۔

حضرت حاجی صاحبؒ نے بیعت فرمالینے کے بعد آپ کے والد ماجد کو کہلا بھیجا کہ ''تم حج کو آؤ! اور جب آؤ تو اپنے لڑکے کو لیتے آؤ''، چنانچہ شوال ۱۳۰۱ھ میں جب کہ آپ کانپور میں درس وتدریس میں مشغول تھے، اپنے والد ماجد کی معیت میں سفر حج کے لیے تشریف لے گئے، حضرت حاجی جی کی خدمت میں حاضری ہوئی اور دست بدست نعمت بیعت سے سرفراز ہوئے، حج سے فراغت کے بعد حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ میاں اشرف علی تم میرے پاس چھ ماہ رہ جاؤ، لیکن حضرت حکیم الامت کے والد ماجد نے مفارقت گوارہ نہ کی، اس لیے حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہ ''والد کی اطاعت مقدم ہے، اس وقت چلے جاؤ پھر دیکھا جائے گا''۔

اجازت وخلافت

چنانچہ حضرت شیخ کے اس حکم اور خواہش کی تعمیل وتکمیل اگلے سفر حج میں کی، جب آپ ۱۳۱۰ھ میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور حاجی صاحب کی صحبت خاص کی اس نعمت بیش بہا سے مشرف ہوئے، جو عرصہ سے مرشد اور مسترشد کے دلوں میں ایک تمنا بن کر پرورش پا رہی تھی، ایک طرف حضرت حاجی صاحب کی قوت افاضہ اور دوسری طرف حضرت حکیم

الامت کی قابلیت استفادہ، بس تھوڑے ہی دنوں میں باہم اس درجہ مناسبت پیدا ہوگئی کہ حضرت حاجی صاحب یہ فرمانے لگے کہ ''بس تم میرے پورے طریق پر ہو'' اور چھ مہینے کے قلیل عرصہ ہی میں حضرت حاجی صاحب نے ہر طرح مطمئن ہو کر اور اپنے ذوق ومسلک سے ہم آہنگی کے آثار نمایاں دیکھ کر خلعت خلافت اور منصب رشد وہدایت سے سرفراز فرمایا اور خلق خدا کی رہنمائی کے لیے تعلیم وتلقین کی اجازت مرحمت فرمائی، اس کے بعد آپ حضرت حاجی صاحب کی اجازت سے ہندوستان تشریف لائے اور مدرسہ جامع العلوم کانپور میں آ کر پھر درس وتدریس، وعظ وارشاد اور تربیت باطنی کا سلسلہ شروع کر دیا، مکہ مکرمہ سے رخصتی کے وقت حضرت حاجی صاحب نے دو وصیتیں فرمائیں تھیں۔

(۱) دیکھو میاں اشرف علی ہندوستان پہنچ کر تم کو ایک حالت (باطنی) پیش آئے گی، عجلت مت کرنا، مجھے مطلع کرتے رہنا۔

(۲) کبھی ''کانپور'' کے تعلق سے دل برداشتہ ہو تو پھر دوسری جگہ تعلق نہ کرنا توکل بخدا ''تھانہ بھون'' جا کر بیٹھ جانا۔

چنانچہ کانپور میں ۱۴ر سال قیام کے بعد آپ وہاں سے دل برداشتہ ہوگئے اور ۱۳۱۵ھ میں حضرت حاجی صاحب کے ایماء ومنشاء سے مدرسہ کی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے اور اپنے وطن اور اپنے پیر ومرشد کی یادگار ''خانقاہ امدادیہ'' میں تشریف لے گئے اور تھانہ بھون میں مستقل سکونت اختیار فرمالی، حضرت حاجی صاحب کو جب اس کا علم ہوا تو انتہائی مسرت کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا۔

''بہتر ہوا کہ آپ تھانہ بھون تشریف لے آئے، امید ہے کہ آپ سے خلائق کثیرہ کو فائدہ ظاہری وباطنی ہوگا اور آپ ہمارے مدرسہ (امداد العلوم) ومسجد کو از سر نو آباد کریں، میں ہر وقت آپ کے حال میں دعا کرتا ہوں اور خیال رہتا ہے۔(۱)

(۱) مکتوبات امدادیہ ۲۶۔

خانقاہ امدادیہ

آپ خانقاہ امدادیہ میں مستقل سکونت اختیار فرما کر توکلاً علی اللہ اپنے بزرگوں کی مقدس مسند رشد وہدایت پر متمکن ہوگئے، اور اپنے مذاق فطری اور نصب العین کے موافق ایک ایسا مکمل ومنضبط لائحہ عمل تیار کیا، جس کے مطابق اپنے پیش نظر عظیم الشان دینی و اصلاحی خدمات کے سرانجام دینے میں مشغول ہوگئے، پھر انفرادی اصلاح اور تربیت باطنی کے کام کو بہت فروغ ہوا، اور یہ جگہ مریضان باطنی کے علاج کا مرکز بن گئی۔

وقت گزرتا رہا اور اس خانقاہ کی اہمیت اور خصوصیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ یہی خانقاہ ایک ایسا شہرۂ آفاق ہمہ گیر ادارہ بن گیا جو ایک ہی وقت میں دینی علوم وفنون کا ایک معیاری جامعہ بھی تھی، جہاں سے دین متین کے اہم اور وقیع مسائل کی تنقیح وتحقیق کا زبردست کام ہوا، اور یہی خانقاہ ایک بے مثال دینی درسگاہ بھی تھی، جہاں علوم قرآن وحدیث کے ساتھ ساتھ تہذیب اخلاق کی عملی تعلیم بھی دی جاتی تھی، یہ خانقاہ برصغیر کی ایک مستند ومعتبر دار الافتاء بھی تھی، جہاں سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کے مطابق مسلمانوں کے فقہی مسائل میں رہنمائی بھی ہوتی، اور اس خانقاہ سے بڑے بڑے جید علماء، عوام وخواص اور ہر طبقہ کے طالبین حق وسالکین طریق مختصر سی مدت میں تزکیۂ نفس، تربیت باطن اور تہذیب اخلاق سے آراستہ ہو کر حقیقت تصوف، احسان اور سلوک کا عرفان حاصل کر کے مشائخ طریقت بنے، اور اس شمع ضیاپاش سے اپنی اپنی بساط وقوت اخذ کے مطابق روشنی حاصل کر کے اور منصب رشد وہدایت پر فائز ہو کر ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے، جن کا فیضان روحانی اب تک جاری وساری ہے، اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی دلی تمنا اور پیش گوئی اس طرح پوری ہو کر رہی۔

میدہد یزداں مراد متقیں

تصنیفات وتالیفات

آپ کی تصانیف کی تعداد جن میں چھوٹے بڑے رسائل اور ضخیم کتابیں داخل ہیں، نوسو دس کے قریب ہیں، جن میں سے ۱۳؍ کتابیں عربی زبان میں تصنیف فرمائی اور باقی اردو میں، حضرت اپنی تصانیف میں ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے کہ جس طبقہ کے لیے کتاب لکھی جارہی ہے، انداز بیاں بھی اس کے مناسب ہو، اس کا اندازہ عوامی اور سہل کتابوں میں آپ کی مقبول عام اور نہایت عظیم النفع تالیف ''بہشتی زیور'' اور دوسری طرف علمی تصانیف میں ''بیان القرآن'' کو دیکھ کر ہوسکتا ہے۔

آپ کے تقریباً (۴۰۰) چارسو مواعظ بھی قلم بند ہوکر شائع ہو چکے، اوران کی اشاعت اپنی مقبولیت اورافادیت کے پیش نظر برابر جاری ہے۔

مواعظ کے علاوہ حضرت حکیم الامت کے افادات وعلوم کی اشاعت کا ایک بڑا ذریعہ ان کے روزمرہ کے ملفوظات ہیں جوتقریباً ساٹھ جلدوں پر مشتمل ہیں، ان میں سے ہرایک مجموعہ حضرت کی نظر سے گذار کر شائع کیا گیا۔

تصانیف کی ملکیت کا حق

کتابیں ہزاروں کی نہیں، لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئیں، کوئی دوسرا ہوتا تو لکھ پتی ہو جاتا، حضرت کی سیرچشمی وفیاضی، خلوص وللّٰہیت کی دلیل اس سے بڑھ کراور کیا ہوسکتی ہے کہ تصنیفات کی اس غیر معمولی مقبولیت کے باوصف آپ نے کبھی کسی کتاب کا حق اشاعت وطبع اپنے لیے محفوظ نہیں رکھا، ہر شخص کو ان کے چھاپنے اور طبع کرانے کا اذن عام تھا۔

اصلاح وتربیت

اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں حضرت حکیم الامتؒ کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ

آپ نے اپنے مواعظ وملفوظات اور عام مجالس میں عقائد وعبادات کی اہمیت کے ساتھ ساتھ اخلاق ومعاملات اور عملی زندگی کے کاروبار کی صحت پر بے حد زور دیا ہے اور لوگوں کو شیخ کامل کی رہنمائی میں خود اپنی اصلاح کی طرف خصوصیت سے متوجہ کیا ہے۔

آپ کے یہاں کیفیات، مکاشفات، منامات اور کرامات پر اتنا زور نہیں تھا جتنا کہ عقائد وعبادات، معاملات، معاشرت اور طریقت کی درستگی پر تھا، فرمایا کرتے تھے کہ ''بھائی میں تو اپنی مجلس کو بزرگوں کی مجلس نہیں بنانا چاہتا آدمیوں کی مجلس بنانا چاہتا ہوں'' اور فرماتے ''میں تو کہا کرتا ہوں کہ بزرگ بننا ہو، ولی بننا ہو، قطب بننا ہو تو کہیں اور جاؤ، اگر انسان بننا ہو تو میرے پاس آؤ'' اسی لیے فرماتے تھے کہ انسان بننا فرض ہے، بزرگ بننا فرض نہیں، اس لیے کہ انسان نہ بننے سے دوسروں کو تکلیف ہوگی اور بزرگ نہ بننے سے اپنے ہی کو تکلیف ہوگی۔

تزکیۂ نفس اور ترقیٔ باطن

آپ چاروں سلسلوں چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور قادریہ میں بیعت فرماتے تھے، مگر اس کے ساتھ ہی بیعت کو لازم اور ضروری خیال نہ فرماتے، بلکہ طالب کے ذہن میں اول ہی مرحلہ میں یہ بات ذہن نشیں کرادیتے کہ تزکیہ نفس اور ترقی باطن بیعت پر موقوف ہے، نہ اوراد ووظائف پر، بلکہ اصل شئ جس سے معرفت، تقوی، شرافت نفس حاصل ہوتی ہے اور تعلق مع اللہ پیدا ہوتا ہے، وہ صرف ظاہر وباطن کے اوامر ونواہی پر عمل اور اتباع سنت ہی پر ہے، جو ہر شخص پر فرض وواجب ہے اور یہی حاصل تصوف وسلوک ہے۔

تہذیب اخلاق

آپ بہت اہتمام سے تاکید فرماتے تھے کہ حقوق العباد کا ادا کرنا اور اوراد ووظائف سے

بدرجہا زیادہ ضروری ہے ، اس کے ترک سے مواخذہ ہوگا اورترک وظائف سے کچھ
مواخذہ نہ ہوگا ، یہ تو مستحب ہے،لوگ ضروری کام چھوڑ کر غیرضروری اختیار کرتے ہیں ،
اسی لیے حضرت کے یہاں سب سے زیادہ اہتمام تہذیب اخلاق ودیانت پر تھا ، آپ
فرماتے تھے کہ ''میری تعلیم وتربیت کا سارامداراسی پر ہے، میں طریق میں تہذیب اخلاق
کوسب سے زیادہ مقدم سمجھتا ہوں'' چنانچہ جب اخلاق درست ہوجاتے ہیں تو اعمال خود
بخود درست ہوجاتے ہیں،اور جب تک اصلاح اعمال واخلاق نہ ہو،اس وقت تک ذکر
واذکار سے کوئی نفع نہیں ہوتا،اس لیے کہ اخلاق واعمال کی خرابی ایسا حجاب ہے جوان کے
اثرات وانوار کوروح میں سرایت کرنے سے روک دیتا ہے۔

تعلیم وتربیت کے بنیادی اصول

حضرت کے ضابطۂ تعلیم وتربیت میں چند خاص بنیادی اصول تھے، جن کی فہم پیدا
ہوجانے سے طریق میں کوئی گنجلک، پیچیدگی یا ابہام باقی نہ رہتا تھا مثلاً:

(۱) مطالبات دین کو مفاد دنیا پر غالب رکھنا۔
(۲) ہراختیاری امور میں کوتاہی نہ کرنا۔
(۳) غیراختیاری امور کے درپے نہ ہونا۔
(۴) سالک کو تجویز ترک کرنا۔
(۵) تفویض کو اختیار کرنا۔
(۶) مقصود شرعیہ کو پیش نظر رکھنا۔
(۷) غیر مقصود کی طرف التفات نہ کرنا۔
(۸) کیفیات باطنہ کو محمود سمجھنا مقصود نہ سمجھنا۔
(۹) طبعی امور سے مغلوب نہ ہونا۔

(۱۰) بلکہ عقل کے فتوی پر عمل کرنا۔
(۱۱) ہمیشہ عقل کو شریعت کا تابع رکھنا۔

تصوف کی حقیقت

شریعت وتصوف کوخودغرض اورنام نہاد پیروں نے الگ الگ بتا کر مخلوق خدا کوگمراہ
کر کے شرک وبدعات کی رسوم میں گرفتار کررکھا تھا، حضرت تھانوی نے اس طلسم کا پردہ
چاک کیا اور شریعت وتصوف کی حقیقت سے امت کو پھر آگاہ کیا اور واشگاف الفاظ میں
امت کو بتلایا کہ ''تصوف شریعت سے جدا کوئی چیز نہیں؛ بلکہ شریعت ہی کا جزو ہے ،
شریعت کے دو حصے ہیں : ایک احکام ظاہر، اس کو شریعت کہتے ہیں، اور دوسرے احکام
باطن، اس کو طریقت اور تصوف کہتے ہیں ، جو کام یا جو چیز خدا اور رسول کے احکام کے
خلاف ہو وہ یا تو کفر ہے یا الحاد وزندقہ یا شرک وبدعت .تصوف ،طریقت یا شریعت سے
اس کا کوئی تعلق نہیں۔

انضباط اوقات اوراصول وضوابط کی پابندی

حضرت حکیم الامتؒ نہایت منتظم المزاج اوراصول وضوابط کے پابند تھے، وقت کے
لمحات ضائع نہیں ہونے پاتے تھے ، کھانے پینے ،سونے جاگنے اوراٹھنے بیٹھنے کے تمام
اوقات مقرر تھے، جن پر سختی سے عمل فرماتے تھے، اللہ تعالی نے وقت میں برکت بھی بڑی
عطا فرمائی تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے انضباط اوقات کا بچپن ہی سے بہت اہتمام ہے، جو
اس وقت سے لے کر اب تک بدستور موجود ہے، اور یہ اسی کی برکت ہے کہ اللہ تعالی نے
اس قدر دینی کام مجھ سے لے لیا ہے، میں ایک لمحہ بھی بے کار رہنا برداشت نہیں کرتا ،
میرے استاذ حضرت مولانا محمود الحسنؒ صاحب دیوبندی ایک بار تھانہ بھون تشریف لائے ،

میں نے ان کے قیام اورراحت رسانی کے تمام ضروری انتظامات کیے ، جب تصنیف
کاوقت آیا تو باادب عرض کیا کہ حضرت میں اس وقت کچھ لکھا کرتا ہوں ،اگر حضرت
اجازت دیں تو کچھ دیر لکھ کر پھر حاضر ہوجاؤں ، گومیرا دل اس روز کچھ لکھنے میں
لگانہیں؛لیکن ناغہ نہ ہونے دیا، کہ بے برکتی نہ ہو،تھوڑا سا لکھ کر جلد ہی حاضر خدمت ہوگیا،
حضرت کوتعجب بھی ہوا کہ اس قدر جلد آگئے ،عرض کیا،حضرت چندسطریں لکھ لیں معمول
پوراہوگیا۔

مولاناعبدالماجد دریابادیؒ فرماتے ہیں کہ ”ہرکام اپنے وقت پر ہر چیز اپنی مقررہ جگہ پر،
کھانے پینے ، چلنے ،اٹھنے ، بیٹھنے سب کے ضابطے ،سب کے آداب ، ہر گفتگو ایک مقصد
لیے ہوئے ، بے مقصد گفتگو جیسے جانتے ہی نہ تھے ،زبان پر اتنا قابو، میں نے کسی بزرگ کا
نہ پایا، اورادووظائف پر جو زور دوسرے آستانوں پر رہتا ہے اس کا یہاں کام ہی نہ
تھا،رسوم سے اجتناب ، نمائشی تکلفات سے احتراز ،بس اپنے کام سے کام ، دوسروں کو
زحمت سے بچانے کا کامل اہتمام ، بندوں کی خدمت عبادت کے درجہ میں ،بس یہی
خصوصیات مجلس اشرفی کی دیکھنے میں آتیں“۔

اسوۂ حسنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

تعلیمات نبوت کی تجدید فرمانے والے اور ایک مجدد ملت کا منصب رکھنے والے کی یہی
شان ہونی چاہئے کہ اس کی زندگی کا ہر انداز ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ“ (۱) (تمہارے لیے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ وآئیڈیل
ہے) کا پورا مصداق ہو، کیونکہ جب وہ مسلمانوں کو احیاء سنت کی تعلیم وتبلیغ کر رہا ہو،تو
خود بھی اس کی ساری زندگی اسی تعلیم کا عملی نمونہ ہونا چاہئے ،اس کے تمام عادات

(۱) سورۃ الاحزاب آیت ۲۱۔

ومعاملات اوراخلاقیات معاشرت قدم بہ قدم اتباع سنت ہی کی صراط مستقیم پر ہوں ،
اللہ تعالی نے حضرت حکیم الامت کی فطرت سلیمہ ہی میں متابعت سنت کی صلاحیت
ودیعت فرمائی تھی ،حضرت والا کا تمام ضابطہ حیات اور انداز زندگانی اسی سے مرتب
نظر آتا ہے، اور یہ چیز آپ کے تمام کارناموں، اشاعت وتبلیغ دین اور انداز تعلیم
وتربیت باطن میں ہر طرف نمایاں نظر آتی ہے۔

حضرت نے اپنے تمام ظاہری وباطنی اعمال کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ
میں اس طرح ڈھال لیا تھا کہ ایک شان محبوبیت پیدا ہوگئی تھی۔

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اہتمام اتباع سنت

ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ مجھے ایک دن خیال آیا کہ ہم لوگ اتباع سنت کا بہت ذکر
کرتے ہیں،مگر اس کا کچھ حصہ ہمارے اعمال میں ہے بھی کہ نہیں؟ چنانچہ میں نے تین دن
تک صبح سے رات تک کے اپنے تمام اعمال کا بغور جائزہ لیا، دیکھنا یہ تھا کہ کتنی اتباع سنت
ہم لوگ عادۃً کرتے ہیں اور کتنی اتباع کی توفیق علم حاصل ہونے کے بعد ہوئی ، انہی
باتوں میں اب تک محرومی ہے، چنانچہ تین دن تک تمام امور زندگی کا جائزہ لینے سے لائحہ
عمل صاف ہوگیا،الحمدللہ علی ذلک۔

اس جائزہ کے بعد حضرت نے ایک وعظ فرمایا جس کا نام ”الغالب غالب“ ہے،اس
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اعمال اور ارشادات کا ذکر ہے،جن کے اتباع کے لیے
ہم کو حکم دیا گیا ہے، یا جن کا تعلق ادائے حق محبت سے ہے،اس میں حضرت والا نے اپنی
کتاب ”حیوۃ المسلمین“ کی روح ہشتم کی طرف توجہ دلائی ہے،جس میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کے اسوۂ حسنہ کا ذکر ہے، حضرت والا نے اس کو مطالعہ میں رکھنے کی بہت تاکید کی ہے، اور فرمایا کہ مجھے یقین ہے کہ اس کے مطالعہ سے ضرور نفع ہوگا، انشاء اللہ تعالی ضرور نفع ہوگا۔

''حیات المسلمین'' کو اپنے لیے سرمایہ نجات سمجھتے تھے، فرماتے کہ ''میرا غالب گمان ہے کہ اس میں میری نجات ہو جائے گی، اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور تمام عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں''۔

حقیت یہ ہے کہ اتباع سنت ہی میں ہمارے لیے حیات طیبہ ہے، اور دین و دنیا کی فلاح ہے، اور خود اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے اپنے پاک کلام میں اس کا اعلان فرمایا ہے، کہ جو بھی میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع اپنے امور زندگی میں کرے گا، اللہ تعالی خود اس سے محبت فرمائیں گے، ایک بندۂ عاجز کے لیے اس سے بڑا احسان وانعام الہی اور کیا ہوسکتا ہے:

جب ان کو اعتراف محبت ہے عارفی ۞ کیا اس سے بڑھ کر اور تمنا کرے کوئی

عادات طیبہ

حضرت کو ابتدائے عمر ہی سے پاک وصاف رہنے اور ہر کام وقت پر سلیقہ مندی کے ساتھ کرنے کا اہتمام رہا، اور آپ کو ہمیشہ اس کا خیال رہا کہ میری وجہ سے کبھی کسی کو کوئی ناگواری یا میری بات ناگوار خاطر نہ ہو، اکثر وبیشتر شروع ہی سے اپنے حالات واعمال کا جائزہ لیتے رہنے کی عادت تھی، اہل تعلقات سے ان کے فرق مراتب کے ساتھ آپ نے جو بھی معاملہ رکھا، ماشاء اللہ عمر بھر اس کو اسی طرح نبھایا، آپ روپیہ کو کبھی بائیں ہاتھ سے نہیں لیتے، اور کبھی جوتا وغیرہ داہنے ہاتھ میں نہ لیتے تھے، بیت الخلاء میں کبھی ننگے سر نہیں گئے، جب راستہ پر چلتے تو اچھا راستہ دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے، اس معاملہ میں مویشیوں تک کی بھی رعایت فرماتے تھے، کسی کا راستہ میں معتقدانہ انداز میں پیچھے چلنا

پسند نہ فرماتے تھے، فرماتے کہ چلنا ہو تو برابر رہ کر چلو ورنہ فاصلہ سے چلو!

آپ کی عادت تھی کہ اول تو حتی الوسع کسی کی چیز عاریتاً نہیں لیتے تھے اور اگر کبھی کسی مجبوری سے کوئی چیز لینی پڑتی تو فراغت کے بعد اس کو فوراً ہی پہنچا دیتے تاکہ قلب مطمئن ہوجائے، اکثر لوگ اس سے غافل ہیں، حالانکہ احادیث کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اخلاق کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی کو دوسرے سے تکلیف نہ پہنچے ''المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ'' (۱) یعنی پکا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں۔

طبعی ومزاجی کیفیت

خوبی ہمیں کرشمۂ او ناز خرام نیست ۞ بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

مزاج مبارک میں اس قدر سادگی اور بے تکلفی تھی کہ عام نظر میں کوئی بھی خصوصی بات مابہ الامتیاز معلوم نہ ہوتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امور شرعیہ اور اعمال سنت حضرت کے امور عادیہ بن گئے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نہایت لطیف مزاج اور نازک طبع تھے، کوئی بات بھی حد اعتدال سے ہٹی ہوئی نہ خود اپنے لیے اور نہ دوسروں کے لیے پسند تھی، کسی شخص کو جس کا کوئی کام آپ سے متعلق ہوتا، کبھی دیر تک منتظر نہیں رکھتے، اولین وقت پر اس کو اس سے فارغ کر دیتے، اسی طرح خود کو بھی کسی کام کے لیے منتظر رہنا برداشت نہیں ہوتا، چاہتے تھے کہ جس کے ذمہ جو کام ہے وہ اس کو انجام دے کر فوراً مطلع کر دے۔

چھوٹے بچوں سے آپ کو بہت دلچسپی تھی، کبھی کبھی بچوں کے ساتھ بڑی خوش طبعی اور مزاح فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ اطباء نے مقویات ومفرحات کی بڑی فہرست لکھی ہے، لیکن دو چیزیں چھوڑ دیں، ایک تو روپیہ جو مقویات میں بڑا درجہ رکھتا ہے

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان حدیث ۹۔

اور دوسرے چھوٹے بچے جو مفرحات میں بڑا اثر رکھتے ہیں۔

تبرکات حاصل کرنے کے معاملہ میں، آپ خاص احباب سے بھی غلو کرنے سے منع فرماتے تھے، اپنے احباب اور اعزہ سے آپ بہت کم کسی چیز کی فرمائش کرتے تھے، اور اگر کسی ضرورت کی چیز کی فرمائش کرتے تو شرط کر لیتے تھے، کہ اس کی قیمت ان کو قبول کرنا پڑے گی، متعلقین اور احباب کی معمولی غلطیوں اور فروگذاشتوں سے اکثر چشم پوشی فرما لیتے تھے۔

فضولیات سے انقباض

حضرت تھانویؒ قیمتی سامان اپنے استعمال میں رکھنا پسند نہ فرماتے تھے، بہت سادہ اور مختصر سامان اپنی ضروریات کے لیے استعمال فرماتے تھے، ضرورت سے زیادہ اپنے پاس کوئی چیز نہ رکھتے تھے، اگر کسی نے ایسا ہدیہ پیش کیا جو حضرت کی ضرورت کا نہ ہو، خواہ استعمال کی چیز ہو خواہ کھانے پینے کی ہو، تو احباب سے اس کا ہدیہ قبول فرما لیتے تھے، لیکن اس چیز کو اپنے خاص متعلقین کے ہاتھ بہت ہی معمولی قیمت پر فروخت فرما دیتے تھے، یا یوں ہی دیدیتے تھے، اس سے حضرت کی شان تربیت بھی ظاہر ہوتی ہے، کہ ہدیہ دینے والے کو سبق ہو جائے، فرماتے تھے کہ سب سے ہلکا پھلکا اور راحت وفراغت قلب کا ہدیہ تو نقد رقم کا ہدیہ ہے، یہ ہر ضرورت مطلوبہ میں کام آ سکتا ہے، فرماتے کہ خدا جانتا ہے مجھے ذرا سی بات بھی جو فضول ہو، اس سے نہایت انقباض ہوتا ہے، بلکہ ہنسی مذاق یہاں تک کہ فحش تک سے بھی، چاہے وہ عقلاً منکر ہو؛ لیکن اس سے انقباض نہیں ہوتا اور پھر سب فضول باتوں میں بھی اتنی ناگواری نہیں ہوتی جتنی ان فضولیات میں جن کو کہنے والا خود بھی سمجھے کہ یہ فضولیات ہیں، یہ بھی فرماتے کہ بچپن ہی سے میرا دماغ اس بات کا عادی ہے کہ کوئی معمولی سے معمولی بات بھی ہو، اگر ترتیب کے ساتھ نہ ہو تو میری سمجھ میں نہیں آتی، نہ خود الجھی ہوئی تقریر کروں اور نہ دوسروں کی الجھی ہوئی تقریر سمجھوں، فطرتاً میرا دماغ کچھ

ایسا ہی ہے، آپ کی ایک عادت یہ تھی کہ کسی مضمون کے سمجھنے میں زیادہ تعب نہیں اٹھاتے تھے، بس جو سرسری توجہ سے سمجھ میں آ گیا آ گیا، ورنہ چھوڑ دیتے، زیادہ کاوش نہ فرماتے تھے، اس پر آپ کا عمل تھا، کہ "اذالم تستطع شیئا فدعه" یعنی جس چیز کی آپ میں استطاعت نہیں اس کو چھوڑ دو، نیز دشوار طریق کو چھوڑ کر سہل طریق اختیار کرنے میں اس حدیث پر عمل فرماتے تھے "ما خیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بین أمرین الا أخذ ایسرھما" (۱) یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم دو چیزوں میں سے جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے تھے۔

وفات

وفات سے تقریباً پانچ برس پہلے ۷۷/سال کی عمر میں علالت شروع ہوئی، جو بتدریج بڑھتی گئی، اتباع سنت میں علاج جاری رہا؛ لیکن علالت زور پکڑتی گئی، علامہ سید سلیمان ندویؒ آپ کی علالت ووفات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں "محفل دوشیں کا وہ چراغ سحر جو کئی سال سے ضعف ومرض کے جھونکوں سے بجھ بجھ کر سنبھل جاتا تھا، بالآخر ۸۲/سال ۳/ماہ اور دس روز جل کر ۱۷/رجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰/جولائی ۱۹۴۳ء کی شب کو ہمیشہ کے لیے بجھ گیا۔ انااللہ وانا اللہ راجعون۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

حضرت حکیم الامتؒ کی چند وصیتیں اور مشورے

(۱) میں اپنے دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ

(۱) صحیح بخاری کتاب المناقب حدیث ۳۲۹۶۔

کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے، خواہ بذریعہ کتاب ہو، یا بذریعہ صحبت، بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ سے حفاظت ہو سکے ،جن کی آجکل بے حد کثرت ہے، اس میں ہرگز غفلت وکوتاہی نہ کریں۔

(۲) طالب علموں کو وصیت کرتا ہوں کہ نرے درس وتدریس پر مغرور نہ ہوں، اس کا کارآمد ہونا موقوف ہے، اہل اللہ کی خدمت وصحبت ونظر عنایت پر، اس کا التزام نہایت اہتمام سے رکھیں ؎

بے عنایات حق و خاصان حق
گر ملک باشد سیہ ہستش ورق

(۳) دینی یا دنیوی مضرتوں پر نظر کر کے ان امور سے خصوصیت کے ساتھ احتیاط رکھنے کا مشورہ دیتا ہوں۔

۱- شہوت وغضب کے مقتضا پر عمل نہ کریں۔

۲- تعجیل نہایت بری چیز ہے۔

۳- بے مشورہ کوئی کام نہ کریں۔

۴- غیبت قطعاً چھوڑ دیں۔

۵- کثرت کلام اگرچہ مباح کے ساتھ ہو، اور کثرت اختلاط خلق بلاضرورت شدیدہ و بلا مصلحت مطلوبہ اور خصوصاً جب کہ ہر کس وناکس کو راز دار بھی بنالیا جائے، نہایت مضر چیز ہے۔

۶- بدون پوری رغبت کے کھانا ہرگز نہ کھائیں۔

۷- بدون سخت تقاضہ کے بیوی کے ساتھ ہمبستر نہ ہوں۔

۸- بدون سخت حاجت کے قرض نہ لیں۔

۹- فضول خرچی کے پاس نہ جائیں۔

۱۰- غیر ضروری سامان جمع نہ کریں۔

۱۱- سخت مزاجی وتندخوئی کی عادت نہ کریں۔

۱۲- رفق اور ضبط وتحمل کو اپنا شعار بنائیں۔

۱۳- زیادہ تکلف سے بچیں، اقوال وافعال میں بھی اور طعام ولباس میں بھی۔

۱۴- مقتداء کو چاہئے کہ امراء سے بدخلقی نہ کرے، اور نہ زیادہ اختلاط کرے اور نہ ان کو حتی الامکان مقصود بناوے بالخصوص دنیوی نفع حاصل کرنے کے لیے۔

۱۵- معاملات کی صفائی کو دیانات سے بھی زیادہ مہتم بالشان سمجھیں۔

۱۶- روایات وحکایات میں بے انتہاء احتیاط کریں، اس میں بڑے بڑے دیندار اور فہیم لوگ بے احتیاطی کرتے ہیں، خواہ سمجھنے میں یا نقل کرنے میں۔

۱۷- بلاضرورت بالکلیہ اور بلا اجازت وتجویز طبیب حاذق شفیق کے کسی قسم کی دوا ہرگز استعمال نہ کریں۔

۱۸- زبان کی غایت درجہ ہر قسم کی معصیت ولایعنی سے احتیاط رکھیں۔

۱۹- حق پرست رہیں اپنے قول پر جمود نہ کریں۔

۲۰- غیر ضروری تعلقات نہ بڑھائیں۔

۲۱- کسی کے دنیوی معاملہ میں دخل نہ دیں۔

(۴) میں اپنے تمام منتسبین سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر شخص اپنی عمر بھر یاد کر کے، ہر روز سورہ یٰسین شریف یا تین بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر مجھ کو بخش دیا کرے، مگر کوئی امر خلاف سنت، بدعات عوام وخواص میں سے نہ کریں۔

(۵) حتی الامکان دنیا ومافیہا سے جی نہ لگائیں، اور کسی وقت فکر آخرت سے غافل نہ ہوں، ہمیشہ ایسی حالت میں رہیں کہ اگر اسی وقت پیام اجل آجائے تو کوئی فکر اس تمنا کا مقتضی نہ ہو" لولاأخرتني إلى أجل قريب فأصدق وأكن من

الصّالحین" (۱) (یعنی اے اللہ تو مجھے تھوڑی سی مہلت دیدے تاکہ میں خوب صدقہ کروں، اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں) اور ہر وقت یہ سمجھیں۔

شاید ہمیں نفس نفس واپسیں بود

اور علی الدوام دن کے گناہوں سے قبل رات کے اور رات کے گناہوں سے قبل دن کے استغفار کرتے رہا کریں اور حتی الوسع حقوق العباد سے سبکدوش رہیں۔

(۶) خاتمہ بالخیر ہونے کو تمام نعمتوں سے افضل واکمل اعتقاد رکھیں، اور ہمیشہ خصوصاً بعد پانچوں نمازوں کے نہایت لجاجت وتضرع سے اس کی دعا کیا کریں اور ایمان کے حاصل ہونے پر شکر کیا کریں کہ حسب وعدہ "لئن شکرتم لأزیدنّکم" (۲) (یعنی اگر تم شکر گذاری کروگے تو میں اور زیادہ کروں گا) یہ بھی اعظم اسباب ختم بالخیر سے ہے، اور اسی کے ساتھ میں اپنے لیے بھی اس دعاء کے لیے درخواست کرکے اس مضمون کو ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالی میرا بھی ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین

(۱) سورۃ المنافقون آیت ۱۰۔

(۲) سورۂ ابراہیم آیت ۷۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلویؒ ☆

ولادت: ۱۳۰۳ھ مطابق ۱۸۸۶ء - وفات: ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء

ولادت، بچپن اور ابتدائی تعلیم

مولانا محمد الیاس صاحب کی ولادت ۱۳۰۳ھ میں کاندھلہ میں ہوئی، الیاس اختر تاریخی نام ہے، آپ کا بچپن اپنے ننہال کاندھلہ میں اور اپنے والد صاحب مرحوم کے پاس نظام الدین میں گذرا۔

خاندان کے دوسرے عزیز بچوں کی طرح آپ بھی قرآن شریف اور مکتب کی ابتدائی تعلیم حاصل کرتے رہے اور خاندانی دستور کے مطابق قرآن شریف حفظ کرلیا، پارہ سوا پارہ کاندھلہ کے حافظ منگتو صاحب کے پاس پڑھا، باقی قرآن مجید والد صاحب سے نظام الدین میں حفظ کیا، جس کا خاندان میں عام رواج تھا، اور شاذ و نادر ہی کوئی غیر حافظ ہوتا تھا۔

قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد ابتدائی کتابیں اپنے والد بزرگوار اور مولانا حکیم محمد ابراہیم صاحب سے پڑھیں، نظام الدین کے قیام میں والد صاحب سے پڑھتے تھے، فارسی اور ابتدائی عربی کی کتابیں اسی طرح پڑھیں؛ لیکن اس طرح تعلیم کا صحیح نظام اور باقاعدگی نہ ہوتی تھی اور کافی حرج ہوتا تھا۔

مولانا کی نانی "امی بی" مولانا پر بہت شفیق تھیں، فرمایا کرتی تھیں کہ اختر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے، کبھی پیٹھ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر فرماتیں، کیا بات ہے کہ تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔ (۱)

☆ یہ مضمون ۱۹۹۸ء میں "سیرت مولانا یحیٰی کاندھلوی" کے لیے لکھا تھا، یہاں کتاب مذکور سے ہی ماخوذ ہے۔

(۱) مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت صفحہ ۵۱

گنگوہ کا قیام

مولانا محمد یحییٰ صاحب (۱) نے والد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی کی تعلیم معقول نہیں ہو رہی ہے، میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے جاتا ہوں، والد صاحب نے اجازت دے دی اور آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا شروع ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آ گئے اور بھائی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

گنگوہ اس وقت صلحاء وفضلاء کا مرکز تھا، ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا الیاس صاحب کو شب و روز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجلسوں کو جو دخل ہے، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا، انسان کی زندگی میں مقام و ماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہو سکتا ہے، مولانا محمد الیاس صاحب کا وہ زمانہ گنگوہ میں گذرا، جب گنگوہ آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے، جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہی نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گذرا۔ (۲)

مولانا محمد یحییٰ صاحب کامل استاذ اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو، مولانا محمد الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہی کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کر دیتے اور کہتے کہ اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو۔ (۳)

(۱) مولانا محمد الیاس کے منجھلے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب شوال ۱۳۱۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں گنگوہ چلے گئے اور وہیں قیام اختیار کیا۔

(۲) شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب۔ (۳) مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت صفحہ ۵۴۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کا دستور تھا کہ وہ سارا زور مطالعہ پر دیتے تھے، اور اس طرح مطالعہ کراتے تھے کہ کوئی خلجان اور کوئی بات بے سمجھی نہ رہے، پھر درس کے وقت اس کو اس طرح سنتے کہ گویا پڑھا ہوا سبق سنا رہا ہے، بیشتر ایسا ہوتا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا مطالعہ سن کر جب اطمینان ہو جاتا تو فرما دیتے، جاؤ ساتھیوں کو کھلوا دو، اور مولانا محمد الیاس صاحب وہ سبق ساتھیوں اور ہم سبقوں کو پڑھا دیتے، نیز نیچے کی جماعتوں کے اسباق بھی بیشتر اوپر کی جماعتوں سے پڑھوایا کرتے تھے، اس طرح پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کی صلاحیت بھی پیدا ہو جاتی، اور قابلیت اور استعداد ہر طرح سے تام ہو جاتی تھی، چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت استاد کی نگرانی میں تمام کتابوں کو بار بار پڑھایا۔ (۱)

حضرت گنگوہی سے بیعت و تعلق

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت و تکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی، مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے غیر معمولی حالات کی بناء پر ان کی خواہش اور درخواست پر بیعت کر لیا، مولانا کی فطرت میں شروع سے محبت کی چنگاری تھی، آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہو گیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی، فرماتے تھے کہ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کے لیے جاتا، زیارت کر کے پھر آ کر سو جاتا، حضرت گنگوہی کو بھی آپ کے حال پر ایسی ہی شفقت تھی، کہ خلوت کے وقت بھی آپ کو اجازت تھی۔

حضرت مولانا الیاس صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ محسوس ہوتا تھا، حضرت گنگوہی سے کہا تو حضرت تھرّا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی یہی شکایت حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے فرمائی، تو حاجی

(۱) حالات مشائخ کاندھلہ صفحہ ۲۰۵/۲۰۶

صاحب نے فرمایا ''اللہ آپ سے کوئی کام لے گا''۔(۱)

حدیث کی تکمیل

حدیث کی ابتدائی تعلیم اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے گنگوہ میں حاصل کی، پھر ۱۳۲۶ھ میں حدیث کی تکمیل کے لیے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کے حلقۂ درس میں دیوبند جا کر شریک ہوگئے، اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی۔(۲)

دیوبند کی شرکت درس کے کئی سال بعد چار مہینے میں آپ نے اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے پھر حدیث کا دورہ کیا۔(۳)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سے رجوع اور تکمیل سلوک

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی وفات کے بعد آپ نے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الہند نے مولانا خلیل احمد صاحب سے

(۱) حالات مشائخ کاندھلہ صفحہ ۲۰۶ (۲) روایت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی (جو مولانا کے رفیق درس ہیں)

(۳) اس کی دلچسپ تاریخ جو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے سنائی، یہ ہے کہ ایک سرحدی عالم مولوی شیر محمد نامی مولانا ماجد علی صاحب وغیرہ سے معقولات کی تکمیل کر کے وطن گئے تھے، وہاں عین ان کی شادی کے روز کسی طالب علم نے ان سے ابن ماجہ پڑھنے کی درخواست کی، انہوں نے شرمندگی سے کہا کہ بھائی میں نے سارا وقت معقولات کی تحصیل میں صرف کیا، اور حدیث کی تعلیم بالکل حاصل نہیں کی، البتہ حدیث کا ایک استاذ (مولانا محمد یحییٰ صاحب) دیکھ کر آیا ہوں، اب واپس جا کر ان سے پڑھ کر آؤں تو تم کو پڑھاؤں، بیوی سے انھوں نے چار مہینے کا وعدہ کیا، اور گنگوہ روانہ ہوگئے، یہاں آ کر انہوں نے مولانا محمد یحییٰ صاحب سے پڑھنا شروع کیا، مولانا محمد الیاس صاحب ان کے رفیق درس تھے، عبارت بھی اکثر مولانا محمد یحییٰ صاحب اور مولانا محمد الیاس صاحب پڑھتے تھے، یہ دورہ آج کل کے دورۂ حدیث کی طرح محض عبارت خوانی نہ تھی بلکہ مطالب و معانی کو سمجھ کر پڑھتے تھے اور اس قدر محفوظ تھے کہ حضرت مولانا (بقیہ پچھلے صفحہ کا) محمد الیاس صاحب درس حدیث کے وقت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ بھائی نے اس حدیث کے یہ معنی بتائے تھے (از احتشام) رات بھر درس ہوتا تھا اور حضرات تو دن کو سوتے مگر ولایتی مولوی صاحب کو بہت کم سوتا دیکھا گیا، مطالعہ کے انہاک و استغراق کا حال یہ تھا کہ کھانا لانے والے سے کہہ دیا تھا کہ روٹی رکھ جایا کرو اور سالن لیجایا کرو، مولوی صاحب کتاب کا مطالعہ کرتے جاتے اور روٹی کا لقمہ توڑ کر منہ میں رکھ لیتے۔

رجوع کا مشورہ دیا۔

چنانچہ آپ نے مولانا خلیل احمد سہارنپوری سے اپنا تعلق قائم کرلیا، اور آپ کی نگرانی و رہنمائی میں منازل سلوک طے کئے اور نیابت و خلافت سے سرافراز ہوئے، گنگوہ کے قیام کے دوران میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد زیادہ سکوت و مراقبہ طاری رہتا تھا، شاید سارے دن میں کوئی ایک بات کرتے ہوں، اکثر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے روضہ کے پیچھے بوریہ بچھا کر بیٹھ جاتے اور دیر تک خاموش بیٹھے رہتے، اور بعد مغرب عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے، اس وقت حضرت مولانا کی عمر ۲۰/۲۲ سال کی تھی۔(۱)

مظاہر علوم میں خدمت تدریس

شوال ۱۳۲۸ھ میں سہارنپور سے ایک بڑا قافلہ حج کو روانہ ہوا جس میں مدرسہ مظاہر علوم کے اکثر بڑے بڑے حضرات مدرسین تھے، اس موقع پر متعدد نئے اساتذہ کا تقرر ہوا، اس سلسلہ میں مولانا نئے مدرسین میں شامل ہوئے اور متوسط کتابیں آپ کو دی گئیں، حضرات حجاج کرام کی واپسی کے بعد دوسرے جدید اساتذہ سبکدوش ہوگئے، مگر مولانا بدستور تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہند کی ہمراہی میں پہلا حج کیا اور واپسی پر پھر مدرسہ مظاہر علوم میں فرائض تدریس انجام دینے لگے، حج کے اگلے سال ۱۳۳۴ھ میں بڑے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب جو مربی و استاذ بھی تھے انتقال فرما گئے، اس چوٹ کا درد حضرت مولانا آخر تک محسوس کرتے تھے، اس کے بعد ہی والدہ صاحبہ داغ مفارقت دے گئیں، ان متواتر صدمات نے حضرت مولانا کو نڈھال سا کر دیا۔

نکاح

۶/ ذی القعدہ ۱۳۳۰ھ مطابق ۱۷/ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو جمعہ کے دن بعد نماز عصر آپ کے

(۱) حالات مشائخ کاندھلہ صفحہ ۲۰۹۔

حقیقی ماموں مولانا رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا، آپ کے
بڑے بھائی مولانا محمد صاحب نے نکاح پڑھایا، مجلس عقد میں مولانا خلیل احمد صاحب
سہارنپوری، شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری اور مولانا اشرف علی تھانوی تینوں حضرات
موجود تھے، حضرت تھانوی کا مشہور وعظ ''فوائد الصحبۃ'' جو بارہا طبع ہو چکا ہے، اسی تقریب
میں کاندھلہ تشریف لے جانے پر اسی دن ہوا۔(۱)

بستی حضرت نظام الدین میں

جب تک حضرت مولانا محمد صاحب زندہ تھے، بستی نظام الدین میں وہ والد محترم حضرت
مولانا محمد اسماعیل صاحب کی نیابت کر رہے تھے، اور مدرسہ چلا رہے تھے، جس میں میواتی
بچے پڑھتے تھے اور میوات کے اہل تعلق آتے جاتے تھے، لیکن ان کے انتقال کے بعد وہ
جگہ خالی ہوگئی اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے جو بھائی کی بیماری کے زمانہ سے
بغرض تیمارداری دہلی میں مقیم تھے، اہل تعلق حضرات نے اصرار کیا کہ مستقل طور سے یہیں
قیام فرمالیں، اور والد اور بھائی کی خالی جگہ کو آباد کریں، حضرت مولانا تجہیز و تکفین اور مدرسہ
کے عارضی انتظام سے فراغت پا کر سہارنپور آگئے اور اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل
احمد صاحب سے ساری کیفیت بیان کی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے اہل تعلق کے
اصرار اور نظام الدین کے قیام سے افادہ عام کے پیش نظر اجازت دے دی، آپ نے
مظاہر علوم سے ایک سال کی چھٹی لی اور بستی نظام الدین تشریف لے گئے اور قیام فرمایا۔

مکاتب کا آغاز

چونکہ پہلے ہی سے میواتی بچے بستی نظام الدین میں پڑھتے تھے اور پڑھنے کے بعد وہ
اپنے گھروں کو لوٹتے تھے اور ان میں اکثر علم دین کو پھیلانے میں لگ جاتے تھے، اس لیے

(۱) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ان کے ذریعہ میوات میں دینی مکاتب اور مدارس
کا آغاز کیا اور اس شکل میں اپنے میوات جانے کو منظور فرمالیا، ایک مرتبہ خود فرمایا کہ:
''جب پہلی مرتبہ چند مخلصوں نے بڑے جوش و اخلاص کے ساتھ مجھ سے میوات چلنے
کی درخواست کی تو میں نے کہا کہ میں صرف اس شرط پر چل سکتا ہوں کہ تم وعدہ کرو کہ اپنے
یہاں مکتب قائم کروگے''۔

اس وعدہ کے بعد حضرت مولانا میوات تشریف لے گئے اور اپنی شرط کا مطالبہ کر کے
ایک مکتب قائم کرایا اور اس طرح مکاتب کا سلسلہ شروع ہوگیا، اس پہلے سفر میں دس مکتب
قائم کیے، اور کچھ ہی مدت میں بہت سے مکاتب قائم ہوگئے۔

تبلیغ و دعوت کی عمومی تحریک

مکاتب کے ذریعہ جو معمولی اصلاح ہو رہی تھی اس سے رفتہ رفتہ مولانا کی بیقرار طبیعت
غیر مطمئن ہونے لگی، اور پھر ایک واقعہ نے مولانا کے خیالات کی کایا پلٹ دی۔

ایک سفر میں آپ کے سامنے بڑی تعریف کے ساتھ ایک نوجوان لایا گیا اور کہا گیا کہ
یہ فلاں مکتب سے قرآن پڑھ کر نکلے ہیں لیکن اس کی صورت غیر شرعی تھی اور ڈاڑھی منڈی
ہوئی، لباس غیر اسلامی تھا اور کسی طرح پتہ نہ چلتا تھا کہ دینی تعلیم حاصل کر چکا ہے، اس
واقعہ سے آپ کی حساس اور غیور طبیعت کو سخت ٹھیس پہنچی اور مکاتب کی طرف سے دل پھر
گیا اور ایک عمومی تبلیغ کا خیال دل میں آیا تاکہ ان مکاتب سے بچوں کو علم آئے اور عمومی
تحریک سے بڑوں کو دین کی واقفیت ہو اور دین کا احساس پیدا ہو۔

پنچایت نامہ

اس سلسلہ میں قصبۂ نوح ضلع گوڑگانواں میں ۲؍اگست ۱۹۳۴ء کو حضرت مولانا
محمد الیاس صاحب کی صدارت میں ایک پنچایت کی گئی، جس میں سارے میوات کے

چودھری صاحبان، میاں جی، ذیلداران، انعامداران، نمبرداران، صوبہ داران، منشی حضرات وسفید پوشاک ودیگر سربرآوردگان علاقۂ میوات جمع ہوئے جن کی تعداد تقریباً ایک سوسات تھی۔

اس پنچایت میں سب سے پہلے اسلام کی اہمیت بیان کی گئی، اور پھر اسلام کی ساری باتوں کی پابندی اوراس کی اجتماعی طور پر اشاعت اور دین کی دعوت کا کام کرنے، اس کے لیے پنچایتیں کرنے اوراس کام سے زندگی میں کسی وقت بھی نہ ہٹنے کا عہد کیا، پنچایت نامہ مرتب کیا گیا اوراس پر شرکاء کے دستخط ہوئے، اسی طرح عرصہ تک حضرت مولانا میوات جاتے رہے، اور میوات کے لوگوں کو روحانی فیض ملتا رہا، لوگ بکثرت آپ سے مرید ہوئے اور ہدایت پائی۔

گشتوں کی ابتداء اور جماعتوں کی چلت پھرت

شوال ۱۳۴۴ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری کے ہمراہ دوسرا حج کیا، مدینہ منورہ کے قیام کے دوران عجیب بے چینی اور اضطراب محسوس کیا، چنانچہ حج سے واپسی پر حضرت مولانا نے تبلیغی گشت شروع کردئے اور میوات میں تبلیغی اجتماعات کئے۔

آپ نے قصبہ نوح میں ایک بڑا اجتماع کیا اور دعوت دی کہ لوگ جماعتیں بنا کر نکلیں، ایک ماہ بعد جماعت بنی اور مختلف گاؤں میں اس نے گشت کیا، ایک جمعہ سے جماعت چلی، دوسرا جمعہ سوہنے (ضلع گوڑگانواں) میں پڑھا، حضرت مولانا بھی جمعہ میں تشریف لے گئے، تیسرا جمعہ تاوڑو میں اور چوتھا جمعہ نگینہ تحصیل فیروزپور میں ہوا، ہر جمعہ کو مولانا جاتے اور نظام بتاتے، اور ہر دو جمعہ کے درمیان جماعتیں مختلف گاؤں میں گشت واجتماع کرتیں، اور لوگوں کو آگے چلنے پر آمادہ کرتی رہیں، اور تبلیغی کام کی اس طرح ابتداء ہوئی اور پھر اس میں ترقی ہوتی گئی، حتی کہ ۱۳۵۱ھ میں آپ نے تیسرا حج فرمایا اور حج سے واپسی

پر میوات کے دورے کئے جو تبلیغی کام کے لیے انتہائی مفید اور مؤثر ثابت ہوئے، پورے میوات میں جماعتوں کا جال بچھادیا اور پورے میوات کو کھنگال کر رکھ دیا۔

بیقرار طبیعت

حضرت مولانا کی زبان میں کسی قدر لکنت تھی، اپنی بات پوری طرح سمجھا نہیں سکتے تھے، مزید براں مضامین علمی اور تصوف کی اصطلاحات سے بھرپور ہوتے تھے، میواتی جوان الفاظ اور اصطلاحات سے ناآشنا تھے، شروع شروع میں تو بالکل سمجھنے سے قاصر رہے۔

حضرت مولانا بیقرار ہوکر اور پہلو بدل بدل کر اپنی بات کہتے، مگر سمجھنے والا کوئی نہ ہوتا، حضرت مولانا راتوں کو خدا کے سامنے روتے، دعا کرتے اور بے چارگی اور بے ثباتی کا اظہار کرتے، ماہی بے آب کی طرح تڑپتے، آہیں بھرتے اور فرماتے، میرے اللہ میں کیا کروں، کچھ ہوتا ہی نہیں، سب سے زیادہ واقف وہ لوگ ہوتے ہیں جو ہمہ وقت ساتھ رہنے والے اور اندرون خانہ سے واقف ہوں، اسی لیے سب سے زیادہ بیوی کو شوہر کے حالات وکیفیات سے واقفیت ہوتی ہے، حضرت مولانا کی زوجہ محترمہ نے ایک بار کسی کے پوچھنے پر مولانا کی بیقراری کو اس طرح بیان کیا: ''جب میری شادی ہوئی اور میں رخصت ہوکر مولانا کے گھر گئی تو میں نے دیکھا کہ مولانا راتوں کو بہت کم سوتے ہیں، ان کی راتیں بستر پر کروٹ بدلنے اور آہ بھرنے میں گذرتی ہیں، میں نے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ کو راتوں کو نیند نہیں آتی؟ مولانا نے ایک آہ بھری اور فرمایا کیا بتاؤں، اگر تم کو وہ بات معلوم ہوجائے تو جاگنے والا ایک نہ رہے دو ہوجائیں''۔

اور پھر اپنی ہمت، طاقت، مال وزر سب کچھ میواتیوں پر اور ان کے ذریعہ اس تبلیغی کام پر لگادیا اور صدیقی شان کا مظاہرہ کرکے دکھایا کہ اپنے گھر سوائے خدا اور رسول کے نام کے کچھ نہ چھوڑا۔

آخری حج اور کام کی ترقی

۱۳۵۶ھ میں آپ نے آخری حج کیا، اس حج میں جہاز سے لے کر حجاز تک تبلیغ ودعوت کا بڑا چرچا ہوا، اہل عرب نے اس کو سنا اور خوب سراہا، حج سے واپسی پر اس کام میں مولانا نے اپنی ساری متاع زندگی لگادی، میواتیوں کی جماعتیں مختلف صوبوں اور شہروں میں بھیجیں، دہلی کی تمام جماعتوں کا امیر حافظ مقبول حسن صاحب (جو حضرت مولانا کے پرانے رفیق کار اور مجاز بیعت ہیں) کو بنادیا، جنہوں نے اپنی مستعدی اور فرض شناسی سے دہلی کے کام کو بہت آگے بڑھایا، اس میں حضرت حافظ فخر الدین صاحب کی توجہات کا بھی بڑا دخل تھا، اکثر نئی دہلی کے بعض معززین اور انگریزی تعلیم یافتہ حضرات، خصوصاً جامعہ ملیہ کے بعض اساتذہ نیز ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب حضرت مولانا کی خدمت میں آتے اور حضرت مولانا ان کے سامنے بڑے جوش وتاثر کے ساتھ تقریر فرماتے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے مختلف عربی مدارس کے علماء اور طلباء خصوصاً دارالعلوم ندوۃ العلماء، مظاہر علوم سہارنپور، دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے اپنے مقام پر کام شروع کیا اور یہ بات اس وقت ہوئی جب ۵۸-۵۹ھ میں اس تحریک ودعوت کے متعلق ملک کے مختلف رسائل میں مضامین شائع ہوئے اور اہل علم اور اہل مدارس نے اس طرف توجہ دی۔

مولانا کی علالت کے زمانے میں بھی علماء، طلباء، انگریزی تعلیم یافتہ سیاسی شخصیتیں اور مذہبی حلقوں کے حضرات برابر آتے رہے، مرکز میں ہر وقت ازدہام رہتا اور مختلف لوگ حضرت مولانا کے لبوں سے کان لگا کر سنتے، اور اس پیغام کو لوگوں تک پہنچاتے رہتے، حضرت مولانا صاحب فراش تھے آواز پست سے پست تر مگر بے چینی وتڑپ حد سے بڑھ کر۔

ایک صبح کو آب زم زم پیتے ہوئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ دعا مانگی "اللّٰھُمَّ ارْزُقْنِی

الشَهَادةفی سَبِیلِكَ وَاجعَلُ موتی فِیُ بَلَدِ رَسُولِكَ"۔(۱)

وفات

۱۱ر رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ر جولائی ۱۹۴۴ء کو ۱۲ر بجے رات میں مولانا کو گھبراہٹ کا ایک دورہ پڑا، جس پر ڈاکٹر کو فون کیا گیا، ڈاکٹر آئے اور دوا دی، رات کو بار بار اللہ اکبر، اللہ اکبر کی آواز آتی رہی، پچھلے پہر مولانا یوسف صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب کو یاد فرمایا، مولانا یوسف صاحب سے فرمایا، یوسف! آمل لے، ہم تو چلے۔

صبح کی اذان سے پہلے جان جان آفریں کے سپرد کی، اور عمر بھر کا تھکا مسافر جو شاید کبھی اطمینان کی نیند سویا ہو، منزل پر پہنچ کر میٹھی نیند سوگیا "یاَ اَیَّتُھَا النَّفُسُ الُمُطُمَئِنَّةُ ارُجِعِیُ اِلی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرُضِیَّةً، فَادُخُلِیُ فِیُ عِبَادِیُ وَادُخُلِیُ جَنَّتِیُ".

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نالے
دل گرمے نگاہ پاک بینے، جان بیتابے

پسماندگان

مولانا نے صرف ایک صاحبزادہ مولانا محمد یوسف صاحب اور ایک صاحبزادی (اہلیہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب) چھوڑیں، ان حقیقی جانشینوں کے علاوہ وابستگان کا پورا حلقہ اور بالخصوص اہل میوات اور ملک بھر میں تبلیغی جماعت سے جڑے ہوئے افراد اور آپ کے مریدین، محبین، مخلصین آپ کی جیتی جاگتی یادگار ہیں، انتقال سے پہلے ایک روز فرمایا کہ لوگ آدمی چھوڑ کر جاتے ہیں، میں اپنے پیچھے الحمدللہ پورا ملک چھوڑ کر جاتا ہوں۔

ومامات من كانت بقايا مثلهم ☆ شباب تسامى للعلىٰ وكـهول

(۱) سوانح یوسفی ملخص صفحہ ۱۶۲۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ☆

ولادت: ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء - وفات: ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء

تمہید

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ایک علمی، تحقیقی، تاریخی، تحریکی اور روحانی شخصیت تھی، اہل علم حضرات میں کون ہے؟ جو ان کی شخصیت سے واقف نہ ہو، حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی میں ہندوستان کی اسلامی سوسائٹی کے ذہن وفکر اور یہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں خواہ وہ طرز قدیم کا ہو یا طرز جدید کا، نصف صدی کے اندر مذاق تصنیف وتالیف، طریق فکر واستدلال اور تہذیبی امیال وعواطف کے اعتبار سے جو عظیم الشان انقلاب ہوا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور ان کے علمی وعملی کارناموں کو اس میں بڑا دخل ہے، اور یہ انقلاب جس طرح پیدا ہوا، اور اس نے ذہنی وفکری دنیا میں قدیم تعلیم یافتہ طبقہ کو جو سیادت بخشی ہے، اس کی نظیر آج پورے عالم اسلام میں کہیں نظر نہیں آئیگی، علامہ سے متعلق یہ حقائق مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی نے ہندوستانی مسلمانوں پر سید صاحب کے اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کئے ہیں، آئندہ سطور میں علامہ کی شخصیت، ان کے علمی کارناموں اور زندگی کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، تاکہ قاری کو اپنی زندگی میں انقلاب برپا کرنے اور سب کچھ ہوکر ساری قابلیتوں اور صلاحیتوں کے باوجود بلندیوں اور رفعتوں تک پہونچنے کے لیے اپنے آپ کو مٹانے کا جذبہ پیدا ہو، سچائی اور حق کی تلاش ہو اور......

قال را بگذار مرد حال شو ❖ پیش مرد کامل پامال شو

☆ یہ مضمون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بزم سلیمانی کے جلسہ میں پڑھنے کیلئے ۲۰/۴/۱۴۱۷ھ کو لکھا گیا، بعد میں مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے مستقل کتابی شکل میں بھی شائع ہوا، اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے۔

کا جذبہ کارفرما ہو، پھر

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم ☆ تا غلام شمس تبریزی نہ شود

کی عملی تصویر پیش کرکے اپنی زندگی میں جلا بخشے؛ کیونکہ علامہ نے اسی شعر کے مطابق مرشد تھانوی کی غلامی اختیار کی۔

اسم مبارک اور وطن ولادت

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی ولادت جمعہ کے مبارک دن ۲۳/صفر ۱۳۰۲ء مطابق ۲۲/نومبر ۱۸۸۴ء کی صبح کو حکیم سید ابوالحسن دیسنوی کے گھر پر ایک پیکر جمال کی شکل میں ہوئی، دیدہ ور جدامجد حکیم محمدی رحمۃ اللہ علیہ کی نظریں نوزائیدہ پوتے پر پڑیں تو پیشانی کی چمک میں ناپیدا مستقبل کی رفعتیں دیکھ گئیں، نام انیس الحسن اور کنیت ابونجیب رکھی اور فرط خوشی میں یہ قطعہ موزوں فرمایا:

سعید حسن ہست فرزند من ☆ شدہ بوالحسن نام نیکو خصال
خدائش عطا کرد نور بصر ☆ کہ یعنی پسر شد بہ حسن وجمال
بشہر صفر چوں شدہ بود سنہ ☆ جواں بخت آمد چو ماہ ہلال
بروز آدینہ بوقت سعید ☆ بیامد مثال گل نونہال
زآزار وآشوب چشم بدش ☆ نگہدارش آں ایزد لایزال
بدولت قوی باد وعمرش دراز ☆ کند شادمانی بہ ہر ماہ وسال
بہ اقبال ودولت کند سروری ☆ سر دشمنانش شود پائمال
نہادیم نامش انیس الحسن ☆ بود حافظش حضرت ذوالجلال
چو جستیم تاریخ اواز خرد ☆ یکا یک سروشے زتاریخ وسال
بگفتا کہ بے دادشد مصرعہ ☆ شدہ مہر تاباں زبرج کمال ۱۳۰۲

غالباً ڈھائی سو برس کی بات ہے کہ حضرت علامہ کے اجداد جزیرۃ العرب سے نکل کر سندھ کے ساحل پر آ پہونچے اور یہاں سے اجمیر شریف کے راستے صوبہ متحدہ (یوپی) سے گزر کر بہار کو اپنا مسکن بنایا، چنانچہ عظیم آباد (پٹنہ) کے نواح میں آج بھی سادات کی بارہ بستیاں جو عام زبان میں بارہ گاواں کہلاتی ہیں موجود ہیں۔

حضرت علامہ کا وطن دیسنہ بہار شریف (پٹنہ) سے شمال مشرق آٹھ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سادات بہار کی برادری میں بہت ممتاز ہے۔

سلیمان کی وجہ تسمیہ

رکھنے کو تو روشن ضمیر دادا نے اپنے پوتے کا نام انیس الحسن رکھا، بعد میں دنیا نے بھی دیکھا کہ حسنی صلح جوئی اس کا نمایاں خلق تھا، اسی طرح نسبی شرافت کے اعتبار سے ابو نجیب کنیت بھی ہر طرح ہی موزوں تھی، مگر چشم قدرت کچھ اور دیکھ رہی تھی اور اس کے تقاضے کچھ اور ہی تھے، وہ ایک ایسا نام چاہتی تھی جو نو مولود کے آئندہ اوج وکمال کا ترجمان ہو، چنانچہ ایک ادنی بہانے سے قدرت کا چاہا پورا ہو گیا۔

ہوا یہ کہ عین اسی زمانے میں ایک رنگونی تاجر سلیمان ناخدا (جس نے کلکتہ کی مشہور مسجد ناخدا تعمیر کروائی تھی) کا ایک جہاز بیرونی سامان تجارت سے لدا ہوا خلیج بنگال میں داخل ہوا، اس کی آمد سے مشرقی ہندوستان میں ایک دھوم مچ گئی، گھر گھر ہر ایک کی زبان پر سلیمان کا نام آنے لگا، حکیم محمدی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں بھی چرچا ہوا، گھر والوں نے محبت سے ابو نجیب کو پکارا کہ ہمارا سلیمان تو یہ ہے اور ایک دن اس کا شہرہ بھی گھر گھر ہو جائے گا، یہ دراصل اتفاقی نہیں؛ بلکہ ایک القائی چیز تھی، غیر شعوری طور پر انیس الحسن اور ابو نجیب کے الفاظ ذہنوں سے محو ہو گئے اور جو نام اللہ تبارک وتعالی کو پسند تھا وہی باقی رہا، مقبول ہوا، شہرت پا گیا، پھر جب سلیمان شعور کو پہنچے تو انھوں نے بھی اپنا نام سید سلیمان

لکھا، پھر اہل دنیا نے دیکھا کہ وہ سلیمان علم وعرفاں تھے اور ان کے خزینۂ علمی وعرفانی سے ملت اسلامیہ مالا مال ہو گئی۔

لفظ ندوی جزو نام کیوں بنا؟

سید سلیمان ایک پورا نام تھا، ہر سابقہ اور لاحقہ سے بے نیاز، اور یوں بھی حضرت علامہ ندوی کے ذوق لطیف پر زوائد بہت گراں تھے، مگر جو چیز غیب سے بن آئے اور مقدر ہو جائے، اس کو نہ تو کوئی روک سکتا ہے نہ اس میں کوئی ناگواری باقی رہ جاتی ہے؛ کیونکہ وہ ایک طرح کی شان مقبولیت لیے ہوئے آتی ہے۔

مشیت الٰہی کو یونہی منظور ہوا کہ ۱۸۵۷ء سے ۱۸۸۶ء کے درمیان پانچ سلیمان پیدا ہوئے اور ان پانچوں کو عزت وعظمت کے لیے چن لیا گیا، عمر کے تفاوت کے باوجود ایک ہی وقت میں سب کی شہرت عام ہو گئی، کوئی پختگی عمر کو پہنچ کر نمایاں ہوا، تو کوئی نوعمری ہی میں چمک اٹھا، غرض- آسمان شہرت پر آئے تو کہکشاں بن کر- مشہور عالم، واعظ اور صوفی شاہ سلیمان پھلواروی کو اولیت اور سید سلیمان دیسنوی کو خاتمیت کا شرف ملا، درمیان میں قاضی سلیمان منصور پوری مصنف ''رحمۃ للعالمین'' مولانا سلیمان اشرف بہاری (سابق صدر شعبۂ دینیات علی گڈھ یونیورسٹی) اور سر شاہ سلیمان (وائس چانسلر علی گڈھ یونیورسٹی) آئے، اس اجتماع کی وجہ سے تخصیص اسمی کی غایت یعنی امتیاز وتعارف فوت ہو گئی تھی، ایک کا اسم گرامی سن کر دوسرے کی شخصیت کا ذہن میں آجانا بعید نہ تھا، حضرت والا نے اس ضرورت کے تحت اپنے نام کے ساتھ دیسنوی کے لفظ کا اضافہ فرمایا، لیکن یہ نسبت خاکی زیادہ نہ چل سکی، اللہ تعالی نے اس کو بہت جلد ہی علمی نسبت سے بدل دیا اور آپ دیسنوی کے بجائے ندوی لکھنے لگے، یہ نسبت معلوم ہوتا ہے کہ قضا وقدرت کی مجوزہ تھی، اس قدر مقبول ہوئی اور نام سے کچھ ایسا میل کھا گئی کہ خود نام ہی کا جزو بن گئی، اب

نام سید سلیمان نہیں رہا؛ بلکہ سید سلیمان ندوی ہوگیا، پھر تو ایسا ہوگیا کہ علامہ ندوی یا مولانا ندوی کے الفاظ کے ساتھ ہر ذہن میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی تصویر اسی طرح بلا تکلف کھینچ آتی، جیسے مولانا روم کہتے ہی جلال الدین رومی قدس سرہ کا خیال آتا ہے، یا امام غزالی کی صدا پر امام محمد غزالی کا تصور قائم ہوجاتا ہے اور حکیم الامت بولتے ہی حضرت تھانوی کی طرف ذہن منتقل ہوجاتا ہے۔

سچ یہ ہے کہ ندوی حقیقت میں وہی کہلانے کے مستحق تھے، انہی کی ذات اقدس تحریک ندوۃ العلماء کی ترجمان تھی، انہوں نے اپنی علمی جامعیت اور اخلاقی فضیلت سے علماء قدیم اور جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کردیا، ایک کو افادے کے ڈھنگ سکھائے، دوسرے کو ضرورت استفادہ کا احساس دلایا، ان کا احسان ملت کے ہر فرد پر یکساں ہے اور وہ بلا شبہ سید الملت ہیں، خود ان کے معاصر شہید حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے بھی اعلانیہ اعتراف فرمایا کہ ”آپ علماء اور تعلیم یافتوں کے درمیاں ایک سفیر ومتوسط کی حیثیت رکھتے ہیں“۔(۱)

علامہ سید سلیمان ندوی کے بعد ان کے شاگرد رشید اور جانشین مفکر اسلام حضرت مولانا علامہ سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ حقیقی ندوی تھے، جو عالم اسلام کے مشہور عالم، مفکر، مدبر، دانشور، مصنف، مؤرخ، ادیب، داعی، صوفی اور ولی کامل؛ بلکہ برکۃ العصر، مجدد زمانہ، امام یگانہ، موفق من اللہ اور آیۃ من آیات اللہ تھے، اللہ تعالی نے ان کو شہرت ومقام اور عزت کی جس بلندی پر فائز فرمایا تھا وہ تاریخ انسانی میں کم ہی لوگوں کا حصہ بنتی ہے، قریبی زمانہ اور اس وقت علامہ ندوی یا مولانا ندوی کا نام آتے ہی فوراً ذہن مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے۔

---

(۱) یاد رفتگاں صفحہ ۴۴۵۔

تعلیم وتربیت

مولانا حبیبؒ سے ابتدائی تعلیم اور بنیادی تربیت پائی اور ۱۸۹۹ء میں پھلواری شریف خانقاہ مجیبی میں ایک سال رہ کر مولانا محی الدین سے کچھ کتابوں کی تکمیل فرمائی، پھلواری شریف کے بعد آپ مدرسہ امدادیہ دربھنگہ بھیجے گئے، وہاں ایک سال رہ کر درس نظامی کی بعض اور کتابیں ختم فرمائیں، اس وقت آپ کی عمر سترہ سال تھی، پھر ۱۹۰۱ء میں حضرت مولانا ذہن وفکر کی آخری تربیت گاہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخل کرائے گئے جہاں آپ نے پانچ سال رہ کر ۱۹۰۶ء میں سند فراغ حاصل کی۔

ندوہ پہنچ کر حضرت علامہ کو علامہ شبلی جیسے بے مثل ادیب ومؤرخ، فلسفی ومتکلم، محقق ومفکر کی آغوش تربیت میسر آئی، جس میں خداداد صلاحیتیں خوب نشو ونما پاگئیں، لیکن جس جامعیت علمی کے وہ حامل تھے، اس میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے اساتذہ کا بھی ناقابل نظر انداز حصہ ہے، مثلاً حضرت نے پورے تین سال تک امام معقولات مولانا محمد فاروق چڑیا کوٹی سے منطق، فلسفہ اور عربی ادب کی تحصیل فرمائی، جو خود مولانا شبلی کے بھی استاذ تھے، علم حدیث اور ہیئت کی تکمیل مولانا حفیظ اللہ مدرس اول دار العلوم ندوہ سے فرمائی، جو مولانا عبدالحئی فرنگی محلی کے خاص شاگردوں کی آخری یادگار تھے، اسی طرح علم فقہ میں دست رس فقیہ کامل مولانا مفتی عبداللطیف کے زیر تربیت بہم پہنچائی، البتہ کلام، تاریخ اور اردو ادب میں تمام تر علامہ شبلی سے مستفیض رہے، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ تحقیق وتدقیق اور تصنیف وتالیف کا اعلی مذاق یہیں سے پایا، ان بلند پایہ اساتذہ کی توجہات کے علاوہ مہتمم مدرسہ شاہ سلیمان پھلواروی کی حوصلہ افزائیاں بھی حضرت علامہ کی علمی ترقی میں معاون رہیں۔

عطائے سند اور آغاز شہرت

وہ ساعت جس میں حضرت علامہ فراغت کی سند پارہے تھے، قدرت ان کے

سر پر شہرت وعظمت کا تاج رکھ رہی تھی، مستقبل کے سلیمانی شکوہ کی طرف چشم قدرت کا اشارہ تھا، حضرت علامہ نے ''حیات شبلی'' میں عطائے سند کے واقعہ کو اس طرح تحریر کیا ہے۔

''دارالعلوم ندوۃ العلماء کو کھلے ہوئے نو دس برس گزر چکے تھے، مگر ابھی تک اس کے فارغ التحصیل طلبہ کی دستار بندی کا کوئی جلسہ جس کا رواج ہندوستان کے عام مدرسوں میں ہے نہیں ہوا تھا، اس غرض سے مارچ ۱۹۰۷ء مطابق محرم ۱۳۲۴ھ میں رفاہ عام لکھنو کے وسیع ہال میں جلسہ دستار بندی کے نام سے ندوہ کا عام سالانہ جلسہ ہوا، جس کی صدارت مولانا غلام محمد صاحب فاضل ہوشیار پوری مرحوم نے کی، جو شروع سے ندوہ کے شریک ومعاون رہے تھے، اس جلسہ کی خصوصیت یہ تھی، کہ اس میں جدید وقدیم علوم کے ماہرین اوراساتذہ کی نہایت اچھی تعداد شریک تھی جو دارالعلوم کے بلند بانگ دعووں کا امتحان کرنا چاہتی تھی۔

مولانا شبلی نے اس جلسہ میں پیش کرنے کی غرض سے اپنے چند منتہی طالب علموں کو بعض عنوانات پر تقریر کے لیے تیاری کی ہدایت فرمائی، اس ضمن میں محبی مولوی ضیاء الحسن صاحب علوی (ایم اے رجسٹرار انسپکٹر مدارس عربیہ الہ آباد) نے قرآن مجید کے اعجاز وبلاغت پر اور راقم نے علوم جدیدہ وقدیمہ کے موازنہ پر تقریر کی، اسی تقریر کے دوران ایک واقعہ پیش آیا، جس نے جلسہ کو تماشا گاہ اور سامعین کو آئینہ حیرت بنا دیا، عین راقم کی تقریر کے اثناء کسی نے اٹھ کر کہا کہ اگر یہ عربی میں تقریر کریں، تو بلاشبہ ندوہ کی تعلیمی کرامات کا ہم یقین کریں، مولانا حسب قاعدہ جلسہ سے باہر چلے گئے تھے، مولوی سید عبدالحئی صاحب مرحوم نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ''تم کرسکتے ہو؟'' میں نے اثبات میں جواب دیا اور عربی میں تقریر شروع کی، جلسہ پر ایک سماں چھا گیا، مولانا کو باہر یہ خبر معلوم ہوئی تو فوراً اندر آئے اور میرے پاس کھڑے ہو کر مجھ سے دریافت فرمایا کہ اگر تم کو اسی وقت کوئی موضوع دیا جائے تو تم تقریر کرسکتے ہو؟ میں نے پھر اثبات میں جواب دیا، تو مولانا نے

مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ اس طالب علم نے جو تقریر کی اس کی نسبت بعض لوگ بدگمانی کرسکتے ہیں کہ یہ گھر سے تیار ہو کر آئے تھے، اس رفع بدگمانی کے لیے اگر کوئی صاحب چاہیں تو اسی وقت کوئی موضوع دے سکتے ہیں، یہ اس پر تقریر کریں گے۔

چنانچہ موضوع کے تقرر کے لیے لوگوں نے خواجہ غلام الثقلین مرحوم کا نام پیش کیا، جو اس زمانہ میں لکھنؤ میں وکالت کرتے تھے اور جلسہ میں موجود تھے، انہوں نے یہ موضوع مقرر کیا کہ ''ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی؟'' میں نے اس موضوع پر عربی میں اپنے خیالات ظاہر کرنے شروع کئے، ہر طرف سے احسنت وآفریں کی صدائیں بار بار بلند ہو رہی تھیں، استاذ مرحوم (علامہ شبلی) نے جوش مسرت میں اپنے سر سے عمامہ اتار کر میرے سر پر باندھ دیا، جو اس خاکسار کے واسطے ہمیشہ کے لیے طرۂ افتخار بن گیا۔(۱)

علمی کاموں کا آغاز

آپ زمانۂ طالب علمی ہی میں اپنے وقت کے مشہور علمی رسالہ ''الندوہ'' (۱۹۰۴-۱۹۱۲ء) کے نائب مدیر اور مدیر رہے، جو ایک بڑا اعزاز تھا، اس میں آپ کے بلند پایہ علمی وتحقیقی مضامین شائع ہوئے، اور آپ کے علم وقلم کی شہرت کا آغاز ہوا، آپ نے الندوہ (دور اول) میں ''اشتراکیت اور اسلام''، ''علم ہیئت اور مسلمان''، ''اسلامی رصد خانے''، ''مسئلہ ارتقاء'' جیسے اہم موضوعات پر اعتماد کے ساتھ قلم اٹھایا اور علامہ شبلی کے تلمذ کا حق ادا کردیا۔

سید صاحب کی صلاحیت اور علمی جامعیت سے علامہ شبلی بہت متأثر تھے اور ہر علمی کام میں انھیں آگے رکھتے تھے، انگریزی تاریخوں کی اغلاط کی نشاندہی کے لیے انہوں نے سید صاحب ہی کو تجویز کیا، چونکہ آپ ایک ممتاز معلم تھے، اس لیے ۱۹۰۸ء میں علامہ شبلی

(۱) حیات شبلی صفحہ ۴۵۴۔

نے آپ کو جب آپ کی عمر صرف ۲۴؍ یا ۲۵؍ برس کے قریب تھی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں علم کلام اور جدید عربی کے ایک اعلیٰ استاذ کی حیثیت سے مسند درس پر فائز فرمایا، اوران کا یہ انتخاب ایسا لاجواب ثابت ہوا کہ آناً فاناً حضرت علامہ کی تدریسی مہارت کا شہرہ ہندوستان کے طول وعرض میں پھیل گیا اور تشنگان علم دور دور سے اس تازہ چشمہ کی طرف لپکے اور جنھوں نے اس مشرب سے پیا، سیراب ہوگئے، یہ سلسلہ تدریس کا دوراول تھا، جومختصر ہی رہا، اسی طرح مولانا شبلی اورندوۃ العلماء کی ایک تجویز کے مطابق ۱۹۱۰ء میں سیدصاحب نے عربی کے نئے اور دخیل الفاظ پر مشتمل لغت ''لغات جدیدہ'' کے نام سے بڑی محنت سے تیار کی جو ندوۃ العلماء کے اجلاس دہلی ۱۹۱۲ء میں پیش کی گئی، اوراہل نظر کی تحسین کی مستحق ٹھہری۔

اس دور میں انھوں نے مولانا عبداللہ عمادی کے مجلّہ ''البیان'' لکھنؤ وغیرہ میں بڑے پختہ اسلوب میں عربی میں بھی بعض مضامین سپرد قلم کئے۔

مولانا شبلی ہی کے ایماء اور مولانا ابوالکلام آزاد کی فرمائش پر آپ نے الہلال (کلکتہ) کی ادارتی ذمہ داری قبول کی اور اپنے علمی وتاریخی مقالات کے ذریعے اس کے وزن ووقار اور شہرت میں اضافہ کیا، ان کے دیرینہ دوست مولانا عبدالماجد دریابادی اپنے مضمون ''سید سلیمان ایڈیٹر کی حیثیت سے'' میں لکھتے ہیں:

''سید صاحب جب الہلال میں پہنچے تو نام کا یہ اب بھی ہلال ہی رہا، لیکن اہل بصیرت دیکھ رہے تھے کہ ہلال بدر بن گیا ہے اور اس کی نورافشانی کلکتہ کے مطلع سے شروع ہوکر مشرق ومغرب، شمال وجنوب سب کو مطلع انوار بنا رہی ہے۔(۱)

سیدصاحب نے ''الہلال'' میں الحریت فی الاسلام، تذکار نزول قرآن، قصص بنی اسرائیل اور مشہد اکبر جیسے مشہور اور معرکہ آراء مضامین لکھے جنھیں ناواقف لوگ مولانا

(۱) صدق جدید ۲۲؍ جنوری ۱۹۵۴ء

آزاد کی طرف منسوب کرتے رہے، ۱۹۱۳ء کے اواخر میں ممبئی یونیورسٹی کے نامی گرامی دکن کالج پونا کے اسسٹنٹ پروفیسر ہوئے، اس دکن کالج کے قیام کے دوران آپ نے اپنی مجتہدانہ تصنیف ''ارض القرآن'' کا آغاز کیا، جو قرآنی لٹریچر میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے اور جس کی وجہ سے متداول تفاسیر کی کتنی ہی تاریخی وجغرافیائی غلطیوں کا ازالہ ہوا، علماء عصر نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور علمی دنیا نے اس احسان سلیمانی کا برملا اعتراف کیا، نیز آپ ایک مایہ ناز ریسرچ اسکالر بھی تھے، آپ کو استاذ محترم علامہ شبلی نے اپنی جانشینی کا تاج عطا فرمایا، اور سیدالطائفہ کے لقب سے نوازا۔

مختلف علمی وتعلیمی کام

سیدصاحبؒ کی پوری زندگی علمی وتعلیمی مشاغل کے لیے وقف تھی، اور انھوں نے ایک مصروف ترین اور بھرپور علمی زندگی گزاری، اور بلا لحاظ مسلک ومشرب اکثر ملی اداروں اور تحریکوں کو ان سے فیض پہنچا، وہ علم وفضل کا وہ شجر سایہ دار تھے، جس کے تلے جویائے علم وتحقیق پناہ لیتے تھے، اور علم وادب کی اس جوئے رواں سے سیراب ہوتے تھے، ایک مخلص معلم اور ناصح مشفق کی طرح وہ عمر بھر ملت اسلامیہ کی علمی ودینی، سیاسی ومعاشرتی زندگی کے ہر نازک موڑ پر اس کی رہنمائی اور پیشوائی کرتے رہے اور ''الدین النصیحة لله ولرسوله وللمومنين''(۱) پر عمل پیرا رہے۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی) مسلم یونیورسٹی (علی گڈھ) مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) اور محکمۂ تعلیمات (یوپی) کے نصاب ونظام تعلیم کی تیاری اور اصلاح میں آپ نے خاطر خواہ حصہ لیا، مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، جمعیۃ علماء ہند، انجمن حمایت اسلام لاہور اور دوسرے اداروں کے جلسوں میں برابر شریک ہوتے رہے اور انھیں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

(۱) صحیح بخاری کتاب الایمان وصحیح مسلم کتاب الایمان حدیث ۸۲۔

۲۱ر نومبر ۱۹۱۴ء کو دارالمصنفین کے ابتدائی ارکان کا انتخاب ہوا، سید سلیمان ندوی اس کے ناظم منتخب ہوئے، دارالمصنفین برصغیر ہند میں اپنی نوعیت کا مثالی ومنفرد علمی ادارہ ہے، جس کی تاریخی وعلمی خدمات تاریخ ساز اور عہد آفریں حیثیت کی حامل ہیں اور جس کی دیرینہ علمی روایات ہندوستانی مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے لیے بھی باعث فخر ہے۔

۱۹۱۹ء میں جب تحریک خلافت کی بنیاد پڑی تو اس کے اولین کارگزاروں اور سرگرم حامیوں میں علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے، مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا محمد علی جوہر کی تحریروں کے ساتھ سید صاحب کے علمی وتاریخی رسالوں ''دنیائے اسلام اور مسئلہ خلافت'' اور ''خلافت عثمانیہ اور دنیائے اسلام'' نے اس تحریک کو بڑی تقویت پہونچائی اور اس کے لیے قیمتی مواد فراہم کیا، فروری ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی وغیرہ کے اصرار پر وفد خلافت میں علماء ہند کے تنہا نمائندے کی حیثیت سے یورپ تشریف لے گئے اور نمائندگی کا حق ادا فرمایا۔(۱)

اسی کے ساتھ آپ نے ۱۹۲۳ء میں صوبہ بہار اور ۱۹۲۶ء میں دہلی خلافت کانفرنس کی صدارت فرمائی، سید صاحب جمعیۃ علماء ہند کے بانی ممبران میں تھے، اور اس کے جلسوں میں دلچسپی کے ساتھ حصہ لیتے تھے، مارچ ۱۹۲۶ء میں اس کے اجلاس کلکتہ کی صدارت فرمائی، ۱۹۲۴ء میں جب شریف حسین کو شکست دے کر سلطان عبدالعزیز آل سعود نے حجاز پر قبضہ کرلیا اور بعض مقابر ومآثر کا انہدام کیا تو ہندوستانی مسلمانوں میں بڑا اضطراب واختلاف ہوگیا، اس سلسلہ میں صورت حال معلوم کرنے اور صحیح مشورہ دینے کی غرض سے سید سلیمان ندوی کی قیادت میں ایک وفد حجاز روانہ ہوا، پھر ۱۹۲۶ء میں سلطان عبدالعزیز کی دعوت پر خلافت کمیٹی نے دوبارہ وفد بھیجا جس کی قیادت علامہ ندوی نے کی، اس وفد نے بڑی جرأت اور صاف گوئی سے کلمۂ حق کہا اور مسلمانان ہند کی آواز مکے اور مدینہ تک پہنچادی۔

(۱) تذکرہ سلیمانی صفحہ ۵۹۔

اکتوبر ۱۹۳۳ء میں شاہ افغانستان نادر خان شہید نے افغانستان کے نظام تعلیم کی ترتیب وتنظیم کے لیے ہندوستان سے ایک علمی وفد کو دعوت دی، جس میں علامہ اقبال اور سر سید راس مسعود کے ساتھ علامہ سید سلیمان ندوی بھی تھے، سید صاحب نے افغانی نصاب ونظام تعلیم کی تیاری میں سرگرم حصہ لیا اور مفید مشورے دیئے۔

علامہ ندوی اپنے نامور استاذ علامہ شبلی سے گہرے تأثر اور عقیدت کی بنا پر عمر بھر تحریک ندوۃ العلماء کے بھی پرجوش داعی ومبلغ اور وکیل وترجمان رہے، اصلاح وترقیٔ نصاب ان کا دائمی نصب العین رہا اور وہ ایک ماہر تعلیم کی صورت میں مدارس وجامعات کے اصلاح نصاب کے ساتھ ندوۃ العلماء کے نصاب ونظام تعلیم کی تعمیر وتشکیل میں بھی برابر حصہ لیتے رہے اور طلبہ واساتذہ کی رہنمائی کرتے رہتے تھے، ان کی اس دلچسپی اور اس تعلیمی تحریک سے ہمدردی کی بنا پر ۱۹۲۳ء میں سید صاحب کو ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم منتخب کیا گیا اور تقریباً تیس سال (۱۹۲۳ء سے ۱۹۵۳ء تک) سید صاحب دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہے۔

حضرت علامہ نے مستشرقین اور بعض متعصب ہندوستانی مورخین کی غلط بیانیوں کی مدلل تنقید وتردید کی اور تاریخ ہند وتاریخ اسلام کے بارے میں بعض مشہور غلط فہمیوں کا بڑے فاضلانہ ومورخانہ انداز میں ازالہ کیا، نیاز فتح پوری کے ہفوات اور شکوک وشبہات کا اس علمیت اور دینی حمیت کے ساتھ دفاع کیا کہ انھیں توبہ نامہ شائع کرنا پڑا۔

آزاد ہندوستان میں اسلامی نظام تعلیم کے غیر یقینی مستقبل کی طرف سے اپنی فکرمندی ظاہر کرتے ہوئے سید صاحب نے دینی ودنیوی علوم پر مشتمل جامع نصاب کی اہمیت پر بہت زور دیا اور مختلف مدارس اسلامیہ کے جلسوں میں انھوں نے نئے حالات میں علماء وطلباء کو اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی دعوت دی اور عملی طور پر مدارس اور عصری دانشگاہوں کے دینی نصاب تعلیم کی تشکیل میں نمایاں حصہ لیا، جس کی وجہ سے بہت

سے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیمات کا چراغ جلتا رہا اور نوجوانوں کو رہنمائی اور روشنی ملتی رہی۔

۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک بھوپال میں آپ تعلیمی اور قانونی اداروں کے سربراہ رہے، جس سے اس ریاست کو بڑا سنبھالا ملا، پھر بعض حالات کی بنا پر ۱۹۵۰ء میں آپ نے پاکستان ہجرت کی اور اپنی علمی وتعلیمی وقانونی وسیاسی صلاحیتوں کو اس نوتعمیر مسلم ریاست کی صحیح خطوط پر تشکیل کے لیے وقف کر دیا، اسلامی دستور کی ترتیب اور ''آل پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی'' اور جمعیۃ علمائے اسلام میں آپ کی شرکت بڑی اہمیت کی حامل تھی۔(۱)

غرضیکہ سید صاحب کی زندگی کے دو حصے ہیں: ایک حصہ تو وہ ہے، جو پھلواری شریف، دارالعلوم ندوۃ العلماء، دفتر ''الہلال''، پونہ فرگونس کالج اور آخر میں دارالمصنفین کے علمی زاویہ میں گزرا۔ اور دوسرا ان کے آئے دن کے مختلف اندرون ملک اور بیرون ملک، یورپ، حجاز، افغانستان کے سفروں میں گزرا، جن کا سلسلہ زندگی کے آخر تک قائم رہا، ان کی زندگی میں یہ تجزیہ کرنا مشکل تھا کہ وہ دارالمصنفین میں زیادہ رہے، یا سفر میں، بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ سال میں چھ مہینہ تو دارالمصنفین میں تصنیف وتالیف میں مشغول رہتے تھے اور چھ مہینہ سفر میں رہتے تھے۔(۲)

شکوہ سلیمانی

تکمیل تعلیم سے چالیس برس کی عمر تک کا زمانہ حیات سلیمانی کے سرتاپیر علمی شغف، تحقیقی انہماک اور تصنیفی مصروفیت کا دور ہے، گو درمیان میں کبھی کبھی اجتماعی کاموں میں بھی حصہ لینا پڑا، لیکن یہ محض اپنوں کے اصرار اور پاس ومروت سے تھا، ورنہ مرکز توجہ کبھی

(۱) تاریخ ندوہ جلد دوم صفحہ ۲۸۳۔

(۲) سید سلیمان ندوی صفحہ ۱۱۸۔

بدلنے نہ پایا، چنانچہ جب ۱۹۲۰ء میں مولانا محمد علی کے اصرار پر وفد خلافت کے رکنِ خاص بن کر یورپ روانہ ہو رہے تھے، تو ایک مکتوب میں اپنے عم محترم مولانا عبدالحکیم دیسنوی کو لکھتے ہیں۔

''ڈر ہے کہ کہیں پالیٹکس مرے علمی مشاغل کو تہ وبالا نہ کردے'' اس فقرے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کو اپنا متعینہ مقصد کس درجہ عزیز تھا اور اس سے کچھ دیر کے لیے دوری بھی نہیں؛ بلکہ کم التفاتی بھی کیسی شاق تھی، یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے اس دور میں جہاد علمی ہی کی خدمت آپ کو عطاء فرمائی تھی، چنانچہ اس معرکہ کے وہ شہسوار نکلے اور اس میدان میں ان کو وہ نصرت اور غلبہ حاصل ہوا جو ہر زمانہ میں کسی کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔

یہ تو دیکھا جا چکا ہے کہ عطائے سند کے ساتھ ہی دفعتہً اہل علم کی بزم نے محسوس کیا کہ ایک علم نواز آرہا ہے، یہ سلیمان عالی مقام کی آمد آمد کا چرچا تھا، پھر دیکھتے ہی دیکھتے ملک سلیمانی کے حدود اتنے پھیلے اور ایسے پھیلے کہ نئی اور پرانی علمی دنیا سب زیر نگیں آ گئیں۔(۱)

اضطراب روحانی

ظاہری علوم کب کسی مخلص متلاشی حق کا ساتھ دے سکے ہیں، علامہ فہامہ جلال الدین رومیؒ برسہا برس میدانِ علم کی بادیہ پیمائی کرتے رہے، بالآخر ہار مان کر جب شمس تبریز قدس سرہٗ کی رفاقت قبول کی، تب ہی منزل مقصود پر جا پہونچے، امام ہمام محمد بن محمد غزالی نے معقول ومنقول کے سمندر کنگھال ڈالے، لیکن درّ مقصود کو نہ پا سکے، سراسیمہ پریشان ہو کر جب بوعلی فارمدی قدس سرہٗ کے آستانہ پر آئے تو یہاں حاصل جستجو کو موجود پایا، مطمئن وسرشار ہو گئے، اس کی وجہ کیا ہے؟

(۱) معارف بابت ۱۹۵۶ء۔

وجہ صرف یہ ہے کہ روح کو تسکین یقین سے ملتی ہے اور یقین کامل کسی حقیقت کے مشاہدہ ہی سے حاصل ہوتا ہے، عقل بیچاری حقائق کا قائل کر بھی دیتی ہے، تو ان کو دکھا نہیں سکتی۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں ☆ اس کی تقدیر میں حضور نہیں

اس لیے ہر کامل العقل انسان علم کتابی کے نقطۂ کمال پر پہنچ کر مضطرب ہو جاتا ہے، اور اپنی روحانی تشفی کے لیے وہ ایسے ذرائع ڈھونڈنے لگتا ہے، جو اس کو حضوری بخش سکیں، معلوم کا مشاہدہ کرسکیں، چنانچہ مرحلہ اربعین سے گزر کر یہی اضطراب یگانۂ عصر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کو پیش آیا اور بڑی شدت سے پیش آیا، یہ ان کے اخلاص علمی اور بلند نگاہی کا لازمی نتیجہ ہے، عین اس اوج علمی پر پہنچ کر جو اس دور میں ان کے لیے خاص ہوگئی تھی، حضرت والا کا قلبی اضطراب اور روحانی تشنگی اتنی بڑھ گئی کہ جو بھی جاہ ومنزلت زیر قدم آئی، ہمت عالی نے اس پر قناعت سے انکار کیا، ملک دانش زیر نگیں آیا، تو نظریں مطلع عرفاں کو تاکنے لگیں۔ ع

ملک واقلیم از بگیر و پادشاہ ہمچناں در بند اقلیم دگر

محبت اور معرفت الٰہی کی جو چنگاری لڑکپن ہی سے دل میں پڑی ہوئی تھی اور برابر سلگتی جارہی تھی، اب اس نے قلب کو گرما دیا، حاسہ قلبی جاگ اٹھا، ضرورت محسوس ہوئی کسی کے جنبش داماں کی۔

ع آتش افتاد بجاں جنبش داماں مددے

مگر دامن کہاں سے لاتے، کس کا ہاتھ تھامتے، شیخ کی تلاش اور جستجو میں دس سال گزر چکے تھے۔

انتخاب شیخ

مغربی یوپی کے قصبہ تھانہ بھون، ضلع مظفر نگر میں اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ

مہاجر مکی صاحب کے خلیفہ ارشد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی تھے، جن کی ذات بابرکات سے خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کو وہ مرجعیت حاصل ہوگئی تھی، جو گیارہویں صدی کے آغاز پر حضرت مجدد الف ثانی کی ذات اقدس سے سرہند کو حاصل تھی، چنانچہ حضرت علامہ کے قلب ونظر نے پھر ذات اشرف ہی کی طرف جاذبیت محسوس کی اور ایسی جاذبیت جس نے رجوع اور بیعت پر مجبور کردیا۔(۱)

بیعت سلوک وطریقت

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی جب دس سال شیخ کی تلاش وجستجو میں گزار چکے اور انتخاب شیخ کا فیصلہ کرلیا تو اس کی بارآوری ۱۹۳۸ء میں ہوئی۔

جستجو آج وہاں پر مجھے لے آئی ہے ☆ خود جہاں حسن محبت کا تماشائی ہے

اور آپ کو شیخ سے مناسبت تامہ ہوگئی، تو حضرت حکیم الامت سے بیعت کی درخواست پیش کی، حضرت حکیم الامت نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''پچاس خط لکھ چکیں تو پھر انشاء اللہ'' پھر فرمایا ''خواہ روزانہ یا صبح وشام خطوط لکھ کر یہ عدد پورا کر دیجئے،'' یہ حضرت تھانویؒ نے اپنی انتظامی شان کے پیش نظر بیعت سے قبل ایک معتد بہ مراسلت کی شرط عائد فرمائی، مگر حضرت والا نے یہ شرط قبول فرمائی کہ ع

ہر چہ از دوست میرسد نیکو است

لیکن اس انقیاد نے ان کو یہ شرف بخشا کہ ابھی چند ہی خطوط آئے گئے تھے کہ تھانہ بھون کی ایک حاضری میں حضرت تھانویؒ نے از خود بیعت سے سرفراز فرما دیا، گویا ایک عطاء کو بے طلب اور بے گماں بنا کر اور بھی لذیذ بنا دیا، بیعت کے بعد حضرت تھانوی نے ارشاد فرمایا کہ الحمد للہ میرے حصہ میں سارے عقلا ہی آئے ہیں۔(۲)

(۱) تذکرہ سلیمانی صفحہ ۱۱۴۔
(۲) تذکرہ سلیمانی صفحہ ۱۲۴/۱۲۵۔

خلافت سے سرفرازی

اگست ۱۹۳۸ء کو حضرت سید سلیمان نے راہ سلوک میں قدم رکھا اور اب اکتوبر ۱۹۴۲ء آ پہنچا تھا، مسافر نے عشق ومعرفت کی اتنی منزلیں طے کرلی تھیں کہ اب مجدد وقت حضرت تھانوی کی نگاہ میں راستہ کے سارے نشیب وفراز اور پیچ وخم سے پوری طرح باخبر اور ناواقفوں کی رہبری کے لیے ہرطرح لائق اعتبار تھا، حکیم الامت نے اپنے قلبی داعیہ کی مزید تشفی کی خاطر استخارہ فرمایا، استخارہ سے تائید وتقویت پائی، بس اس کے بعد سید والا مرتبت کو سلاسل اربعہ میں خلافت باطنی عطا فرمادی اور مسند ارشاد پر ان کو متمکن فرمادیا، پھر خود اپنی حیات میں بعض اپنے زیر تربیت افراد کو بھی اپنے خلیفہ مجاز حضرت سید صاحب کے سپرد فرمایا، یہ واقعہ ۲۲/ اکتوبر ۱۹۴۲ء کا ہے، حضرت حکیم الامت کے خلیفہ مجاز حافظ عثمان روایت کرتے ہیں کہ ''حضرت سید صاحب کو خلافت عطا فرما کر حضرت حکیم الامت اس درجہ مسرور ومطمئن تھے کہ بارہا فرمایا کہ الحمدللہ مجھے اب کچھ فکر نہیں، میرے بعد ایسے ایسے لوگ موجود ہیں''۔

مرشد اور وہ بھی مرشد تھانوی جیسے محقق شیخ کی نگاہ تحقیق میں یہ اعتبار کوئی معمولی امتیاز نہیں ہے۔(۱)

دیوبند اور علی گڈھ کا اعتراف

حضرت والا کے تبحر علمی، ان کی وسعت نظر اور ان کی علمی دیانت وغیر جانبداری نے ان کو دیوبندی مکتب خیال اور علی گڈھ اسکول میں یکساں اعتماد اور عزت عطا فرمائی تھی، چنانچہ ان کی ہمہ گیر شخصیت کے اعتراف میں دارالعلوم دیوبند نے ان کی خدمت میں مجلس

تذکرہ سلیمانی صفحہ ۱۴۱۔

124

شوری کی رکنیت پیش کی اور علی گڈھ یونیورسٹی نے ان کو اپنی سینٹ کا ممبر بنانے میں عزت محسوس کی اور پاکستان جانے تک وہ ان دونوں اداروں کے مشیر ومعاون رہے۔(۱)

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں کہ

''حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے قابل فخر عالم وفاضل اور شبلی نعمانی مرحوم کے جانشین، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے خلیفہ مجاز تھے، ہندوستان کے دو بڑے تعلیمی ادارے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور دارالعلوم ندوہ کے اکثر وبیشتر عمائدین حضرت حکیم الامت تھانویؒ اور دوسرے اکابر دیوبند سے مستفیض ہوئے، ان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالباری ندویؒ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، جو حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے فیض یاب ہوئے، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے بھی باقاعدہ ممبر رہے اور احقر سے خصوصی شفقت ومحبت بھی فرماتے رہے، ان کا علم وفضل اور زہد وتقوی مثالی تھا، انہوں نے زندگی بھر علم کی شمعیں جلائے رکھیں اور ہندوپاک میں ان کی خدمات جلیلہ قابل قدر ہیں، جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کے بعد ان کی ذات گرامی پاکستانی قوم کے لیے سرمایہ افتخار و نازش تھی۔(۲)

حسن اخلاق

حضرت علامہ کے نہ جاننے والے یا صرف دور آخر کے پہچاننے والے جو کچھ بھی سمجھتے ہوں، مگر جن خوش نصیبوں کو ان کی دیرینہ رفاقت کا فخر حاصل ہے، وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ وہ اشرفی نسبت سے پہلے اور بہت پہلے بھی سیرت نگار، رسول اطہر کی حیات، خلق

(۱) تذکرہ سلیمانی صفحہ ۵۸۔

دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات صفحہ ۱۵۴۔

اسلامی کا نہایت پاک وصاف مرقع تھے، فضائل اخلاق کے حصول کے لیے ان کو مجاہدہ وریاضت کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی؛ کیونکہ یہ دولت ان کو بے مانگے اور گھر بیٹھے مل چکی تھی، وہ سیدزادہ تھے اور غیرت ومروت، حیا وتواضع، حلم وایثار، فراخ دلی اور بلند نگاہی، ان میں بالطبع موجود تھی، تعصب، تنگ نظری، حرص، جاہ ومال ان کے لیے اجنبی اور مکروہ ترین چیزیں تھیں، حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی کو حضرت والا کی چالیس سالہ رفاقت حاصل رہی ہے، مولانا فرماتے ہیں کہ ''ہمارے سید صاحب تو مولانا تھانوی سے نہ بھی رجوع فرماتے تب بھی وہ نیک ہی تھے، اس لیے کہ رذائل اخلاق بالطبع ان میں موجود ہی نہ تھے''۔

اسی طرح کی تصدیق حضرت علامہ کے ایک اور دیرینہ رفیق مولانا عبدالباری ندوی کی زبانی بھی سنئے، جن کی نظر طالب علمانہ دور سے لے کر حضرت والا کی عارفانہ منزلت تک سیرت سلیمانی کا آزادانہ مشاہدہ کرتی رہی ہے، مولانا تحریر فرماتے ہیں کہ ''سید صاحب بطنی سید ہی نہیں ماشاءاللہ بڑے بطنی سعید تھے، مرحوم معصوم نہ تھے؛ لیکن ان کی زندگی کا جو رخ طالب علمی سے لے کر آخر تک کم وبیش ہر نوع کے سابقہ میں سب سے زیادہ معصوم نظر آیا، وہ یہی خودرائی وخود پسندی دور دور نظر نہیں آتی''۔

یہی خودرائی وہ خود پسندی تو ارباب بصیرت کے نزدیک ام الامراض ہے، جس کے علاج ومعالجہ میں مدتوں کی سعی وکاوش کے بعد بھی شفائے کلی کا یقین خطرناک سمجھا جاتا ہے اور یہاں خلق سلیمانی میں سرے سے اس کا کوئی جرثومہ نہیں ملتا، مگر اس پر حیرت کیوں جب کہ "إن النفس لأمارة بالسوء" کے کلیہ کے تحت "إلا ما رحم ربی" کا استثناء خود قرآن کریم میں موجود ہے۔(۱)

(۱) سیرت السید سلیمان نمبر معارف تلخیص از تذکرہ سلیمانی ص ٦٧-٦٨

علمی وتاریخی کارنامے

بڑے مصنفین میں بھی بہت کم ایسے مصنف ہوتے ہیں جن کی ہر تصنیف معیاری ہو، مگر سید صاحب اس امتیاز خاص کے مالک تھے، کہ ان کی ہر کتاب علمی اور معیاری ہے اور کسی نہ کسی اہم موضوع سے تعلق رکھتی ہے، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنی ہر کتاب پر پوری محنت کرتے تھے، اور اسے اپنی آخری کتاب سمجھتے تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

''سید صاحب میں علمی کام کرنے کا بڑا ولولہ اور اس کی قوت (ENERGY) تھی، وہ ہر تصنیف کو اس طرح مکمل کرنا چاہتے تھے اور اس طرح اس کی طرف متوجہ ہوتے تھے، گویا یہ زندگی کی اصلی اور آخری تصنیف ہے، وہ اس کے سلسلے میں اپنے امکان بھر کوئی کمی نہیں کرتے تھے''۔(۱)

ان کی علمی تحقیق، تنقیدی تحقیق وجستجو کا اعلی نمونہ ہے، ان کی تحقیقات نے بڑے معرکے سر کئے، بڑے انکشافات کئے اور اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے دفاع کا حق ادا کردیا، ان کی ساری ہی کتابیں تحقیق کے اونچے معیار پر پوری اترتی ہیں۔

حضرت علامہ اپنے دور کے اردو زبان کے سب سے بڑے مصنف تھے، انہوں نے مختلف موضوعات پر متعدد ضخیم کتابیں لکھیں اور سارے ملک سے خراج تحسین حاصل کیا، ان میں سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آخری پانچ جلدیں سید صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جو امام غزالی کی ''احیاء العلوم'' جیسی جامع کتابوں میں سرفہرست رکھی جانے کی مستحق ہے، یہ اسلامی ادبیات کی ان یادگار اور سدابہار کتابوں میں ہے جو اپنے مواد واسلوب، علمی وفکری اہمیت وافادیت، احقاق حق وابطال باطل، اسلام کی صحیح ترجمانی

(۱) پرانے چراغ جلد اول صفحہ ۵۹

اور دلنشیں تعارف میں اپنی نظیر آپ ہیں، کوئی دوسری کتاب ان کا بدل نہیں، اور جو علمی دنیا میں تاریخ ساز حیثیت رکھتی ہیں، اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا کتاب وسنت کے ذخیروں پر مبنی ہونا ہے، اس سے سید صاحب کی گہری قرآن فہمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب وسنت کے سارے دفاتر آپ کے سامنے کھلے ہوئے ہیں۔

سیرت النبی علامہ شبلی اور دار المصنفین کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جس کی تکمیل اخیر کی پانچ جلدیں سید صاحب نے لکھ کر کی، مگر اس کی ابتدائی دو جلدوں کی تیاری میں بھی انہوں نے اپنے استاذ مرحوم علامہ شبلی کا ہاتھ بٹایا، سیرت کی اشاعت ہی سے دار المصنفین کی بنیاد مضبوط ہوئی، جو برصغیر ہند میں اپنی نوعیت کا مثالی ومنفرد علمی ادارہ ہے۔

سیرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) کا آغاز زمانہ طالب علمی میں ہوا تھا، مگر اس میں فقہ وکلام اور ادب وتاریخ سے بڑے عالمانہ انداز میں بحث کی گئی ہے اور ام المومنین کی پاکیزہ سیرت اس شائستہ انداز میں پیش کی گئی ہے، جو مخالفوں کے لیے بھی چشم کشا ہے۔

''ارض القرآن'' سید صاحب کی تحقیق کا سب سے اعلیٰ نمونہ ہے، ان سے پہلے اس موضوع پر اس انداز سے شاید کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا، اقوام عرب کے سیاسی، تاریخی اور تمدنی حالات کی قرآن سے تطبیق، عبرانی وانگریزی مآخذ اور اسلامی، اسرائیلی اور رومی ویونانی ادبیات اور اثری اکتشافات سے استفادہ اس کی اہم خصوصیت ہے، اس کتاب پر ان کے دوست مہدی افادی نے لکھا تھا کہ ''مجھے حیرت ہے کہ ایک کام جو علم آثار کے ایک زبردست ماہر فن کے کرنے کا تھا، وہ بھی ساٹھ برس کے بعد یورپ کی کسی اکیڈمی میں بیٹھ کر، آپ اس پر کیوں کر قابو حاصل کر سکے۔(۱)

''خیام'' ان کی تحقیق کا دوسرا بڑا اقدم ہے جس نے نئے علمی میدان فتح کئے اور خیام کی

(۱) نقوش لاہور، شخصیات نمبر ۱۸۲

شخصیت سے پہلی بار اس طرح پردہ اٹھایا کہ مستشرقین نے بھی ان کی بلند پایہ تحقیق کا اعتراف کیا، شاعر مشرق علامہ اقبال نے انھیں لکھا کہ ''عمر خیام پر آپ نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس پر اب کوئی مشرقی یا مغربی عالم اضافہ نہ کر سکے گا، الحمد للہ کہ اس بحث کا خاتمہ آپ کی تصنیف پر ہوا۔(۱)

حیات شبلی بہت مشہور ہے جو نہ صرف مولانا شبلی کی سوانح عمری، بلکہ ۱۹۵۷ء تک صوبہ متحدہ خصوصاً اس کے مشرقی اضلاع کی دو ڈھائی صدی کی علمی وتعلیمی تاریخ ہے، یہ کتاب سوانح نویسی ووقائع نگاری کا ایک جامع اور معیاری ومثالی نمونہ ہے، اس میں ایک فرد کے ساتھ کتنی ہی تحریکات اور ثقافتی حالات کا ایک جامع مرقع تیار ہو گیا ہے، اسی کے ساتھ منصفانہ سوانح نگاری کی بھی ایک اچھی مثال ہے۔

حضرت علامہ نے مستقل تصنیفات کے علاوہ جن میں سے ہر ایک ان کے ذوق تحقیق کی آئینہ دار ہے، مختلف موضوعات پر سینکڑوں محققانہ علمی، ادبی، مذہبی وتنقیدی مضامین بھی لکھے ہیں، جو الندوہ، الہلال اور معارف کے ہزاروں اوراق میں پھیلے ہوئے ہیں اور بہت سے مستقل رسالوں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں، مثلاً رسالہ اہل سنت والجماعت، بہادر خواتین اسلام، حیات امام مالک، خلافت اور ہندوستان اور اپنے استاذ علامہ شبلی کے تتبع میں زیادہ تاریخی مضامین لکھے، مثلاً ''مرہٹوں کا فوجی نظام'' ''عہد اسلام میں تعلیم نسواں کی درسگاہیں'' ''لاہور کا ایک فلکی آلات ساز خاندان'' ''عربوں کی بحری تصنیفات'' ''رومن کیتھولک کی چند من گھڑت کہانیاں'' ''برمک اور برمکھ واقدی''، پھر واقدی، تاج محل اور لال قلعہ کے معمار قنوج وغیرہ۔

اسی طرح آپ کے متعدد خطبات ہیں جو بہت مقبول ہوئے، مثلاً خطبات مدراس جو بہت مشہور ہے اس میں سیرت کا عطر وخلاصہ، عصری ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے آ گیا

(۱) ماہنامہ ریاض کراچی مارچ ۱۹۵۴ء

ہے، وہ عرصے تک سیرت نگاروں اور اسلامیات پر کام کرنے والوں کے لیے روشن چراغ کی اہمیت رکھے گا اور انہیں بحث ونظر کے لیے رہنما خطوط مہیا کرتا رہے گا۔

سید صاحب کے تحقیقی کارناموں میں ’’عربوں کی جہاز رانی‘‘، ’’عرب وہند کے تعلقات‘‘ اور ایک تاریخی خطبہ ’’لاہور کا ایک مہندس خاندان جس نے تاج محل اور لال قلعہ بنایا‘‘ اور ’’نقوش سلیمانی‘‘ بھی ہیں، جو چشم جستجو کے لیے سرمہ سلیمانی اور بیابان تحقیق کے لیے قندیل رہبانی کی مثال ہیں، یہ کتابیں مسلمان محققین کے لیے خاص طور پر سبق آموز ہیں کہ تحقیق کس بات کی، کس لیے کس طرح ہونی چاہئے، حضرت علامہ نے اپنی زندگی میں دینی، علمی اور تاریخی بے شمار کارنامے انجام دئے ہیں یہاں مختصر کارناموں پر اجمالی روشنی ڈالدی گئی ہے۔(۱)

سید صاحب ان باتوفیق اہل قلم میں تھے، جو پورے اخلاص کیساتھ ملت وانسانیت کی ذہنی وفکری رہنمائی اور کردار سازی کیلئے وقت کے حقیقی تقاضوں اور زمانہ کے ضروری مطالبوں کو سامنے رکھ کر قلم اٹھاتے ہیں اور ان کی ہر جنبش قلم حق وصداقت کی تائید یا باطل افکار وخیالات کی تردید وتنقید ہی کے لیے ہوتی ہے اور ان کے اخلاص کے ترکش سے نکلا ہوا ہر تیر نشانے پر بیٹھتا ہے اور ان کی ہر تجویز ذہن وعمل کی دنیا میں انقلاب عظیم پیدا کر دیتی ہے۔

سید صاحب کے اصل مخاطب مدارس اسلامیہ اور کالجوں، یونیورسٹیوں کے طلبہ اور فضلاء اور تعلیم یافتہ طبقہ ہے، جو کسی قوم کا ذہن ودماغ اور مغز وجوہر (CREAM) ہوتا ہے اور وہ قومی جسم میں قوت محرکہ کی حیثیت رکھتا ہے، سید صاحب نے ’’معارف‘‘ کے شذرات کے ذریعہ ذہن سازی اور تعمیر سیرت کا فرض جس احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کیا وہ ایک عظیم کارنامہ ہے، وہ ہر ماہ، ملت کو کسی نہ کسی اہم پہلو کی طرف متوجہ کرتے، حکمت عملی بتاتے، ترقی کے صحیح دینی اصول سمجھاتے اور متوقع یا پیش آمدہ خطرات

(۱) علامہ سید سلیمان ندوی، مصنفہ مولانا ابوعلی اثری: ناشر ندوۃ المحدثین گوجرانوالہ پاکستان تلخیص از ۱۱۲ تا ۱۱۹۔

وخدشات کی طرف سے آگاہ کرتے رہتے تھے، وہ حضرت عمرو بن العاص کی اس ہدایت کا مکمل نمونہ تھے، جس میں مومن کو ہمہ وقتی جنگی محاذ (رباط دائم) کا سپاہی کہا گیا ہے۔

ان کی اس فکرمندی وبالغ نظری اور احساس فرض اور اس کی انجام دہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے گذشتہ صدی کے نصف اول میں ملت کے تعلیم یافتہ طبقہ اور علماء کو خصوصیت سے متاثر کیا اور ان کی درمیانی خلیج کو بڑی حد تک پاٹ کر اسلامی معاشرہ میں ذہنی وعملی بیداری پیدا کی اور اسے کھوکھلے سیاسی نعروں کے پیچھے دوڑنے کے بجائے اپنے مقام وموقف اور مقصد کو پہچاننے اور مسلک سلف سے انحراف سے بچنے کا حوصلہ عطا کیا۔(۱)

دور علالت

سید صاحب کی علالت کا آغاز دراصل استسقائے قلبی کے عارضہ سے ہوا، جو ۱۹۴۵ء میں اعظم گڈھ میں لاحق ہوا تھا، ۸/دن تک لیٹنا تو درکنار بیٹھنا بھی محال ہو گیا تھا، رفتہ رفتہ بیٹھنے اور لیٹنے کے قابل ہو سکے، مگر اس مرض نے مستقل اثرات چھوڑے، مثلاً تنفس کی شکایت ہمیشہ کے لیے رہ گئی، بے خوابی کی شکایت بھی تقریباً قائم ہو گئی تھی۔

ان عوارض کا لازمی نتیجہ ضعف اعصاب تھا، ۴۹ء میں سفر حج سے واپسی پر جہاز میں طبیعت گراں ہوگئی اور گھر پہنچ کر صاحب فراش ہو گئے، علاج ومعالجے کے بعد طبیعت سنبھل گئی، اس کے بعد جون ۵۰ء میں کراچی تشریف لے گئے، وہاں کا موسم راس نہ آنے کے باعث صحت پھر گرتی چلی گئی، علاج کے بعد پھر صحت یاب ہو گئے اور اپنے علمی کاموں میں لگ گئے، ۵۲ء کی گرمیوں میں حکومت کے قائم کردہ بنیادی کمیٹی کا اجلاس نتھو یا گلی میں منعقد ہوا، حضرت کو بھی اس میں شرکت کرنی پڑی، ۸/ہزار فٹ کی بلندی ان کے لیے ناقابل برداشت ثابت ہوئی، تنفس کا شدید دورہ پڑا خون کا دباؤ بہت بڑھ گیا، غرض

(۱) تاریخ ندوہ جلد دوم صفحہ ۴۸۷۔

مرض کی نوعیت جان لیوا ثابت ہوئی، گو علاج بہت ہوئے لیکن کما حقہ افاقہ نہ ہوسکا۔

رحلت حضرت علامہ

انتظار کی مدت اب تمام ہوتی جارہی ہے اور کسی عارف کے بقول ؎

من زتن عریاں شدم او از خیال

می خرامم در نہایات الوصال

کا مرحلہ اب قریب ہے، اتوار ۱۴/ربیع الاول ۱۳۷۳ھ م ۲۲/نومبر ۱۹۵۳ء کی شب بس آنکھوں ہی آنکھوں میں گذری، پچھلی رات کو قلب کا ایک دورا پڑا، تنفس تیز ہوگیا، اہل وعیال پریشان ہو گئے، ڈاکٹروں کو تلاش کیا گیا لیکن رات کا وقت ہونے کی وجہ سے حضرت نے منع فرمایا، بفضلہٖ تعالی افاقہ ہوا اور اپنے اہل خاندان سے جی بھر کے باتیں کیں۔

شام وداع کا منظر

اتوار کا دن اب ختم ہونے کو ہے، مغرب کی نماز بیٹھ کر ادا فرمائی، نماز سے فراغت کے بعد تسبیح طلب فرمائی، تسبیح کی وجہ دریافت کی گئی، فرمایا کہ آج میں شوکت علی مرحوم کی سی نماز پڑھی ہے کہ وہ بھی اسی طرح بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے (آخری ایام میں بدن کے بھاری ہونے کی وجہ سے) اس کے بعد حضرت کو آرام کے لیے کہا گیا، آپ نے کہا بہت اچھا، یہ نطق سلیمانی کے آخری کلمات تھے، اس کے بعد داہنی کروٹ قبلہ رخ دائیں ہاتھ کو گال کے نیچے دبایا اور پاؤں سکیڑے، حضرت عین مطابق سنت لیٹ گئے اور آنکھیں بند فرمالیں، عینی مشاہدوں کے بقول سونے میں ایک ہلکا سا جھٹکا تنفس میں ایسا محسوس ہوا جیسے ہچکی آگئی ہو، چہرے پر دفعتہً خون کی لہر دوڑ گئی، اور طائر روح قفس عنصری سے پرواز

کر گیا، اس وقت شام کے ۶½ بجے تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

اگلے دن صبح ۸/بجے کے بعد غسل دینا شروع ہوا اور نماز جنازہ حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب نے پڑھائی اور تدفین علامہ شبیر احمد عثمانی کے قریب عمل میں آئی۔

انتقال کے بعد زعمائے قوم وملت کے تأثراتی کلمات

شیخ ابوالخیر سفیر شام- ہم کو علامہ کی موت سے دکھ ضرور ہوا، لیکن اس سے کہیں زیادہ اس کا دکھ ہوا کہ جو علوم وفنون ان کے سینے میں تھے، وہ بھی ان کے ساتھ دفن ہو گئے۔

مولانا عبدالشکور لکھنؤ- وہ نہ صرف علم وفضل بلکہ زہد وتقوی میں بھی ممتاز درجے کے مالک تھے۔

ڈاکٹر عبدالعلی حسنیؒ-تقریباً ۳۰/سال علامہ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، یہ مدت جتنی بڑھتی گئی اتنی ہی موصوف کے دل میں میری قدر بڑھتی گئی، میں نے ذاتی تعلقات میں انہیں شفیق بھائی پایا تو ندوۃ العلماء کے کاموں میں ان کی راتیں رضائے الٰہی کی طلب پر مبنی پائیں، اگر اختلاف رائے کی کبھی نوبت آئی تو میں نے ایک پابند شریعت اور کریم انسان پایا اور جلد وہ اختلاف رائے اشتراک عمل میں تبدیلی ہوگیا۔

مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے کہا- مرحوم مشرقی اور اسلامی لٹریچر کے ایک مقبول ترین اور تسلیم شدہ عالم تھے، اور اس کے لیے انہوں نے عظیم ترین خدمات سرانجام دی تھیں، جدوجہد آزادی کے دوران قوم پرستانہ نظریات اور خیالات کے دل وجان سے حامی تھے۔

بصیرت لاہور ۵۲ء-عہد حاضر کے فرزندان اسلام جن ممتاز اور نامور ہستیوں اور ان بڑوں پر بجا طور ناز کر سکتے ہیں ان میں سے ایک علامہ سید سلیمان ندوی بھی ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

ولادت:۱۲۶۹ھ مطابق ۱۸۷۹ء–وفات:۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۷ء

تمہید

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی برصغیر ہندوپاک کی گذشتہ صدی کی عظیم شخصیات میں ممتاز مقام کی حیثیت رکھنے والی چند عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے، امت اسلامیہ ہندیہ کی انہوں نے جو عظیم ملی خدمت انجام دی وہ اسلامی ہند کی تاریخ میں سنہرا باب سمجھی جائے گی، انہوں نے آزاد ہند کو ملت اسلامیہ کی آزادی اور سربلندی سمجھتے ہوئے اپنی دانشمندانہ مہارت سے سب کو فائدہ پہنچایا، اس طرح ملک کو جو صدیوں اسلامی قیادت میں رہا تھا، اور مغربی استعمار نے اس کو مسلمانوں سے چھین کر غلام بنایا تھا، آزادی دلانے میں نمایاں حصہ لیا، لیکن حضرت مولانا کی اس حیثیت سے بڑی شہرت ہوئی اور سب اس کے معترف ہیں لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تنہا یہی اہم خصوصیت نہیں رہی بلکہ باطنی سیرت وسلوک وتربیت میں بھی ان کا بڑا مقام رہا''۔

ولادت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ۱۹/شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء بمقام بانگرمئو ضلع اناؤں میں پیدا ہوئے، تاریخی نام چراغ محمد ہے، آپ کے چار بھائی اور بھی تھے، جن کے نام مولانا سید محمد صدیق، مولانا سید احمد، مولانا سید جمیل احمد اور مولانا سید

☆ یہ مضمون فکر انقلاب دہلی کے خصوصی نمبر بیاد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ بابت فروری ۲۰۱۳ء کیلئے لکھا گیا تھا۔

محمود تھے، بھائیوں میں آپ درمیانے تھے، آپ کی تین بہنیں بھی تھیں، ایک بہن کا نام زینب تھا، جو چار برس کی عمر میں فوت ہوئی، دوسری کا نام نسیم زہرا تھا، وہ بھی ڈیڑھ سال کی عمر میں فوت ہوئی، تیسری بہن کا نام ریاض فاطمہ تھا، جو ۲۴/سال کی عمر میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئیں۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مدنی کے والد سید حبیب اللہ قصبہ صفی پور ضلع اناؤں میں ہیڈ ماسٹر تھے، پھر بانگرمئو میں تبدیل کردئے گئے، جب حضرت مدنی پیدا ہوئے تو آپ کے والد بانگرمئو میں تھے، جب تین سال کی عمر کو پہنچے تو والد ماجد کی تبدیلی قصبہ ٹانڈہ میں ہوگئی، آپ نے ابتدائی تعلیم یہاں حاصل کی۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی اپنی تعلیم وتربیت اور ایام طفولیت کی سرگزشت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''مجھ کو ہوش وحواس آئے، تو میں نے اپنے آپ کو ٹانڈہ میں پایا، بانگرمئو بالکل یاد نہیں، والدین مرحومین کو اولاد کی تعلیم وتربیت کا غیر معمولی اور بہت زیادہ خیال تھا اور اس کے لئے والد مرحوم بہت زیادہ سختی کرتے تھے، ہر بچہ کو جب وہ چار برس کا ہوجاتا، پڑھنے کے لئے بٹھا دیتے تھے، نہ پڑھنے اور لکھنے پر خوب مارتے تھے، مجھ کو کھیلنے کا موقع آزادی کے ساتھ صرف چار برس کی عمر تک ملا ہے۔

آغاز شعور سے پابندی اور تربیت کا اہتمام

جب اس عمر کو پہنچا تو گھر میں والدہ مرحومہ کے پاس قاعدہ بغدادی اور اس کے بعد سپارہ پڑھنا پڑتا تھا، صبح ساڑھے نو بجے تک یہ قید اور پڑھائی گھر میں ہوتی تھی، اور ساڑھے نو بجے کھانا کھا کر والد مرحوم کے ساتھ اسکول میں جانا پڑتا تھا، اسکول کی تعلیم میں

بھی مدرسین اس زمانہ میں خوب مار پیٹ کرتے تھے، چار بجے شام تک اسکول میں مقید رہنا پڑتا تھا، اس کے بعد والد مرحوم کے ساتھ ہی گھر آنا ہوتا تھا، گھر پر بھی سخت قید تھی، باہر نکلنا، گاؤں کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنا، اس کی بالکل اجازت نہ تھی، اگر کبھی موقع پاکر نکل جاتا تو سخت مار پڑتی۔

بکری چرانے کی خدمت

والد صاحب نے ایک اچھی نسل کی بکری پال رکھی تھی، اسکول جاتے اور واپس آتے ہوئے اس کو اور اس کے بچوں کو ساتھ رکھنا پڑتا، چونکہ اسکول کا احاطہ بڑا تھا، وہ لمبی رسی میں باندھ دی جاتی تھی اور دن بھر اس طرح چرتی رہتی تھی، دیگر فارغ اوقات میں مکان کے قریب جنگل میں اس کو اور اس کے بچوں کو چرانا پڑتا تھا، اس طرح بچپن میں یہ سنت ادا کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی، پتنگ اڑانا، یا گیند کھیلنا، یا گلی ڈنڈا وغیرہ کھیلنا کبھی نصیب نہیں ہوا۔

آٹھ سال کی عمر میں علمی حذاقت اور تجربہ

الحاصل آٹھ برس تک اس طرح وطن میں قیام رہا، اس دوران پانچویں سپارہ تک والدہ مرحومہ سے اور پانچ سے اخیر تک والد مرحوم سے ناظرہ قرآن شریف پڑھا، اس کے بعد آمدنامہ، دستور الصبیان، گلستاں کا کچھ حصہ مکان پر پڑھنا ہوا، اور اسکول میں درجہ دوم تک پڑھنا ہوا، اس وقت اسکول میں فنون اور کتب زیادہ تھے، تمام اقسام حساب، جبر و مقابلہ تک مساحت اور اقلیدس مقالہ اولی تمام جغرافیہ عمومی خصوصی، تاریخ عمومی و خصوصی، مساحت علمی (تختہ جریب وغیرہ سے زمین ناپ کر باقاعدہ نقشہ بنانا) تحریر املا، ہر چیز میں اس قدر مہارت ہو چکی تھی کہ از بر بخوبی جواب دے سکتا تھا۔

دیوبند میں سب سے پہلی حاضری

جب عمر کا تیرہواں سال شروع ہوا تو بھائی سید احمد مرحوم دیوبند چلے گئے، بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد صدیق پہلے سے دیوبند میں آخری کتابیں پڑھ رہے تھے، اب ہم مکان پر اس حیثیت سے آزاد ہو گئے کہ ہم کو ڈھونڈ کر گھروں سے نکال لانے اور والد مرحوم کے سامنے پیش کر دینے والا کوئی نہیں رہا، طبیعت میں کھیل کود کا شوق تھا، اس وجہ سے والد صاحب نے مارا پیٹا بھی زیادہ، مگر بے سود معلوم ہوا، دو چار دن مار کا اثر رہا، پھر وہی کھیل کود کا شوق سوار ہوا، بالآخر والد صاحب نے طے کر لیا کہ اس کو یہاں نہ رکھنا چاہئے بلکہ دیوبند بھیج دینا چاہئے، چنانچہ بھائیوں کی تین مہینہ روانگی کے گزرنے کے بعد منشی فیروز الدین بٹالوی مرحوم کے ساتھ دیوبند بھیج دیا، چنانچہ اوائل صفر ۱۳۰۹ھ میں ان کے ساتھ دیوبند پہنچ گیا، اور اپنے بھائیوں کے زیر سایہ انہیں کے کمرہ میں حضرت شیخ الہند قدس سرہ العزیز کے مکان کے قریب رہنے لگا، یہ کمرہ حضرت کی مسجد کے سامنے کوٹھی میں واقع تھا۔

مولانا خلیل احمد سے درسی کتب کا آغاز

یہاں پہنچنے کے بعد گلستاں اور میزان شروع کی، بڑے بھائی صاحب نے حضرت شیخ الہند سے درخواست کی کہ آپ تبرکاً اس کو دونوں کتابیں شروع کرا دیں، مجمع میں حضرت مولانا خلیل احمد مرحوم اور دوسرے اکابر علماء موجود تھے، حضرت شیخ الہند نے مولانا خلیل احمد سے فرمایا کہ آپ شروع کرا دیں، چنانچہ انہوں نے ہر دو کتابوں کو شروع کرا دیا، اور پھر بھائی صاحب نے میزان، منشعب پڑھائی، اگرچہ عمر کے لحاظ سے تیرہ سال کا تھا لیکن دبلا پتلا اور پستہ قد کہ دیکھنے میں گیارہ سال کا نظر آتا، اس وجہ سے مجھ پر شفقت زیادہ کی گئی۔

دیوبند پہنچنے کے بعد وہ ضعیف سی کھیل کود کی آزادی جو کہ مکان پر تھی، وہ بھی جاتی رہی، دونوں بھائی صاحبان بالخصوص بڑے بھائی صاحب سب سے زیادہ سخت تھے، خوب مارا کرتے تھے، اس تقید اور نگرانی نے مجھ میں علمی شغف زیادہ سے زیادہ اور لہو ولعب کا شغف کم سے کم کر دیا۔ (تلخیص نقش حیات صفحہ ۵۲ تا ۵۵)

اپنے استاد سے عشق ومحبت

شیخ الاسلام حضرت مدنی بھی اپنے اساتذہ کا حد درجہ احترام کرتے، خصوصاً حضرت شیخ الہند سے تو ان کو بے حد محبت گرویدگی اور تعلق خاطر تھا، انہیں حضرت شیخ الہند کی شاگردی پر فخر وناز تھا، جب بھی اپنے اساتذہ کا تذکرہ کرتے تو حضرت شیخ الہند کا بڑے شاندار الفاظ سے تذکرہ فرمایا کرتے تھے بلکہ ہر مجلس اور ہر محفل میں کسی نہ کسی طرح حضرت شیخ الہند کے تذکرہ کی راہ نکال لیا کرتے تھے، شیخ الہند سے عشق ومحبت اور جذبہ خدمت کی برکت تھی، بلکہ یہی سعادت مندی تھی کہ اللہ تعالی نے شیخ الاسلام حضرت مدنی کے علم میں برکت ڈال دی تھی اور پوری دنیا میں ان کے علم کا ڈنکا بجتا رہا۔

رفاقت زنداں

حضرت شیخ الہند نے جیل میں شیخ الاسلام حضرت مدنی سمیت اپنے جانثاروں (حضرت شیخ الہند کے ساتھ چار جانثار خادم تھے) کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ”انگریزی گورنمنٹ نے مجھ کو تو مجرم سمجھا ہے، تم تو بے قصور ہو، اپنی رہائی کی کوشش کرو، مگر تمام نے یہی جواب دیا، حضرت! جان چلی جائے گی، مگر آپ کی خدمت سے جدا نہیں ہوں گے......

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

ایام اسیری میں صدمات

شیخ الاسلام حضرت مدنی جب مالٹا میں اسیر تھے تو آپ کے خاندان کے سات افراد فوت ہو گئے، فرید الوحیدی اپنی کتاب ”شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ایک تاریخی وسوانحی مطالعہ“ میں رقم طراز ہیں:

قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہرگز
گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

”شیخ الاسلام حضرت مدنی جب مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے، تو بھرا پورا خاندان اور بسا بسایا گھر چھوڑ کر نکلے تھے، سفر صرف دو چار دنوں کا اور انتظام مختصر سی جدائی کا تھا، مگر مقدر کی بات کہ سفر طویل ہوتا گیا، گرفتاری ہوئی، مصر کی جانب روانگی ہوئی، سزا ہوئی، پھانسی کی خبریں گرم ہوئیں، مالٹا کی قید واسارت پیش آئی، استاد کی قربت اور ان کی پدرانہ شفقت نے ہر مشکل آسان اور ہر مصیبت قابل برداشت بنادی تھی، قید وبند کی سختیاں، صبر وشکر کے ساتھ جھیل رہے تھے۔

ایک دن کئی ہفتوں کی رکی ہوئی ڈاک ملی اور اس کے ہر خط میں کسی نہ کسی فرد خاندان کی وفات کی خبر درج تھی، اس طرح ایک ہی وقت میں باپ، جواں سال بچی، ہونہار بیٹے، جانثار بیوی، بیمار والدہ اور دو بھاوجوں سمیت سات افراد خاندان کی موت کی جانکاہ خبر ملی، موت تو برحق ہے، مگر جن حالات میں اور جس مجبور ماحول میں یہ اطلاعیں ملیں تھیں، انہیں برداشت کرنے کے لئے پہاڑ جیسا کلیجہ چاہئے تھا:

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر اک زندگی مستعار رکھتے ہیں

جیل میں قرآن یاد بھی کیا اور شیخ الہند کو سنا بھی دیا

شیخ الاسلام حضرت مدنی اپنے محبوب استاذ حضرت شیخ الہند کی خدمت میں ہمیشہ حاضر باش رہے، خصوصاً مالٹا کی جیل میں جی بھر کر دن رات خدمت کر کے اپنے استاذ کے مواہب وکمالات کشید کر لئے، حضرت مدنی مالٹا کی جیل کی رفاقتوں کی داستان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''مجھ کو زمانہ طالب علمی ہی سے شوق تھا کہ قرآن مجید حفظ کرلوں، مگر بدقسمتی سے کبھی ایسا فارغ وقت نہیں ملا تھا کہ اس مراد کے حصول کی کوئی صورت ہوتی، مدینہ منورہ میں بڑی مشکلوں سے سورہ بقرہ اور آل عمران کئی دفعہ یاد کیں، مگر سنبھال نہ سکا اور بھول گیا، جب طائف پہنچا پھر اس کو دہرایا اور سورہ نساء، المائدہ او رالانعام یاد کرلیں، مگر جب مکہ آنا ہوا، پھر بھول گیا، کثرت اشتغال نے مہلت نہ دی کہ آگے بڑھتا یا ان ہی کی حفاظت کرتا، مالٹا پہنچ کر پھر از سر نو شروع کیا، چند دن تو وہاں کے انتظامات وغیرہ میں خرچ ہوگئے، اس کے بعد تقریباً نصف جمادی الاولی سے آخر شعبان تک پندرہ پارے یاد ہوگئے، چونکہ فارغ وقت فقط ظہر کے بعد ڈھائی گھنٹے یا اس سے بھی کم ملتا تھا، اس لئے زیادہ یاد نہ ہوسکا، جب رمضان المبارک کا مہینہ آیا، حضرت الاستاد شیخ الہند نے فرمایا کہ نوافل میں سنانا چاہئے، چنانچہ ہر شب میں تراویح کے بعد نوافل میں سنا کرتے تھے (تراویح الم ترکیف سے ہوا کرتی تھیں کیونکہ ہمارے پڑوسی عرب زیادہ دیر تک کھڑے نہیں ہوسکتے تھے) رمضان شریف کے بعد پھر آگے یاد کرنا شروع کر دیا، مگر اس مدت میں مدینہ منورہ میں والد مرحوم کی خبر وحشت اثر اور دیگر کنبہ والوں کے رنج دہ واقعات نے تشویش بہت زیادہ کی، تاہم فضل وکرم خداوندی سے تقریباً دس ماہ میں صفر تک پورا قرآن ختم ہوگیا، پھر روزانہ دور کر کے محفوظ رکھا اور دوسرے رمضان شریف میں حضرت شیخ الہند نے سن لیا''۔

بعض واعظین اور خطیب حضرات زیب داستاں کے لئے آپ کے حفظ القرآن کے قصہ کو صرف ماہ مبارک کا واقعہ بتاتے ہیں، جو سراسر غلط او رکذب ہے، یہ ایک ماہ میں یاد نہیں ہوا، دس ماہ میں ہوا اور یہی حقیقت ہے۔

شیخ الہند کی خدمت فریضہ منصبی سمجھا

مالٹا میں دن رات برفیلی ہوائیں چلتی تھیں، رات کو باوجودیکہ ہم اپنے اپنے کپڑوں کو پہنے ہوئے دو دو کمبل اور ایک چادر اوڑھے ہوئے گدوں پر ایک کمبل بچھائے ہوئے سوتے تھے، مگر دو ڈھائی بجے رات کو شدت سردی کی وجہ سے نہ نیند آتی اور نہ اٹھنے کی ہمت ہوتی، صبح کے وقت مجبور ہوکر نماز کے لئے اٹھنا پڑتا تھا، تو خیمے سے سر نکالنا ایک عذاب الیم کا سامنا ہوتا تھا، سرد ہوا کے اس زور کے تھپیڑے لگتے تھے کہ معلوم ہوتا کہ جسم کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔

عرب کیمپ میں پختہ کمروں اور مکان میں قیام ہوا اور خیموں سے نجات ملی، تاہم مالٹا کی شدید سردی میں حضرت شیخ الہند کے لئے چوبیس گھنٹے گرم پانی کا انتظام رکھنا ضروری تھا، دن میں تین مرتبہ ناشتے میں اور صبح وشام کھانے کے بعد چائے بنتی تھی، اس کے علاوہ بعض اوقات ملاقاتیوں او ردوسرے کیمپوں سے حضرت شیخ الہند کی زیارت کے لئے آئے ہوئے قیدیوں کے لئے چائے وغیرہ کا انتظام بھی کرنا پڑتا تھا، روزانہ علی الصبح ناشتہ تیار کرنا اور دونوں وقت کھانا پکانا مشقت طلب مشغولیتیں تھیں، تمام ضروری خدمتوں کو انجام دینا میرا فرض منصبی تھا، ہر کام کی باگ ڈور میں نے اپنے ہاتھ میں لے لی تھی، دوسرے رفقاء نے بسا اوقات معارضہ کیا اور کاموں کے بعض یا اکثر حصے اپنے ہاتھ میں لینے کی خواہش کی، بعضوں نے نوبت مقرر کرنے کی خواستگاری کی، مگر میں نے مخالفت کی اور یہی کہا کہ میرے فرض منصبی میں آپ لوگوں کو دخل نہیں دینا چاہئے''۔ (اسیر مالٹا صفحہ ۷۹)

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی نے حضرت مدنی کی ایک جامع سوانح ''چراغ محمد'' کے نام سے لکھی، اس میں حضرت قاضی صاحب لکھتے ہیں: ''اپنے شیخ حضرت شیخ الہند کے ہمراہ جب حضرت مدنی مالٹا سے ہندوستان تشریف لائے تو یہاں کے حالات وواقعات کا نقشہ سراسر بدل چکا تھا، حضرت مدنی جب گرفتار ہوئے تو وطن آباد تھا، خاندان پھیلا پھولا ہوا اور آباد تھا، باپ بھائی بھاوجیں اہل وعیال اور گھربار اطمینان وعافیت سے آباد تھے، زندگی کا چمن سرسبز وشاداب تھا، اب ساڑھے تین برس کے بعد رہا ہوئے تو وطن لٹ چکا تھا، گھر اور خاندان اجڑ گیا تھا، ماں باپ اہل وعیال ختم ہو چکے تھے، چالیس بیالیس سال کی عمر تھی، گھر تھا، نہ در تھا، نہ خاندان باقی رہا تھا، نہ اہل وعیال زندہ بچے تھے''۔

چھٹے اسیر تو بدلا ہوا زمانہ تھا
بہار تھی، نہ چمن تھا، نہ آشیانہ تھا

حکم شیخ کی تعمیل کو ترجیح دی

حضرت شیخ الہند نے اپنی وفات سے پہلے حضرت مدنی کو کسی اہم کام کے لئے کلکتہ جانے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ خدمت میری خدمت سے زیادہ اہم اور بامقصد ہے، آپ نے بادل نخواستہ حکم کو ترجیح دی اور کلکتہ روانہ ہو گئے، شیخ الہند کے حقیقی بھتیجے مولانا راشد حضرت مدنی کو کلکتہ روانہ کرنے کا چشم دید حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ الہند کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، آپ نے حضرت مدنی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے تمام جسم پر پھیرا اور دعائیں دے کر خدا حافظ کہا، حضرت مدنی جانے کے لئے

مڑے، پانچ دس قدم چلے تو استاد نے شاگرد کو آواز دی سینے سے لگایا، سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا جاؤ، تم کو اللہ کے حوالے کیا، اس وقت ماحول پر عجیب کیفیت طاری تھی اور حاضرین خاص قسم کی برکات وفیوض کا وجود محسوس کر رہے تھے، اہل تصوف اپنی اصطلاح میں ایسے موقع کو نسبت خصوصی کی منتقلی کا لمحہ بیان کرتے ہیں''۔

یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

حضرت مدنی کی جو کیفیت تھی، وہ بیان نہیں ہوسکتی کہ جس آقا کی خدمت میں سب کچھ نثار کر دیا، اب اس کو بستر علالت پر نہیں بستر رحلت پر چھوڑ کر جانا بہت مشکل تھا، لیکن عاشق حکم کا غلام ہوتا ہے، وہ بزبان حال وقال کہتا ہے:

ہجر اچھا ہے نہ عاشق کو وصال اچھا ہے
یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

کچھ ایسا ہی منظر یہاں بھی تھا، جب حضرت مدنی کلکتہ روانہ ہوئے، وہاں پہنچے، کچھ دن کے بعد حضرت شیخ الہند وصال فرما گئے، حضرت مدنی کو وفات کی اطلاع دی گئی، حضرت مدنی خود فرماتے ہیں: ''میں صبح کو تقریباً ۹؍ بجے دیوبند پہنچا، حضرت شیخ الہند کے در دولت پر پہنچا، تو دیکھا کہ لوگ دفن سے فارغ ہو کر واپس آرہے ہیں، اپنی بدقسمتی اور بے چارگی پر انتہائی افسوس ہوا کہ باوجود سالہا سال حاضر باشی کے شرف کے آخری وقت میں نہ وفات کے وقت حاضر رہا اور نہ دفن میں شرکت کر سکا، کلیجہ پکڑ کر رہ گیا''

حاضری کی رت بدلی ہوئی تھی

قارئین! اس کیفیت وحالت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، جو ایک ایسے جانثار، محبّ اور عاشق زار کو اس وقت پیش آئی ہوگی، جس نے اپنی اولاد، اپنا خاندان، اپنا آرام، اپنی

جوانی جس ذات کے لئے وقف کر رکھی تھی ، نہ تو اس کے آخری غسل میں شریک ہوسکا، نہ تجہیز وتکفین اور نہ نماز جنازہ میں، اردو کے ایک شاعر کی مندرجہ ذیل رباعی ایسی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے:

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل تھا تجمل تھا
ہزاروں بلبلوں کی فوج تھی ایک شور تھا غل تھا
جب آئے دن خزاں کے کچھ نہ تھا جز خار گلشن میں
بتا تا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

یہ شعر بھی مناسب حال ہے:

وائے ناکامی نہ پوچھو عاشق دل گیر سے
ایک دل رکھتا تھا وہ بھی چھن گیا تقدیر سے

اب حاضری کی رت بدلی ہوئی تھی، قسمت پلٹی ہوئی تھی ، دکان معرفت ومکتب علم وعرفاں بند ہو چکا تھا، مطب روحانی اجاڑ تھا، شفاء کے بجائے حسرت شفا، دوا کی جگہ یا داور مکین کے عوض صرف مکان:

بتا تا باغباں رورو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

شیخ الہند کی خدمت کی برکتیں

مولوی ہدایت اللہ میاں چنوں ضلع ملتان راوی ہیں کہ میں نے حضرت مدنی سے ایک دفعہ پوچھا کہ حضرت! آپ ساڑھے چار سال حضرت شیخ کی خدمت میں رہے کہ آپ کی اس صحبت میں کوئی دوسرا حائل نہ ہونے والا نہیں تھا؟ آپ نے اس دوران میں بہت کچھ حاصل کیا ہوگا، تو آبدیدہ ہوکر فرمانے لگے:

مولوی صاحب! میں نکما تھا، کچھ حاصل نہیں کرسکا، میں نے پھر بار بار عرض کیا تو فرمایا

کہ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ میں نے نیند پر قابو پالیا، اب جب خیال آئے، سو جاتا ہوں اور جس وقت اٹھنا چاہوں، بیدار ہو جاتا ہوں، پانچ دس منٹ کے لئے بھی سوسکتا ہوں، ارادہ کروں تو نیند آ جاتی ہے، اور اس قسم کی بہت سی حکایتیں حضرت مدنی کے متعلق مشہور ہیں کہ کسی جگہ گئے، وہاں پانچ منٹ فرصت ملی، سو گئے اور خود بخود اٹھ کھڑے ہوئے، بہر حال نہ صرف نیند پر قابو پانا یہ حضرت استاد کی خدمت کرنے سے حاصل ہوا بلکہ معرفت کے وہ دریا ہضم کئے ہوئے تھے جس کا ایک جرعہ بھی بے خود کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ (بیس بڑے مسلمان)

صدیقی نسبت

حضرت شیخ الہند کے تمام شاگردان رشید میں سے استاذ العرب والعجم، مہاجر مدینہ، وارث علوم قاسمی شیخ الاسلام السید حسین احمد مدنی قدس سرہ کو حضرت شیخ الہند سے وہی نسبت ہے، جو (بلاتشبیہ) خلیفہ بلافصل، مزاج شناس نبوت، جانشین رسول سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو امام الاولین والآخرین، خاتم النبیین سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اور یہ رائے ہے آپ کے ایک ہم عصر ورفیق درس حضرت میاں اصغر حسین قدس اللہ سرہ کی ،جس کا اظہار انہوں نے ''حیات شیخ الہند'' میں کیا ہے۔

یہ سعادتیں حضرت مدنی کا مقدر تھیں

اسارت مالٹا کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کلکتہ میں دار العلوم قائم کرتے ہیں، خواہش یہ ہے کہ صدارت حضرت شیخ الہند قبول فرمالیں، مقاصد ملی کی خاطر شیخ الہند کو انکار نہیں، لیکن علالت ونقاہت مانع ہے، نتیجتاً اسی محبوب شاگرد کو اشارہ ہوتا ہے وہ تیار ہوجاتے ہیں، بقول حکیم عبد الجلیل مرحوم استاد مکرم شاگرد عزیز کو رخصت کرنے لگے

تو غایت ضعف کے سبب اٹھ نہ سکے، لیٹے لیٹے حضرت مدنی کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑا سر پر رکھا، چوما، آنکھوں سے لگایا سارے بدن پر پھیرا۔

بتلائیں دنیا میں کسی استاذ نے شاگرد کے ساتھ شفقت وکرم کا یہ معاملہ کیا؟ ہاں اصل قصہ یہ ہے کہ ایسا شاگرد بھی تو کسی کو نہیں ملا، یہ سعادتیں حضرت مدنی کا مقدر تھیں، مولانا مدنی اشکبار آنکھوں سے رخصت ہوگئے، استاد مکرم کی حالت کا احساس ایک طرف، امتثال امر کا معاملہ دوسری طرف، چلے تو گئے کہ حکم آقا تھا، لیکن کلکتہ پہنچنے سے پہلے حضرت شیخ الہند اس دنیا سے رخصت ہوجاتے ہیں، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

آخری لمحات کی خدمت سے محروم ہوگئے، آخری زیارت نصیب نہ ہوئی، جنازہ مقدر میں نہ تھا، لیکن کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملا کہ حسین احمد نے استاد کا آخری حکم ٹالا، شاید اس لئے قدرت کو حسین احمد پر پیار آگیا اور اسے ہمیشہ کے لئے پہلوئے محمود میں لٹا دیا۔

حضرت شیخ الہند سے اسی نسبت وتعلق کا تو ہی صدقہ تھا کہ قاسمی ورشیدی موجہائے رحمت سے سیراب ہونے والے سبھی اکابر واصاغر آپ کو اپنی آنکھوں کا تارا سمجھتے۔

میرے استاد کے جانشین

۱-ایک مرتبہ حضرت مولانا مدنی تھانہ بھون تشریف لائے، حضرت تھانوی کا نظام العمل سامنے تھا، اس کی رو سے ملنے کا وقت نہ تھا، آپ مسجد میں لیٹ گئے، لیکن حکیم الامت قدس سرہ کو پتہ چلا، بھاگم بھاگ تشریف لائے، فرمایا کہ آپ نے کیا غضب کیا، فرمایا آنے کا وقت نہ تھا، حضرت تھانوی نے فرمایا وقت کی قیودات دوسروں کے لئے ہیں، آپ کے لئے نہیں، چنانچہ ہمراہ لے گئے، اصرار سے اپنی مسند پر بٹھایا اور فرمایا............ بھائی! آپ تو میرے استاد کے جانشین ہیں'' مزید یہ کہ ایک تھان ململ کا منگوا کر نذر کیا، حضرت شیخ الاسلام نے احتراماً سر پر رکھا، چوما اور فرمایا حضرت! آپ کو

معلوم ہے کہ میں نے ولائتی مال کا بائیکاٹ کر رکھا ہے، اتنا ہی فرما پائے تھے کہ مولانا تھانوی نے وہ واپس لے کر گاڑھے کا تھان بڑے گھر سے منگوا کر نذر کیا، باہمی احترام کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہوسکتی ہے، نیز جانشین شیخ الہند کا اس سے بڑھ کر ثبوت کیا ہوگا؟

۲-حضرت شیخ الہند کے خادم خصوصی، رفیق مالٹا، مولانا عزیز گل نے اپنے تعزیتی پیغام میں آپ کو جانشین شیخ الہند لکھا۔

۳-حضرت العلامۃ الشیخ مولانا شبیر احمد عثمانی اپنے ایک خط میں آپ کو لکھتے ہیں (حضرت مدنی کے خط کا جواب لکھتے ہوئے) سچ تو یہ ہے کہ یہ مکتوب میرے نزدیک جناب محترم کی سیادت وشرافت اور جانشینی استاذ مرحوم کا مرقع ہے، آپ کے بزرگانہ اخلاق سے ہم نیاز مند یہی توقع رکھتے ہیں۔

۴-خان عبدالغفار خاں صاحب جنہیں حضرت شیخ الہند سے باقاعدہ بیعت کا شرف حاصل ہے، اور جو بقول حضرت شیخ الہند کے خصوصی تعلق والے تھے (نقش حیات) دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے جلسہ تعزیت میں تشریف لائے اور فرمایا: ''حضرت شیخ الاسلام کے سانحہ ارتحال سے ہندوستان ایک عظیم شخصیت سے محروم ہوگیا اور ہم سے حضرت شیخ الہند کے جانشین جدا ہوگئے''۔

۵-مولانا خورشید عالم نگینویؒ فرماتے ہیں کہ ''حضرت شیخ الہند کے فراق سے مرجھائے ہوئے دلوں نے آپ کو جانشین شیخ الہند کہہ کر اور سمجھ کر تازگی حاصل کی، مجھے خوب یاد ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد جب آپ کلکتہ سے دیوبند تشریف لائے، تو خلافت کمیٹی نے تعزیتی جلسہ میں آپ کو بطور جانشین شیخ الہند متعارف کرایا''۔

اہلیہ کی تدفین سے فراغت کے بعد درس بخاری

شیخ الاسلام حضرت مدنی اکثر کوشش فرماتے کہ سبق کا ناغہ نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ آپ

کے آفتاب علم کی ضیاپاشیوں سے لاکھوں طالبان علوم حدیث کے قلوب منور ہوئے۔

داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے
گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

مولوی حکیم ضیاء الدین صاحب (ہردوئی) بیان کرتے ہیں کہ جب صاحبزادہ مولانا سید اسعد صاحب کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوا تو بعد فراغت تدفین حضرت کے آستانہ پر کل اساتذہ اور عمائدین مجتمع ہوئے، حضرت نے کچھ دیر کے بعد دارالحدیث کا رخ فرمایا، مجمع میں ہلچل پڑگئی، تمام حضرات نے سمجھایا کہ حضرت اس وقت درس ملتوی فرمادیجئے، صدمہ بالکل تازہ ہے، اور اس سے دل ودماغ کا متاثر ہونا قدرتی امر ہے، مگر حضرت نے دارالحدیث میں پہنچ کر بخاری شریف کا درس شروع فرمادیا، صدر مہتمم مولانا شبیر احمد عثمانی نے جاکر دوبارہ سمجھانے کی کوشش فرمائی، لیکن صرف یہ جواب تھا کہ ذکر اللہ سے بڑھ کر اطمینان قلب اور کس چیز سے حاصل ہوسکتا ہے؟۔ (شیخ الاسلام نمبر صفحہ ۷۵)

زندگی کے آخری اسباق

مولانا افضال الحق قاسمی رقمطراز ہیں: ''شیخ الاسلام حضرت مدنی ۲۸ محرم الحرام ۱۳۷۷ھ کو بخاری شریف جلد اول کا سبق پڑھا کر اٹھے تو فرمایا: ''تم لوگ سبق میں سوتے ہو اور میری ٹانگیں سوتی ہیں، اسی دن سے حضرت کی نقل وحرکت مکان تک محدود ہوکر رہ گئی اور طلباء درس کو پھر آپ کے فیض سے استفادہ کا موقع نہ مل سکا، اس سال حضرت نے کل تریسٹھ سبق پڑھائے، بخاری شریف جلد اول میں ایک چلہ یعنی چالیس یوم پورے ہوگئے تھے، اور بخاری شریف جلد ثانی کے تیئیس اسباق پڑھائے تھے، حضرت کی زندگی کے یہ آخری اسباق تھے، حضرت کے خلف اکبر مولانا اسعد صاحب مدنی مدظلہ کی جانفشانی اور حضرت مہتمم صاحب

مدظلہ کے حسن انتظام سے شیخ الاسلام حضرت مدنی کی سینتیس درسی تقاریر ریکارڈ کرلی گئیں، جو آنے والے طلبہ کے لئے انشاءاللہ یادگار علمی سرمایہ ثابت ہوں گی۔

درس حدیث میں خصوصیات

شیخ الاسلام حضرت مدنی نے کئی سال تک مسجد نبوی میں درس حدیث دیا، آپ کے حلقہ درس میں علماء کی کثرت ہوتی تھی، مدینہ منورہ میں حضرت مدنی کا طرز تدریس امعان وتعمق کا ہی ہوا کرتا تھا، اور دارالعلوم دیوبند میں جب صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی مسند سنبھالی تو ابتداء میں چھ ماہ تک بطریق امعان وتعمق حدیث کا درس دیا کرتے تھے، پھر سال کے آخری تین چار مہینوں میں بحث وحل کے طرز پر اکتفا کیا کرتے تھے، محدثین کے ہاں سماع کے دو طریقے رائج ہیں ''سماع عن الشیخ اور قرأۃ علی الشیخ'' حضرت مدنی کے ہاں دونوں طریقے رائج تھے، سال کی ابتداء میں عموماً شاگردوں میں سے کوئی شاگرد حدیث پڑھتا اور حضرت مدنی حدیث کی تشریح فرمادیا کرتے اور سال کے آخر میں حضرت مدنی خود قراءت حدیث کرتے اور شاگرد سنتے رہتے، ذیل میں حضرت مدنی کے درس حدیث کی خصوصیات اور جھلکیوں کا نمونہ پیش خدمت ہے۔

۱- حضرت مدنی کی تقریر بہت صاف اور اس کی رفتار بہت آہستہ ہوتی تھی، ایک ایک کلمہ اور ہر کلمہ کا ایک ایک حرف نہایت متین آواز میں زبان مبارک سے نکلتا اور سننے والے کو مطمئن کردیتا، مشکل مقامامت کو سادہ مثالوں سے حل کرتے، اس لئے ذہین طلبہ تو مستفید ہوتے، غبی طلباء بھی اپنی استعداد کے مطابق مستفید ہوجاتے۔

۲- جب کسی مسئلہ میں حدیث کی توجیہہ بیان کرتے اور توجیہات متعدد ہوتیں تو ان کو شمار کرکے بیان فرماتے۔

۳- سال کے ابتداء میں صحیح بخاری وجامع ترمذی میں سے ہر ایک کتاب کو شروع

کرتے وقت مصنف کتاب تک اپنی سند بیان کر دیتے اس سند کے تین حصے تھے، حضرت مدنی سے شاہ محمد اسحاق تک، شاہ محمد اسحاق سے شیخ عمر بن طبرزد بغدادی تک، عمر بن طبرزد سے امام ترمذی تک۔

۴- حضرت مدنی اپنی تصنیف ''نقش حیات'' میں لکھتے ہیں، میں نے اپنی ہمیشہ سے یہ عادت رکھی تھی کہ جب کسی پیغمبر کا اسم گرامی آئے تو علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام یا علیہ السلام کہوں، اگر کسی صحابی کا نام تنہا آئے تو رضی اللہ عنہ کہوں، اگر سند حدیث میں دوسرے اکابر کے ساتھ آئے تو رضی اللہ عنہ وعنہم کہوں، اگر ائمہ مذاہب اور علماء اولیاء سلف کا نام تنہا آئے تو رحمہ اللہ علیہ اور چند کا نام آئے تو رحمہم اللہ کہوں، خواہ وہ اپنے مذہب کے ہوں یا شافعی، مالکی اور حنبلی وغیرہ کے ہوں، بشرطیکہ اہل سنت والجماعت ہوں، دوران درس حدیث تصوف کے بہت سے مسائل کو بھی بیان فرماتے تھے۔

طلبہ کی ناز برداریاں

حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی اپنے تأثرات بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

حضرت مدنی یوں تو سب ہی کے لئے ہمہ وقت سراپا شفقت ورحمت تھے، لیکن دوران درس یہ صفت اپنے منتہیٰ کو پہنچی ہوئی نظر آتی تھی، طلبہ کے لئے ان کے ہر جا وبے جا سوالات نیز تک اور بے تک کے اعتراضات کے جوابات نہایت انبساط اور خندہ پیشانی کے ساتھ دیتے اور بیچ بیچ میں کبھی کبھی کسی خوش نصیب سے مزاح بھی فرمالیتے، خاص طور پر رات کے وقت سبق پڑھاتے ہوئے یہ وصف اتنا بڑھ جاتا کہ تھوڑے وقفہ کے بعد مجلس درس قہقہہ زار بن جاتی، خاص طور پر جب کسی طالب علم کے بارے میں حضرت کو مطلع کیا جاتا، یا وہ خود دیکھ لیتے کہ فلاں اونگھ یا سو رہا ہے، تو حضرت نہایت ظریفانہ انداز میں بآواز بلند اس طالب علم کا نام لے کر مخاطب فرماتے اور حکم دیتے کہ اٹھئے جائیے وضو

کیجئے، اگر کوئی گہری نیند میں ہوتا تو اسے صدر النائمین جیسے القاب سے یاد کیا جاتا۔

طلبہ کو بھی اپنے شیخ اور انکے درس حدیث سے عشق تھا

بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ حضرت مدنی دور دراز کے پر مشقت سفر سے تھکے ہارے واپس آتے اور تھوڑی دیر بھی آرام کئے بغیر دار العلوم آجاتے، گھنٹہ بجتا، طلبا جمع ہوجاتے اور سبق شروع ہوجاتا، حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ وہ طالب علم کسی مٹی کے بنے ہوئے تھے، جو گرمیوں کے دنوں کی لو اور جھلسا دینے والی دھوپ کے بعد آنے والی راتوں کی ٹھنڈی ہواؤں کو نظر انداز کر کے اور جاڑوں کے گرم گرم لحافوں کو چھوڑ کر آنکھیں ملتے اور نیند کو بھگاتے ہوئے گھنٹے کی آواز سنتے ہی شیخ کے درس میں حاضر ہوجاتے تھے، شیخ تو اپنے احساس فرض وذمہ داری سے مجبور ہوکر اپنے آرام کو تجتے تھے، لیکن ان کے شاگردوں کے دل میں کونسا جذبہ کارفرما تھا کہ وہ اپنے شیخ کی آمد کی اطلاع پاتے ہی کچھ نیندوں سے جاگ کر دوڑتے بھاگتے درس گاہ میں پہنچ جاتے تھے، ایسا ہونا بلکہ بار بار ہونا کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتا کہ ان کو اپنی میٹھی نیند سے زیادہ اپنے شیخ کی زیارت ان کی مصاحبت اور درس میں شرکت محبوب تھی۔

بخاری شریف متناً وسنداً یاد تھی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق کا بیان ہے کہ استاذ المکرّم شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، ایک مرتبہ بخاری پڑھا رہے تھے کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری دار الحدیث میں تشریف لاکر طلباء کے ساتھ شیخ کے پس پشت بیٹھ گئے، حضرت مدنی اس وقت بخاری کی عبارت خود بھی پڑھ رہے تھے اور اس پر بحث بھی کر رہے تھے اور ان کے پاس بجائے بخاری کے قسطلانی کی باریک حروف کا نسخہ تھا جو

آسانی سے نظر نہیں آتا تھا، تقریباً دو گھنٹے سبق پڑھا کر جب فارغ ہوئے، حضرت لاہوری سے ملاقات ہوئی تو فرمایا آپ محسوس نہ کریں، دارالحدیث میں آپ کی آمد مجھے محسوس نہ ہوسکی، وجہ یہ تھی کہ مجھے سبق پڑھانے کے دوران نیند آگئی، تو اس واقعہ سے ہم نے اندازہ لگایا کہ غالباً شیخ مدنی کو بخاری متناً وسنداً یاد ہے، اگرچہ آپ نے خود کبھی اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ (حقائق السنن جلد ا؍صفحہ ۳۴۲)

حضرت شیخ الحدیث فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے استاد شیخ مدنی کا انداز تدریس بے حد پسند تھا، حدیث کا جو فیض اور افادہ ہمارے شیخ مدنی کے ذریعہ ہوا، اس کی نظیر نہیں ملتی، فرمایا کرتے میں نے علماء کی زیارتیں کی ہیں، کئی مدرسین علماء کے حلقہ درس میں شمولیت اور رشتہ تلمذ کی سعادتیں نصیب ہوئی ہیں، مگر جو امتیازی صفات حضرت مدنی میں دیکھے وہ کہیں دوسری جگہ نظر نہ آئے:

جب مہر نمایاں ہوا سب چھپ گئے تارے
تو مجھ کو بھری بزم میں تنہا نظر آیا

اب نہ کہیں نگاہ ہے اور نہ کوئی نگاہ میں، حدیث کی اشاعت تدریس اور خدمت کے سلسلہ میں حضرت مدنی کی مساعی سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

صرف ایام درس کی تنخواہ

حضرت مولانا رشید الدین صاحب لکھتے ہیں: شیخ الاسلام حضرت مدنی ایام درس کے علاوہ دوسرے دنوں کی تنخواہ لینا ہرگز گوارا نہ فرماتے، بارہا ایسا ہوا کہ مدرسہ کے سلسلے میں سفر کرنا پڑا، مگر سوائے ایام تدریس کے ایک پیسہ بھی کسی دن کا معاوضہ نہیں لیا، حضرت مدنی نے ایام مرض میں ایک ماہ کی استحقاقی رخصت سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا اور نہ دوسری چھٹیاں لیں، جن کا آپ کو قانوناً حق تھا، یہاں تک کہ ان ایام کی تنخواہ جو ایک ہزار روپئے سے کچھ

زیادہ ہوتی تھی، جب اہل مدرسہ نے آپ کی خدمت میں بھیجی تو آپ نے یہ کہہ کر واپس فرمادی کہ: جب میں نے پڑھایا نہیں تو تنخواہ کیسی؟؟ حضرت کے وصال کے بعد حضرت مہتمم صاحب دارالعلوم دیوبند گھر میں تشریف لائے، اور فرمایا کہ حضرت کا کمال زہد وتقوی اس بات کو گوارا نہ کرتا تھا، کہ آپ ایام مرض کی تنخواہ قبول فرمائیں لیکن اس میں شرعاً کوئی سقم نہیں بلکہ (سلسلہ مرض رعایتی قوانین کے لحاظ سے) حق ہے، لہٰذا اگر آپ قبول فرمائیں تو وہ رقم آپ کی خدمت میں پیش کردوں، مگر خالہ صاحبہ (یعنی اہلیہ شیخ الاسلام حضرت مدنی) نے فرمایا کہ جس چیز کو حضرت نے پسند نہیں فرمایا، میں اس کو کیسے پسند کرسکتی ہوں، آپ کا بہت بہت شکریہ، بس آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔ (شیخ الاسلام نمبر ۳۱۰۰)

غیر محرم سے نظریں بچانے کا اہتمام: مولانا فرید الوحیدی کہتے ہیں: گھر میں ہر طبقہ کی خواتین ہر قسم کی درخواستیں اور اپنی پریشانیاں گوش گزار کرنے کے لئے حاضر ہوتی تھیں حضرت مدنی عموماً اہل خانہ کے واسطے سے درخواستیں سنتے اور جوابات، دعائیں، مشورے اور تعویذات مرحمت فرماتے اور براہ راست بھی پند ونصائح اور مشوروں سے مستفید فرماتے، خواتین کو بیعت کرنے کا طریقہ تھا کہ ایک لمبا کپڑا عمامہ وغیرہ کا ایک سرا خود پکڑتے اور دوسرا سرا پس پردہ خواتین پکڑتیں، پھر کلمات بیعت تلقین فرماتے، گاؤں کی خواتین کبھی کبھی اہل خانہ کی نظر بچائے ہوئے مطالعہ گاہ تک پہنچ جاتیں اور سامنے کھڑی ہوجاتیں ایسی صورت میں حضرت مدنی بہت پریشان اور سراسیمہ ہوکر اپنا رخ دوسری جانب پھیر لیتے۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی سارے انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، مگر ابراہیم علیہ السلام کا وصف خاص تھا، ان کا طبعی جذبہ تھا کہ کوئی مہمان آئے اور اس کو کھانا کھلائیں، شیخ الاسلام حضرت

مدنی بھی طبعی طور پر مہمان نواز تھے، ان پر یہ وصف غالب تھا وہ چاہتے تھے کہ سارا گھر مہمان کے حوالے کر دیں، حضرت کا طبعی جذبہ تھا کہ مہمان کی جتنی خدمت ہو سکے کی جائے۔

نماز میں استغراقی کیفیت

شیخ الاسلام حضرت مدنی نے ایک مرتبہ میرٹھ اسٹیشن پر نماز مغرب شروع فرمائی، نماز کی نیت باندھی ہی تھی کہ گاڑی نے سیٹی دیدی، بہت سے حضرات نیت توڑ کر گاڑی میں سوار ہوگئے لیکن حضرت نے بہت اطمینان سے نماز ادا فرمائی اور دعا مانگ کر گاڑی میں سوار ہوئے، خدام میں سے ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت! ہم لوگوں کو سیٹی کی آواز سن کر اس قدر بے تابی کیوں ہوگئی تھی؟ حضرت نے فرمایا:

''بھائی! اگر میں بھی کبھی سیٹی کی آواز سنتا تو میرے بھی ایسی ہی حالت ہو جاتی، کسی نے خوب کہا ہے:

نہ غرض کسی نے نہ واسطہ مجھے کام اپنے ہی کام سے
تیرے ذکر سے، تیرے فکر سے، تیری یاد سے تیرے نام سے

آج عملی زندگی میں دینیات، دینی فکر، دینی ذہن، اسلامی معاملات اور اسلامی معاشرت متروک ہو چکی ہے، صرف نماز باقی رہ گئی تھی، مگر مسلمانوں نے اسے بھی طاق نسیاں پر دے مارا ہے، بہت سے فقیر، بہت سے پیرزادے، اور بہت سے صاحبزادے تارک الصلوۃ ہو کر بھی مرجع خلائق ہیں، حضرت خواجہ معین الدین اجمیری فرمایا کرتے، لوگ منزل گاہ قریب کے نزدیک صرف اس وقت جا سکتے ہیں جب نماز میں مکمل فرماں برداری کریں.......................: ؎

جذب وجنوں کا راستہ نکلا قریب کا
کیفی حرم کی راہ طوالت کی راہ تھی

محبت اور اتباع سنت

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں: اس عاجز نے اس باب میں حضرت مدنی کو بہت ممتاز پایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ادنی نسبت رکھنے والی ہر چیز کے ساتھ حتی کہ مدینہ طیبہ کی مٹی کے ساتھ حضرت کو جو خاص قلبی تعلق تھا، جس کا اظہار اپنے موقع پر عملی زندگی میں قدرتی طور پر ہوتا رہتا تھا، اس کی مثال اس عاجز نے دوسری جگہ نہیں دیکھی۔

عزیمت وحمیت

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں: ''راقم کی کوتاہ نظر میں دو صفتیں آپ کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، جنہوں نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا ہے، ایک عزیمت دوسری حمیت، عزیمت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ آپ نے علماء اور اہل درس کے حلقہ سے باہر قدم نکالا اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کی، جو وقت کا اہم مسئلہ تھا اور عین انگریزی حکومت کے عروج کے زمانے میں جس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا تھا، اعلان کر کے ''کلمۃ حق عند سلطان جائر'' کے افضل جہاد کا شرف حاصل کیا، مالٹا میں اسیری کے دن گزارے اور ہندوستان کی جیلوں میں مہینوں رہ کر سنت یوسفی ادا کی اور دنیا کی عظیم ترین سلطنت کے مقابلے میں برسوں سینہ سپر رہے، یہاں تک کہ آپ کا مقصد پورا ہوا۔

پھر یہ عزیمت آپ کی پوری زندگی میں نمایاں ہے، فرائض کی ادائیگی، نوافل ومستحبات کی محافظت، مخالف ماحول میں معمولات کی پابندی، اس زمانہ میں بڑی استقامت ہے، وعدوں کے ایفاء دور دراز کے جلسوں اور اجتماعات میں شرکت اور اس کے لئے ہر طرح کی صعوبتیں برداشت کرنا مستقل عزیمت ہے، پھر اس کے ساتھ دارالحدیث کے اسباق کی

پابندی اور کتابوں کی تکمیل ایک مستقل مجاہدہ، مہمانوں کی میزبانی اور مختلف الطبائع اشخاص کے ساتھ ضیافت واکرام کا معاملہ اور ان کی مزاجی خصوصیات کا تحمل مستقل جہاد، پھر مریدوں کی تربیت اور نگرانی، کثیر التعداد خطوط کا جواب دینا اور سب اس ضعف وپیری اور مصروفیت میں، یہ سب آپ کی غیر معمولی عزیمت وعلو ہمت کی دلیل ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی میں ''ان اللہ یحب معالی الامور ویکرہ سفسافہا'' (اللہ تعالی ہمت اور عزیمت والے اونچے کاموں کو پسند فرماتا ہے اور فروتر اور بے سود اعمال وحرکات کو ناپسند فرماتا ہے) پر عمل کر کے دکھایا۔

اسی طرح حمیت بھی آپ کی کتاب زندگی کا نہایت روشن عنوان ہے، اسی حمیت نے انگریزوں کی مخالفت کا جذبہ پیدا کیا، جس کی آسودگی اس وقت تک نہیں ہوئی، جب تک انگریز اس ملک سے نہیں چلے گئے، تحریک خلافت اور جمعیۃ علماء کی جدوجہد میں یہی روح کام کرتی رہی تھی، اور یہی آپ کو سدا جوان، مستعد سرگرم رکھے ہوئے تھی، اور اسی نے سیکڑوں ہزاروں آدمیوں کو متحرک بنا رکھا تھا، یہی حمیت تھی، جس نے آپ سے مہینوں دشمن اسلام طاقتوں کے خلاف قنوت نازلہ اس جوش وولولہ کے ساتھ پڑھوائی کہ معلوم ہوتا تھا کہ محراب میں شگاف پڑ جائیں گے اور الفاظ نہیں ہیں بلکہ شرارے ہیں جو آپ کے دل سے نکل رہے ہیں۔

روحانی قوت

تبلیغی جماعت کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے ایک مرتبہ عالم جذب میں مولوی ظہیر الدین کاندھلوی مرحوم سے فرمایا: ''میاں ظہیر! لوگوں نے حسین احمد کو پہچانا نہیں، خدا کی قسم ان کی روحانی طاقت اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ اگر وہ اس طاقت سے کام لیکر ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا چاہیں، تو نکال سکتے ہیں، لیکن چونکہ یہ عالم

اسباب ہے، اس لئے ان کو ایسا کرنے سے منع کر دیا گیا ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے ان کو وہی طریقہ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جو اس دنیا میں برتتے جاتے ہیں''۔

قومی اعزاز اور حکومتی پیش کش کی ایک آزمائش

اور آپ کے اخلاص کا سونا ہر دفعہ زر خالص ثابت ہو چکا تھا؛ لیکن ابھی آزمائش کا ایک مرحلہ باقی تھا، یہ مرحلہ ملک کی آزادی کے بعد اس وقت پیش آیا، جب حضرت کی خدمت میں ملک کا سب سے بڑا سول اعزاز ''پدم بھوشن'' پیش کیا گیا، اگر ہندوستان میں چند حضرات اس کے مستحق تھے تو حضرت اس اعزاز کا سب سے زیادہ استحقاق رکھتے تھے، یہ حضرت کی عظیم الشان قومی خدمات کا صلہ نہیں، اعتراف تھا، یہ اعزاز حکومت یا انتظامیہ کی طرف سے نہیں تھا بلکہ قوم کی جانب سے ملک کو آزادی اور قوم کو غلامی واستبداد کے عذاب سے نجات دلانے میں ان کی خدمات کے لئے اظہار تشکر تھا، اس کو قبول کر لینے کے جواز میں ایک سو ایک دلیلیں پیش کی جاسکتی تھیں، اور آج بھی کہ ملک کی آزادی کو ایک دہائی کے بعد نصف صدی پوری ہو جائے گی، اور نصف قرن آپ کی وفات حسرت آیات پر بھی گزر چکا ہے، اس اعزاز کے لئے آپ کے استحقاق اور جواز کے باب میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں، آپ کو معلوم ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی نے قوم کی اس پیش کش واعزاز کا کیا جواب دیا تھا؟ کیا یہی جواب نہ تھا کہ میں نے جو کچھ کیا وہ اسلام کے ایک شرعی حکم اور ملکی فرض کی ادائیگی کے لئے تھا، صلہ وستائش آرزو، اعتراف خدمات کے جذبے اور کسی اعزاز ومنزل کے لئے نہ تھا۔

خانقاہ مدنی کے شب وروز کے معمولات

حضرت مدنی کی مسند ارشاد آباد رہتی، آپ بیعت بھی فرماتے، ذکر واذکار بھی تلقین

فرماتے، خانقاہ مدنی میں تشریف لانے والے سعادت مند ہر وقت خصوصاً رات کے وقت ذکر واذکار، نوافل اور تلاوت میں ساری رات اس طرح مصروف ومشغول ہوتے کہ خانقاہ مدنی انوارات روحانیہ سے جگمگا اٹھتی، برصغیر کے مشہور کمیونسٹ لیڈر محمد اشرف روایت کرتے ہیں۔

جب میں ۱۹۴۶ء میں مولانا (حضرت مدنی) کی رہائش گاہ پر پہنچا، تو اٹھارہ مہمانوں کا قافلہ پہلے سے موجود تھا، چنانچہ میں نے مہمانوں کے ایک بڑے کمرہ میں ایک چارپائی پر بستر لگادیا، دینداروں کے معمولات سے میں یوں بھی گھبراتا ہوں، مگر پہلے دو دن میرے اوپر بڑے سخت گزرے، نماز پنجگانہ تک تو خیر میں صبر کرلیتا، مگر یہاں تو سب قائم اللیل تھے، کیفیت یہ کہ عشاء کی نماز کے بعد میں بمشکل گھنٹہ بھر سویا ہوں گا، کہ کسی نہ کسی کونہ سے تکبیر بالجہر بلند ہوئی، میں نے دیکھا کہ میرے آس پاس کوئی ذکر خفی میں منہمک ہے تو کوئی تسبیح ووظیفہ میں، تھوڑی دیر میں یہ حضرات تہجد کے لئے اٹھ بیٹھے، پھر فجر سے پہلے اور بعد میں قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ شروع ہوگیا، جب دوسری رات بھی اسی کیفیت کی نذر ہوگئی، تو میں نے حضرت مدنی سے عرض کیا کہ حضور کے ساتھ رہنے سے میری عاقبت درست ہو یا نہ ہو، مگر میری صحت کو خطرہ ضرور لاحق ہو چکا ہے، حضرت مدنی نے تبسم فرمایا اور تیسرے دن مجھے علیحدہ اور آرام دہ کمرہ مل گیا۔

بیک وقت چھ ہزار افراد نے بیعت کی

شیخ الاسلام حضرت مدنی اگرچہ چاروں سلاسل طریقت کے شناور تھے، مگر چشتیہ، صابریہ میں بیعت فرمایا کرتے تھے، سفر حضر میں بیعت فرماتے، آپ سے بیعت ہونے والے سعادت مندوں کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، ایک دفعہ بانسکنڈی کے مقام پر چھ ہزار افراد نے بیک وقت حضرت مدنی کے دست حق پر بیعت کی، جہاں حضرت مدنی

کے عاشق زاروں کی کمی نہیں تھی، وہاں مخالفین، معاندین اور حاسدین بھی ہزاروں کی تعداد میں تھے، یہ ایک سلسلہ چلا آرہا ہے، اور چلتا رہے گا، لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ جو خدا کے دوستوں سے دشمنی کرتا ہے وہ دراصل اللہ سے جنگ کرتا ہے، اللہ کے نیک بندوں کا صبر وتحمل رنگ لائے بغیر نہیں رہتا، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت حسین کے قاتلین نے تھوڑے ہی عرصے میں اپنی ذلت ورسوائی کا جو مہیب نقشہ دیکھا، وہ اسلامی تاریخوں میں آج بھی انمٹ نقوش میں لکھا جا چکا ہے۔

لاش تک نہ ملی

شورش کاشمیری ہفت روزہ چٹان لاہور مارچ ۱۹۶۳ء میں مکافات عمل اور حضرت مدنی کے دشمنوں کے عبرتناک انجام کی کہانی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اس واقعہ کے راوی جالندھر کے ایک نوجوان مولوی محمد اکرم صاحب قریشی ہیں جو حمید نظامی مرحوم کے جگری دوست، مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن میں ان کے دست وبازو، اسلامیہ کالج کے فارغ اور لیگ کے آغاز سے آج تک اس کے حامی چلے آتے ہیں، وہ مولانا مدنی اور ان کے مدرسہ فکر کے کبھی ہم خیال نہیں رہے، بلکہ ان نوجوانوں میں سے تھے جنہیں جالندھر میں لیگ کا ہراول دستہ کہا جاتا تھا، اس واقعہ کے راوی یہی محمد اکرم قریشی ہیں، جن کو لاہور کے احباب ڈاکٹر بھی کہتے ہیں اور آج کل بیڈن روڈ لاہور میں رہ رہے ہیں، ان کی روایت کے مطابق اس واقعہ کے کئی راوی اب تک بقید حیات ہیں، ان کا بیان ہے کہ ابھی پاکستان نہیں بنا تھا اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا زمانہ تھا، مولانا حسین احمد مدنی پنجاب یا سرحد کے سفر سے واپس جا رہے تھے، جالندھر کے اسٹیشن پر یہی نوجوان مسٹر شمس الحق کی ہمراہی میں اپنے رہنماؤں کے استقبال کے لئے گئے ہوئے تھے، رہنما کسی وجہ سے نہ پہنچ سکے، شمس الحق کی نظریں مولانا مدنی پر پڑ گئیں، وہ اپنے ساتھ کے نوجوانوں کو لے کر ان کے ڈبے پر

چڑھ دوڑا، نعرے لگائے، سب وشتم کیا، حتی کہ داڑھی کو پکڑ کر کھینچا، ایک بیان کے مطابق رخسار پر طمانچہ مارا، مولانا صبر کی تصویر تھے، آہ تک نہ کی، اس کارنامہ کے بعد شمس الحق یا اس کے کسی ساتھی نے یہ واقعہ مولانا عظامی سے بیان کیا، جو جالندھر لیگ کے نائب صدر تھے، انہوں نے سنتے ہی کانپ کر پوچھا کیا یہ صحیح ہے؟ جب تصدیق کی گئی تو ان پر رعشہ طاری ہوگیا، اکرم قریشی کہتے ہیں کہ وہ کانپ رہے تھے اور انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا: ''اگر یہ سچ ہے تو جس نے حضرت مدنی کی داڑھی پر ہاتھ ڈالا ہے، اس کی لاش نہیں ملے گی، اس کو زمین جگہ نہیں دے گی'' عظامی کانپ رہے تھے، ان کا چہرہ اشکبار تھا اور آنکھیں پرنم تھیں۔

آپ جانتے ہیں کہ شمس الحق کون تھا؟ یہ وہی نوجوان ہے جو لائل پور میں قتل وخون کا شکار ہوگیا، جس کی نعش کا پتہ نہ چلا، کفن ملا نہ قبر، اس واقعہ کو تقریباً گیارہ سال ہوچکے ہیں، روایتوں پر روایتیں آتی رہیں، خود لیگ کے زعماء مہر بلب رہے، کسی نے کہا بھٹہ میں زندہ جلا دیا گیا، کسی نے کہا لاش کے ٹکڑے کرکے دریا برد کردیا گیا، جتنے منہ اتنی باتیں، پولیس نے انعام بھی رکھا، سب کچھ کیا لیکن شمس الحق کا سراغ نہ ملا۔

گستاخی کرنے والوں کا عبرتناک انجام

سید پور ضلع رنگ پور میں لیگی غنڈوں نے حضرت کے ساتھ نہایت غیر شریفانہ اور وحشیانہ برتاؤ کیا تھا، یہ ۱۹۴۶ء کا واقعہ ہے، اس واقعہ کی تفصیل میں مولانا کفیل احمد صاحب بجنوری کا مضمون ہدیہ ناظرین ہے، یہ مضمون روزنامہ حقیقت (لکھنؤ) میں شائع ہوا تھا، جو بعینہ درج ہے: ''سید پور اور سہاگل پور میں جس نوعیت سے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند کی ذات بابرکات پر قاتلانہ ووحشیانہ حملے ہوئے، وہ ہر سنجیدہ شخص کے لئے انتہائی رنج وقلق کا موجب ہیں''۔

تین ہزار غنڈوں کی یلغار

حضرت مولانا ریاض الدین صاحب سید پوری جو کہ حضرت مدنی کے میزبان اور سید پور لانے کے باعث تھے، وہ کلکتہ تشریف لائے ہوئے ہیں، موصوف نے راقم الحروف کو نماز جمعہ سے قبل نمازیان مسجد کولوٹولہ کی موجودگی میں اپنی درد بھری داستان سنائی کہ حضرت مدنی صاحب اپنے خادم احسان الحق صاحب مرحوم کی تعزیت میں قصبہ سونار تشریف لائے ہوئے تھے اور میری درخواست پر شام کا کھانا تناول فرمانے کے لئے سید پور کے اسٹیشن پر اترے تھے، افسوس کہ موصوف کو میرے غریب خانہ تک پہنچنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ دفعۃً تقریباً سات سو لوگوں کا انبوہ لیگی نعرے لگاتا ہوا اسٹیشن پر آدھمکا اور حضرت شیخ کو عریاں گالیاں، دشنام دہی شروع کردی، ہاتھوں میں لاٹھیاں، ڈنڈے اور چھریاں تھیں، بے تمیزی سے نام لے لیکر قتل کردو، مار ڈالو، ٹکڑے ٹکڑے کرڈالو، یہ غدار ہے، ایسا ہے، ویسا ہے، جو کچھ منہ میں آرہا تھا، بکواس کی، ہم بنا بر استقبال صرف دس پندرہ آدمی تھے، اوران لوگوں میں برابر ایک شخص کے ناقوس پر ناقوس بجانے پر زیاتی ہورہی تھی، چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے تقریباً تین ہزار غنڈے سید پور ورکشاب اور مضافات سے جمع ہوگئے، اور پھر کربلا کا منظر حسین احمد بن حسین کے سامنے آگیا۔

کلاہ مدنی کو پاؤں تلے روند کر جلا دیا گیا

مار دھاڑ شروع کردی اور ہم چند لوگ جو شیخ مدظلہ کو حلقہ میں لئے ہوئے تھے کچھ مجروح اور کچھ مضروب ہورہے تھے، اور خدا جانے ہم لوگوں میں آیا فرشتے آگئے تھے یا کیا بات تھی کہ بے انتہا قوت ہمارے اندر پیدا ہورہی تھی اور ہم ''کانہم بنیان مرصوص'' بنے ہوئے تھے، اسی اثناء میں ایک فرعون بے سامان نے اپنی فرعونیت کا شدید ترین مظاہرہ کیا، اس

نے حضرت مدنی صاحب کو زمین پر پچھاڑنے کی کوشش کی بے دردی سے گریبان پکڑا اور آخر میں سخت مدافعت کے باوجود کلاہ سرمبارک سے اتار لی، بیہودہ کلمات کہتے ہوئے پاؤں کے نیچے روندا اور پھر اس کو جلا دیا، ہم میں بعض اشخاص نے ایک مسلمان سب انسپکٹر کو جو قریب ہی تھا، امداد کے لئے متوجہ کیا، مگر افسوس اس نے لیگی ذہنیت کی وجہ سے ابتداء لطائف الحیل سے کام لے کر کچھ دیر بعد صاف وصریح انکار کر دیا کہ میں اس بڑے مجمع کو قابو میں لانے سے معذور ہوں۔

ایک اینگلو انڈین افسر کی فرض شناسی

جب اس پولیس افسر نے شرعی وقانونی ذمہ داری کا قطعی احساس نہیں کیا تو ہم میں سے بعض مایوسانہ طریقہ پر ورکشاپ کے اینگلو انڈین افسر کے پاس پہنچے، وہ فوراً اسٹیشن پر آیا اور اس نے فی الواقع امن وامان قائم کرنے کی بہت کوشش کی، اپنے ماتحت مزدوروں سے یہاں تک کہا کہ خبردار! یہ تم کیا کرتے ہو؟ ہم جانتے ہیں کہ یہ شخص تمہارا بہت بڑا پوپ ہے، زبردست پادری ہے، نہایت نیک آدمی ہے، کیا تم اسی طرح غنڈہ پن سے شراب پی پی کر پاکستان لینا چاہتے ہو، دور ہو جاؤ، دفع ہو جاؤ، تمہارے منہ سے شراب کی بو آتی ہے۔

غرض اس افسر نے سب کو سمجھایا، مگر کچھ اثر نہ ہوا، اور مدنی صاحب اسی درمیان میں بہ مشکل تمام ویٹنگ روم میں داخل کئے جانے کے بعد حضرت عثمان غنی کی طرح مظلومانہ محصور تھے، اس ناکامی کے بعد اسٹیشن افسران وغیرہ کی سعی کے ذریعہ غنڈوں سے یہ طے پایا کہ مولانا کو اس صورت میں چھوڑا جا سکتا ہے کہ یہ اسی شب دار جلنگ میل سے واپس ہو جائیں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت شیخ ساڑھے آٹھ بجے (۸-۱/۲) شام سے لے کر ڈیڑھ بجے (۱-۱/۲) شب تک پانچ گھنٹے اس مصیبت عظمیٰ میں مبتلا رہ کر دار جلنگ میل

سے بھاگلپور کے لئے روانہ ہو گئے۔

قدرت کا انتقام

حضرت مدنی غالباً حدود بنگال سے باہر نہیں نکلے تھے کہ خداوند تعالیٰ کا قہر وعذاب ظالموں کی طرف متوجہ ہو گیا اور منعم حقیقی کی گرفت شروع ہو گئی، چنانچہ مولانا صالح صاحب سید پوری فاضل دیوبند خلف رشید مولانا ریاض الدین صاحب کا گرامی نامہ آج ہی اپنے پدر بزرگوار کے نام کلکتہ پہنچا، مقام عبرت ہے کہ جس فرعون بے سامان نے زیادہ فرعونیت سے کام لیا تھا، وہ تو اگلے ہی دن تالاب میں غرق ہو کر فوت ہو گیا اور جس پولیس افسر نے اپنی اخلاقی اور قانونی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا تھا اور کھڑے ہوئے کلوخ اندازی وغیرہ کا تماشا دیکھا تھا، وہ بھی اپنے نوجوان فرزند کو سپرد خاک کر کے سراپا تماشا بن گیا، پھر خدا کی شان کہ جس خیال سے یہ ہڑبونگ مچائی گئی تھی کہ جمعیۃ علماء کی تبلیغ نہ ہو، آج بڑے اہتمام سے اسی جگہ جمعیۃ قائم کی جا رہی ہے، جو لوگ اب تک غنڈہ بنے ہوئے تھے، وہ اب تائب ہو کر ایک دوسرے کو متہم کر رہے ہیں اور جس جھنڈے کے تحت یہ سب خرافات کی گئی تھیں، اسی جھنڈے کی اب علانیہ مخالفت شروع کر دی گئی ہے، اللہ رے قدرت کیا برعکس معاملہ ہے، صالح صاحب لکھتے ہیں:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

ابا جان! آپ کا خط موصول ہوا، ہم لوگ خدا کے فضل سے خیریت سے ہیں، ہم لوگوں کے لئے کسی قسم کی فکر نہ کریں، بے فکر ہو کر کام کاج کریں اور ہم لوگوں کے لئے دعا کرتے رہیں، جن غنڈوں نے جناب حضرت قبلہ مولانا مدنی کے ساتھ گستاخی کی تھی، وہ لوگ اب اس کا نتیجہ بھگت رہے ہیں، بڑے داروغہ پولیس انسپکٹر کا بڑا لڑکا دوسرے ہی دن قضا کر گیا، یہ بات شاید آپ کو معلوم نہ ہو، اس کے بعد جس شخص نے حضرت کے سرمبارک

سے ٹوپی اتار کر جلا دی تھی، دوسرے دن وہ بھی تالاب میں ڈوب کر مر گیا، سید پور میں ہلڑ مچ گیا، شیان ڈاکٹر اور چتینا سب لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم ہم ان غنڈوں کے ساتھ نہیں ہیں، ہم لوگوں سے ایسا ذلیل کام نہیں ہوسکتا"۔

حضرت مدنی کا آخری درس بخاری شریف

حضرت مدنی قدس سرہ العزیز نے آخری سال ۶/ ذیقعدہ ۱۳۷۷ھ بروز بدھ درس بخاری شریف کا آغاز فرمایا، طلباء دورۂ حدیث کی تعداد ۱۸۴/ تھی اور حسب معمول درس دینے کے لئے عام آدمیوں کا ایک انبوہ کثیر درس گاہ میں موجود تھا، ٹھیک دس بج کر چار منٹ پر آپ نے خطبہ مسنونہ اور حدیث پڑھنے کے بعد تقریر کا آغاز کیا، اور فرمایا ہم اس وقت فن حدیث میں داخل ہوتے ہیں، علماء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ ہر فن میں تین اصولی چیزیں ہوتی ہیں: غایت موضوع اور غرض

یہ مبادی ثلاثہ کہلاتی ہیں، بخاری شرف کی جلد اول چالیس دن میں پڑھائی "باب الفہم فی العلم" کا سبق آپ کا آخری درس تھا، درس گاہ آپ اس دن ایک گھنٹہ تین منٹ تشریف فرما رہے ہیں، جس میں سے ۱۳/ منٹ حاضری لینے میں صرف کئے، تین منٹ خطبہ مسنونہ اور عبارت پڑھنے میں لگے اور چھبیس منٹ درس دیا، طلباء سے آپ کے آخری خطاب کے کلمات یہ تھے:

"غبطہ کے معنی یہ ہے کہ دوسرے کے پاس نعمت دیکھ کر اس چیز کی تمنا کرنا اور اس تمنا کا مقصد اس چیز کا ازالہ نہ ہو"۔

بخاری شریف کی دوسری جلد پر آپ نے کل ۲۳/ روز درس دیا، بخاری مطبوعہ نور محمد میں صفحہ ۵۰۷/ پر "باب قتل ابی رافع" آخری عبارت تھی، جو آپ نے خود پڑھی تھی، آپ کی درس گاہ میں ۶/ بج کر ۲۳/ منٹ پر تشریف آوری ہوئی اور ساتھ بج کر ۵۵/ منٹ پر

آپ نے سبق پڑھایا، اس طرح تین ماہ پندرہ دن بعد آپ نے آخری درس ختم کیا تھا۔

یہ آپ کا آخری درس تھا، اس کے بعد دارالحدیث دارالعلوم دیوبند ہمیشہ کے لئے آپ کے فراق میں روتا رہے گا۔

علالت وفات

اس مید میں کہ اللہ کرے گا حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس عارضی علالیت سے پھر اٹھ کر کھڑے ہوں گے، حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد سے درخواست کی گئی اور انہوں نے عارضی طور پر بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق شروع کردئے اور بالکل مجبور ہوکر حضرت سارے معمولات سے دستکش ہوگئے، اب تک تو اتنی سکت تھی کہ کسی نہ کسی طرح نمازیں گھر سے متصل مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے رہے، مگر اب یہ آخری قوت بھی آہستہ آہستہ رخصت ہورہی تھی، ناچار بڑی مشکل سے حجرہ استراحت سے اٹھ کر مہمان خانے تک تشریف لاتے اور نمازیں وہیں جماعت سے ادا فرماتے، مگر ابھی تک اٹھنے اور چلنے میں کسی کا سہارا لینے سے انکار فرماتے رہے، اور ساری نمازیں کھڑے ہی ہوکر پڑھتے رہے۔

اسی عالم میں ایک روز مولانا فخر الدین صاحب (جو حضرت کی جگہ حدیث پڑھا رہے تھے) مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے، حضرت نے ان سے اپنی قلبی احساسات بیان فرمائے، کہ اب اللہ تعالی کے سامنے حاضری کا وقت آ گیا ہے، کوئی عمل اپنے پاس نہیں ہے، نمازیں بھی تیمّم کرکے اور بیٹھ کر پڑھ رہا ہوں، توشۂ آخرت بالکل خالی ہے، مغفرت کا کوئی سامان نہیں ہے، دعا کیجئے کہ حق تعالی کی رحمت کاملہ جوش میں آجائے اور میرا بیڑا پار ہوجائے، اس بیان کے درمیان حضرت کا دل بھر آیا، آنکھوں سے زار وقطار آنسو رواں ہوگئے اور آہستہ آہستہ آنسو ہچکیوں میں تبدیل ہوگئے، بیاسی برس کی زندگی میں یہ

پہلا اور آخری موقع تھا کہ کسی نے حضرت کے آنکھوں میں آنسو اور مزاج پر گریہ کا اثر دیکھا تھا۔

اس حالت میں بھی ضروری کاغذات دیکھتے، ہدایات دیتے اور دستخط کرتے رہے، عیادت کرنے والوں سے باتیں بھی کرتے رہے، ان کے احوال اس طرح پوچھتے رہے کہ گویا عام حالات کی معمولی کے مطابق ملاقاتیں ہیں، امیر جماعت تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ وغیرہ تشریف لائے تو نہایت بشاشت سے ان کے ساتھ باتیں کیں، اپنی بیماری، کمزوری اور تکلیفوں کا کوئی شکوہ وتذکرہ نہیں فرماتے تھے، مزاج پرسی پر بھی یہی فرماتے رہے کہ الحمد للہ اچھا ہوں، ہاں بزرگان دین وعلماء کرام کے سامنے مسجد کی عدم حاضری جماعت سے محرومی اور بیٹھ کر نمازوں کی ادائیگی پر صدمہ اور دکھ کا اظہار فرماتے تھے، پہلی یا دوسری دسمبر کو تنفس کی شکایت میں بہت افاقہ ہوگیا، بڑی راحت محسوس فرمائی، کچھ آرام بھی فرمایا، اہل خانہ میں، خدام میں اور مریدین ومعتقدین میں یہ مسرت افزاء خبر پھیل گئی کہ اب مرض کا ازالہ ہو رہا ہے صرف کمزوری باقی ہے۔

۱۳/جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء بروز جمعرات کی ایک ابر آلود صبح کو نو یا دس بجے کے قریب کمرے سے نکل کر بغیر کسی مدد کے چھڑی کے سہارے صحن میں تشریف لائے اور آرام فرمایا، بہت دنوں کے بعد صحت اور طاقت کی یہ معمولی سی نشانی نظر آئی تھی، امید اور اطمینان کے لئے یہ تھوڑا سہارا بھی بہت کافی تھا، منٹ منٹ پر افاقہ اور اطمینان کی خبریں مدرسے میں، شہر میں، اور شہر سے باہر علاقوں میں پھیل رہی تھیں، لوگوں کی خوشی ومسرت کا اندازہ لگانا مشکل تھا، درمیان میں باتیں بھی کرتے رہے، مسکراتے اور ہنستے بھی رہے اور ہشاش وبشاش رہے، بارہ بجے کے قریب کمرے میں واپس آئے، کسی طرح غذا تناول فرمائی، بچوں اور اہلیہ محترمہ سے باتیں کیں، پان کھایا، اہلیہ محترمہ اور سب

بچوں کو حسن خلق، حسن معاملہ اور پابندی شریعت کے بارے میں نصیحتیں فرماتے رہے، اس کے بعد کمرہ خالی کر دیا گیا، دروازہ بند کر دیا گیا اور سب ہی لوگ اس خیال سے باہر آ گئے کہ کچھ دیر نیند آ جائے، اس کے آدھ پون گھنٹے یا شاید ایک گھنٹہ کے بعد کوئی لڑکا کمرے میں داخل ہوا، حضرت آرام کے ساتھ محو خواب تھے، اس نے خوشی میں غور سے دیکھا تو پیشانی اس طرح پھڑک رہی تھی جیسے آنکھیں پھڑکتی ہیں، یا گوشت کا کوئی ٹکڑا خود بخود مرتعش ہو جاتا ہے، خیال بھی نہ گزرا کہ یہ کوئی غیر معمولی بات ہو سکتی ہے، اور باہر آ گیا، اس کے ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد گھر کے لوگ نماز کے لئے بیدار کرنے کی غرض سے اندر گئے، پکارا، جگایا اور آخر میں ہلایا مگر کوئی جواب، کوئی حرکت نہ دیکھی تو لوگ سراسیمہ اور بدحواس ہو کر دوڑے بھاگے، ڈاکٹروں حکیموں کو بلایا، انہوں نے معائنہ فرمایا اور تھوڑی ہی دیر میں اعلان کر دیا کہ حضرت شیخ العرب والعجم، امام العصر، محدث دوراں، قطب وقت، مجدد امت، جانشین شیخ الاسلام مولانا محمود حسن، سجادہ نشین قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی، یادگار حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی، نقیب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، نائب رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، مولانا مرشدو شیخنا سید حسین احمد صاحب مہاجر مدنی کا وصال ہو چکا ہے۔

۱۳۷۷ھ کے آغاز سے مرض وفات کا سلسلہ شروع ہوا، جو ۱۳/ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ مطابق ۵/دسمبر ۱۹۵۷ء کو اختتام کو پہنچا، اور اس طرح علم وعمل، زہد وتقوی، جہاد وعزیمت کا یہ آفتاب غروب ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنیؒ ☆

ولادت: ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء - وفات: ۱۳۸۰ھ مطابق ۱۹۶۱ء

تعارف اور تعلیم وتربیت

آپ کا نام سید عبدالعلی ہے، والد کا نام حکیم سید عبدالحئی بن حکیم سید فخر الدین ہے، آپ کی پیدائش ۲۴/جمادی الاولی ۱۳۱۱ھ مطابق یکم دسمبر ۱۸۹۳ء یکشنبہ کو اپنے نانہال ہنسوہ ضلع فتح پور کے محلّہ درگاہ میں ہوئی، وہیں آپ کی تسمیہ خوانی ہوئی اور قرآن شریف اور اردو کی ابتدائی تعلیم ہوئی، ہنسوہ میں اس وقت ایک بابرکت بزرگ مولوی عبدالحکیم صاحب (متوفی ۱۹۲۱ء) تھے، انہیں کے پاس مکتب نشینی ہوئی، ابھی آپ کی آٹھ ہی سال کی عمر تھی کہ ۱۳۱۹ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں آپؒ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، فارسی نظم ونثر کی تعلیم اپنے دادا حکیم فخر الدین خیالی سے اور عربی وحساب کی تعلیم مولوی محمد احسن صاحب سے حاصل کی، جب ڈاکٹر صاحب عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابوں سے فارغ ہوگئے تو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل اساتذہ سے پڑھنا شروع کیا، اس وقت دارالعلوم گولہ گنج خاتون منزل میں واقع تھا۔

دارالعلوم دیوبند میں

ندوہ سے استفادہ کے بعد حدیث کی تکمیل کے لیے آپ کے والد صاحب نے ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں آپ کو دیوبند میں بھیج دیا، ڈاکٹر صاحب نے دارالعلوم دیوبند

☆ یہ مضمون دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں بزم سلیمانی کے جلسہ میں پڑھنے کے لیے ۱۶/۱۲/۱۴۱۶ھ مطابق ۱۲/۷/۱۹۹۵ء کو لکھا گیا تھا۔

میں ایک سال قیام کیا، بخاری وترمذی حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب سے پڑھی اور ابوداؤد شریف حضرت علامہ انورشاہ کشمیری سے، اور آپ نے سالانہ امتحان میں شریک ہوکر اچھے نمبروں سے کامیابی حاصل کی اور آپ کو دارالعلوم دیوبند کی باقاعدہ سند ۱۳۴۱ھ میں ملی۔

طب وحکمت کی تعلیم

اس کے بعد والد صاحب سے طب کی متداول کتابیں پڑھیں اور مطب میں نسخہ نویسی شروع کی، پھر دہلی میں حاذق الملک حکیم اجمل خان کے پاس چھ مہینے قیام رہا اور ان کی حذاقت ومہارت فن سے اور ان کے خصوصی تجربات اور تحقیقات سے استفادہ کیا، جب دیوبند اور دہلی سے فارغ ہوکر لکھنؤ آئے تو انگریزی تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہوا، عمر اس وقت تقریباً ۲۱/۲۲ سال تھی اور شادی بھی ہوگئی تھی۔

انگریزی کی تعلیم

آپ اسکول میں داخل ہوئے اور اے، بی، سی ڈی سے انگریزی تعلیم حاصل کرنی شروع کی لیکن شرعی وضع قطع میں ذرا بھی فرق نہیں آنے دیا، میڈیکل کی آخری تعلیم تک یہی حال رہا۔

۱۹۱۵ء میں نمایاں کامیابی کے ساتھ میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا، انٹرنیس کرنے کے بعد آپ لکھنؤ کے مشہور کرسچین کالج میں داخل ہوگئے، اور ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں انٹرمیجٹ پاس کیا، پھر لکھنؤ کے کینگ کالج میں دوسال مکمل کرکے ۱۹۱۹ء میں بی، ایس، سی کا فائنل امتحان دے کر الہ آباد یونیورسٹی سے جس سے یہ کالج ملحق تھا دوسری پوزیشن حاصل کی، اور آپ نے انعامات حاصل کئے اور ۱۹۲۰ء میں آپ نے کنگ جارج میڈیکل کالج میں

داخل ہوکر ۱۹۲۵ء میں میڈیکل کالج کے آخری سال کا امتحان دیکر کامیابی حاصل کی اور آئندہ سال سند ملی۔

مطب کا آغاز

پھر آپ نے گوئن روڈ پر والد صاحب کے قدیم مطب کے قریب مطب کا آغاز کیا، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی سے سلوک وطریقت کے منازل طے کئے اور ۱۳۴۴ھ مطابق ۱۹۲۶ء میں حج بیت اللہ کیا۔(۱)

ندوۃ کی نظامت اور خدمت

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب اپنے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبدالحئی صاحب کی وفات کے بعد ۲۰ر دسمبر ۱۹۲۳ء مطابق ۱۱ر جمادی الاولی ۱۳۴۲ھ کو رکن انتظامی ندوۃ العلماء منتخب ہوئے، ۶ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو نائب ناظم ندوۃ العلماء کے عہدے پر فائز ہوئے اور ۹ر جون ۱۹۳۱ء کو ناظم ندوۃ العلماء کی حیثیت آپ کو حاصل ہوئی جس پر آپ تادم آخر متمکن رہے، ندوۃ کے ساتھ اس طویل دور تعلق میں ایک لمحہ کے لیے بھی ندوہ سے آپ بے تعلق نہیں ہوئے، ماسوا عبادات آپ کا سارا ہی وقت ندوہ کے فلاح وبہبود اور اسکے چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے کاموں پر غور وتدبر اور اس کے نظم ونسق میں صرف ہوتا تھا اور سارے نجی کام آپ کے لئے بالکل ثانوی حیثیت رکھتے تھے (۲)

وفات

آخر کار وہ وقت بھی آہی گیا جس کا ہر مومن کو انتظار رہتا ہے، چنانچہ ۲۲ر ذی قعدہ

(۱) حیات عبدالحئی تاریخ ندوۃ جلد دوم صفحہ ۳۹۴

(۲) تاریخ ندوہ دوم، بحوالہ رجسٹر کارروائی مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء

۱۳۸۰ھ مطابق ۷ر مئی ۱۹۶۱ء ایک بجے دن کا واقعہ ہے کہ علم وعمل کا یہ چراغ سدا کے لیے گل ہوگیا اور آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا
ہمیں سوگئے داستاں کہتے کہتے

امتیازی خصوصیات

حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نور اللہ مرقدہ ہر چیز میں پختہ تھے، پختہ اعتقاد، پختہ دینداری، پختہ علمی استعداد، پختہ خیالات ونظریات، وہ اسلام کی ابدیت، اسلامی تہذیب کی برتری وپاکیزگی اور اسلاف ومتقدمین کی اخلاقی وروحانی اور انسانی عظمت کے شدت سے قائل تھے، مغربی تہذیب کے سخت ناقد تھے، لیکن ان کی تنقید جذباتی وسطحی نہیں تھی، وہ علم ومطالعہ پر مبنی تھی، وہ اپنی ذاتی زندگی میں جتنے متقشف، پختہ اور قدامت پسند تھے، اپنے تعلیمی خیالات ونظریات، جدید چیزوں کے مطالعہ اور دنیا سے واقفیت کے بارے میں اتنے ہی وسیع الخیال، حقیقت پسند اور غیر متعصب تھے، انہوں نے محبت وعقیدت میں بھی حدود قائم کررکھے تھے، نصاب ونظام تعلیم، تصوف واصلاح باطن، تقلید وعدم تقلید کے درمیان نقطہ اعتدال اور سیاسیات اسلامی کے بارے میں ان کا جو مسلک جوانی اور مولانا مدنی کے تعلق سے پہلے تھا وہ آخر تک رہا، ان صفات وعلمی کمالات کے سوا ان کی ایک بڑی صفت اور زندگی کا جوہر ان کی دینی حمیت، عالم اسلام کی فکر، اور دعوت اسلام کا جذبہ اور ذوق ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رقم فرماتے ہیں کہ ”میں نے گوشہ نشین زندگی اور انفرادی فرائض کی مشغولیت کے ساتھ عالم اسلام کی اتنی فکرمندی، اتنی وسیع اور گہری واقفیت اور اس کے حالات وتغیرات کے تتبع کا ایسا ذوق نہیں دیکھا، ان کا اس ارشاد نبوی

صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین اور عمل تھا کہ "من لم یھتم بأمر المسلمین فلیس منھم" یعنی جس کو مسلمانوں کے معاملہ کی فکر نہ ہو وہ ان میں سے نہیں ہے۔(۱)

اجر وثواب ورضائے الٰہی کا خیال ڈاکٹر صاحب کے خیال واخلاق کے لیے اصل قوت محرکہ کی حیثیت رکھتا تھا، جہاں خرچ کرنے میں ثواب سمجھتے تھے، وہاں ان سے بڑھ کر فراخ دست وعالی ہمت ملنا مشکل تھا اور جہاں اس کی امید نہ ہوتی تھی، وہاں ان سے بڑھ کر محتاط اور مستغنی نظر نہیں آتا تھا" ذلك فضل الله يوتيه من يشاء "اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے درجات کو بلند فرمائے اور اس سیہ کار کو اپنے مقبول بندوں میں شمار فرمائے۔

برتو باشد رحمت باری مدام　　　پس سخن کوتاہ گوید والسلام

(۱) تاریخ ندوۃ العلماء ملخص ماخوذ از حیات عبدالحی صفحہ ۳۹۵

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ☆

ولادت: ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۴ء - وفات: ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء

اسم گرامی و پیدائش

آپ کا نام عبدالقادر ہے، آپ ۹۱-۱۲۹۰ھ مطابق ۷۴-۱۸۷ء میں پنجاب کے ایک دور دست گاؤں ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے، آپ جب ۲۳-۱۳۲۲ھ میں رائے پور آئے تو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (متوفی ۱۹۱۹ء) کے استفسار پر اپنا نام غلام جیلانی بتلایا، حضرت مولانا نے فرمایا کہ آپ تو عبدالقادر ہیں، چنانچہ اسی وقت سے آپ کا نام عبدالقادر مشہور ہوا۔

تعلیم وتربیت

آپ نے ابتدائی تعلیم پاکستان کے مختلف حضرات سے حاصل کی، انتہائی تعلیم اور تکمیل کے لیے ہندوستان کا سفر کیا، اور سہارنپور، رام پور، دہلی اور بریلی وغیرہ میں مختلف اونچے حضرات سے متعدد کتابیں پڑھیں، اور تکمیل نصاب کیا۔

ملازمت

ان مختلف مقامات پر علوم کی تحصیل اور درسیات کی تکمیل کر کے فراغت حاصل کی، شاید اس کا سلسلہ بریلی میں تکمیل کو پہنچا، اور وہیں بریلی ہی میں تدریسی کے فرائض انجام دئے، اور وہیں والد کے انتقال کی خبر ملی، ان کے انتقال کے دو ماہ بعد ملازمت چھوڑ دی، پھر آپ

☆ یہ مضمون ۱۹۹۶ء میں ''حیات عبدالرشید'' کے لیے لکھا گیا تھا، یہاں کتاب مذکور سے ہی ماخوذ ہے۔

افضل گڈھ (ضلع بجنور) میں چلے گئے، اور وہاں کسی دوست یا رفیق درس کے تعلق سے کچھ عرصہ قیام کر کے مطلب قائم کیا لیکن یہ سلسلہ بھی چھ ماہ سے زائد نہیں چلا۔

انجذاب الی اللہ

بانس بریلی کے قیام کے دوران طبیعت کی بے چینی اور قلبی بے اطمینانی بہت بڑھ گئی تھی، اس زمانے میں حضرت امام غزالی کی کتاب "المنقذ من الضلال" کا مطالعہ کیا، جس میں انہوں نے اپنی سرگزشت بیان کی ہے، اور اس بات کا اظہار کیا ہے کہ صحیح راستہ صوفیائے کرام کا ہے، جو اپنی سیرت و اخلاق میں نبوت کے پرتو کامل ہیں، اور ان کا نور باطن مشکوۃ نبوت سے ماخوذ و مستنیر ہے۔

حضرت جس باطنی کشمکش اور جس قلبی پریشانی میں مبتلا تھے، ان حالات میں اس کتاب نے رہبر کامل کا کام دیا، پھر حضرت نے افضل گڈھ (بجنور) میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی مثنوی ''تحفۃ العشاق'' کو دیکھا تو اس نے عشق حقیقی کی سوزش اور محبوب حقیقی کی طلب و تڑپ پیدا کر دی۔

چونکہ ایک دفعہ ۱۳۱۴ھ میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی سہارنپور میں طالب علمی کے زمانے میں زیارت کر چکے تھے، نیز حضرت کے بعض مریدین سے بھی آپ کی ملاقات ہو چکی تھی، اس لیے حضرت رائے پوری کی طرف دل کھنچا جاتا تھا، چنانچہ آپ نے حضرت کی خدمت میں عریضہ تحریر فرمایا کہ ''میں بیعت کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں'' حضرت عالی نے جواب میں رقم فرمایا کہ حدیث شریف میں آتا ہے "المستشار مؤتمن" میں آپ کو لکھتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ میں تو طلب ہے، مجھ میں تو یہ بھی نہیں ہے، آپ ہمارے مرشد حضرت گنگوہی کی طرف رجوع کریں، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب فرماتے تھے کہ ''میں اس خط کو پڑھ کر پھڑک

گیا کہ اخلاص اور بے نفسی اس کو کہتے ہیں، چنانچہ دوبارہ حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور عرض کیا کہ ''مجھے معلوم ہے کہ آپ کو جو کچھ ملا، حضرت گنگوہی سے ملا، مگر میرا رجحان جناب کی طرف ہے، میری طرف سے اگر مہمان داری کی فکر ہے تو میرے حقوق حضرت کے ذمہ نہیں، میں اپنے قیام و طعام کا خود ذمہ دار ہوں''۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اس خط کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لوگوں کو خط دکھلایا اور فرمایا کہ ''دیکھو یہ ہیں طالب''۔(۱)

رائے پور حاضری

آپ افضل گڈھ سے حضرت کی خدمت میں پہلی بار غالباً ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ میں رائے پور حاضر ہوئے، راؤ عطاء الرحمٰن خاں رائے پوری نے راقم سطور کے دریافت کرنے پر کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری حضرت کے پاس کب اور کیسے آئے، تو انہوں نے بتلایا کہ جس وقت حضرت شاہ عبدالقادر صاحب تشریف لائے تو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کا قیام تاجیوالا، جمنا کے کنارے، ہریانہ میں تھا، حضرت آ رہے تھے، جب حضرت نے شاہ عبدالقادر کو دیکھا تو فوراً بغیر سلام و کلام کے ان کو اپنی بہلی میں بٹھا لیا، یہ پہلی نظر کرم و شفقت و محبت تھی، چنانچہ آپ نے بیعت کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا ''جلدی کیا ہے؟ استخارہ کر لو''، چونکہ آپ کو گھر جانا تھا، فرمایا گھر ہو آؤ، پھر بیعت کر لینا، گھر لوٹتے ہوئے حضرت شاہ عبدالرحیم کے ساتھ حضرت گنگوہی کی زیارت سے مشرف ہوئے اور حضرت نے پڑھنے کو وظیفہ بتلا دیا۔

دوبارہ رائے پور واپسی اور مستقل قیام

پھر دوبارہ وطن مالوف سے رائے پور واپسی ہوئی اور بیعت سے مشرف ہوئے، ذکر کی

(۱) حیات طیبہ ملخص۔

کیفیت بتلانے کے بعد پھر رائے پور میں مستقل قیام کا ارادہ کرلیا۔

رائے پور کے قیام میں حضرت نے بڑا مجاہدہ کیا، اگر چہ اس دور کی پوری تفصیل ملنی تو مشکل ہے تاہم حضرت نے اس دور کے جو حالات کبھی کبھی اصلاح وتربیت مریدین کی غرض سے بیان فرمائے تھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت نے اس دور میں مشائخ متقدمین کا سا مجاہدہ کیا تھا، پوری پوری رات ذکر وفکر میں گزر جاتی تھی اور حضرت کی رات دن کی خدمت اس کے علاوہ تھی، زندگی کی کوئی آسائش وسہولت حضرت کو میسر نہیں تھی، خود فرماتے تھے کہ ''اس وقت خانقاہ میں بڑی عسرت کا دور تھا، مسلسل سوکھی روٹی کھا کر کئی قسم کے امراض پیدا ہوگئے تھے، کبھی حضرت کی خدمت میں مشغول ہوتا اور مطبخ بند ہوجاتا تو یا ڈیگچی چاٹ لیا، یا پھر طاق میں سوکھی روٹی کے ٹکڑے ہوتے ان کو پانی میں بھگو کر کھالیا''۔

الغرض اس وقت یا اس زمانے میں حضرت کے دو ہی کام تھے، ذکر واذکار کی مشغولیت اور حضرت کی خدمت، دن رات میں آرام کرنے کا بہت تھوڑا وقت میسر آتا تھا، رات کو حضرت کو لٹانے کے بعد ذکر میں مشغول ہوجاتے اور پوری رات ذکر میں گزار دیتے، ذکر وشغل کے علاوہ رات دن آپ حضرت کی خدمت میں مصروف رہتے اور آپ کو حضرت سے ایسا خادمانہ وعاشقانہ تعلق ہوگیا تھا جس کی مثال صرف اولیاء متقدمین کے حالات میں مل سکتی ہے، کہ اپنے آپ کو بھول کر فنافی الشیخ ہوگئے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم کے ساتھ تبلیغی اسفار

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری تبلیغ کی غرض سے ملک کے طول وعرض میں طویل دورے فرمایا کرتے تھے، جگہ جگہ قیام کرتے اور مدارس کا اجراء کرتے، اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری کرتے، مگر شاہ عبدالقادر صاحب ہم رکاب رہتے اور شاہ عبدالرحیم

کی ضروریات کا اہتمام کرتے، چنانچہ حضرت مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ ''مجھے اپنے حضرت سے اتنی مناسبت ہوگئی تھی کہ جو کچھ حضرت کے قلب پر وارد ہوتا، اللہ کی طرف سے وہی میرے قلب پر وارد ہوتا تھا، اور جو کچھ میرے قلب پر وارد ہوتا تھا وہی حضرت کے قلب پر وارد ہوتا تھا، گویا کہ معاملہ ایسا تھا، کہ

من تو شدم تو من شدی　　من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں　　من دیگرم تو دیگری

تکمیل طریقت اور اجازت وخلافت

چنانچہ جب آپ نے منازل سلوک طے کر لیے تو پہلے آپ کو حضرت عالی نے سلسلہ قادریہ میں مجاز فرمایا، اس کے بعد چاروں سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) میں اجازت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم کی وفات اور آپکی جانشینی

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی علالت کا سلسلہ وفات سے پانچ سال قبل شروع ہوگیا تھا، مرض وفات میں جو لوگ بیعت کے لیے آتے تھے، حضرت کے حکم سے آپ ان سے بیعت لیتے تھے، اس زمانے میں بہ کثرت لوگ آپ سے بیعت ہوئے، ان ہی ایام میں ایک روز حضرت نے شاہ عبدالقادر صاحب سے فرمایا ''دل تو چاہتا ہے کہ جیسے زندگی میں اکٹھے ہیں، مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ رہیں'' مگر ہوتا وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔(۱)

(۱) چنانچہ ایسا ہی ہوا اور باوجود آپ کی شدید خواہش کے رائے پور میں اپنے شیخ کے پاس مدفون ہوں آپ اپنے وطن ڈھڈیاں میں مدفون ہوئے۔

بالآخر ۲۶؍ربیع الثانی، ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹؍جنوری ۱۹۱۹ء کو حضرت کا وصال ہو گیا، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

چونکہ امام العصر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے سلسلے میں کسی رسمی جانشینی اور خلافت کا اعلان نہیں کیا جاتا تھا، جو صاحب اہل ہوتے ہیں وہ خود ہی مرجع خلائق ہو جاتے ہیں، ویسے ہی حضرت نے آپ کو اجازت وخلافت خود دے دی تھی، نیز چودھری محمد صدیق صاحب کو آپ کے بارے میں وصیت فرمانا کہ ”میرے بعد عبدالقادر کا خیال رکھنا“ زندگی میں اور موت کے بعد ایک ہی جگہ رہنے کی خواہش کا اظہار کرنا، حضرت شاہ عبدالقادر کا سارے تعلقات ختم کر کے حضرت کی خدمت میں پڑا رہنا، یہ باتیں سب آپ کی جانشینی پر دال تھیں، چنانچہ خود ہی حالات واسباب ایسے پیدا ہوتے گئے کہ بالآخر حضرت شاہ عبدالقادر ہی حضرت شاہ عبدالرحیم کے صحیح جانشیں وقائم مقام اور باطنی دولت کے وارث بنے۔

بیت اللہ کی زیارت اور حج

آپ نے کل تین حج کیے ہیں، پہلا حج آپ نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں کیا، دوسرا حج حضرت کی وفات کے بعد آپ نے ۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء میں کیا، اس سفر میں آپ کے ساتھ بہت سے علماء وصلحاء کا مجمع تھا۔

تیسرا اور آخری حج آپ نے ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں کیا، اس سفر میں آپ کے ہمراہ رائے پور کے رؤسا اور راؤ صاحبان اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اپنے اعزہ واحباب کے ساتھ تھے، فیض آباد، بہٹ اور بریلی کے بعض شرفاء بھی شریک قافلہ تھے۔ (۱)

(۱) آپ کے حج کی تفصیلات سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب، مولفہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ملاحظہ فرمائیں

عوام میں مقبولیت ومحبوبیت

حضرت کے اخلاص وللّٰہیت اور بے نفسی وفنائیت کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اس مادہ پرستی کے دور میں آپ کو ایسی مقبولیت ومحبوبیت نصیب فرمائی اور آپ کی طرف محبین ومعتقدین کا ایسا ہجوم ہوا جس سے مسلمانوں کے عہد عروج اور دین داری وخدا طلبی کے دور ترقی کی ایک جھلک نظر آ گئی، آپ کہیں ہوں، گاؤں میں یا شہر میں، ہندوستان میں ہوں یا پاکستان میں، اہل طلب ورادت آپ کو گھیرے رہتے تھے، اور بغیر کسی اعلان واشتہار کے پروانہ وار جمع ہو جایا کرتے تھے، جس جگہ بھی تشریف فرما ہوتے، کئی سو کا مجمع حاضر رہتا، وسیع کوٹھیوں کا چپہ چپہ ذکر کرنے والوں اور دور دور سے آنے والوں سے معمور ہو جاتا تھا۔

آپ کی ذات نے ثابت کر دیا کہ زمانے کے انقلاب کا بہانہ ہے، اخلاص وکمال کہیں مخفی ومستور نہیں رہ سکتے، دور آخر میں آپ کی محبوبیت اور عوام کی عقیدت کے مناظر نے اسلام کے دور اول کے علمائے ربانی کی مقبولیت ومحبوبیت کی یاد تازہ کر دی۔

حضرت کی اس مقبولیت نے ثابت کر دیا کہ دین اور خلوص میں اب بھی وہ کشش ہے جو کسی بڑے سے بڑے دنیا دار، صدر مملکت اور کسی ارب پتی کو حاصل نہیں، سچ ہے:

مبیں حقیر گدایان عشق را کیں قوم

شہان بے کمر وخسروان بے کلہ

دنیا کے بڑے لوگوں کو خدام تو مل سکتے ہیں لیکن ان کو وہ عقیدت ومحبت اور دل سوزی نہیں مل سکتی جو اللہ کے مقبول بندوں کے مخلص خدام میں ہوتی ہے، اور ان خدام میں جن کا شمار ہو سکتا ہے، ان میں مولانا عبدالمنان صاحب، بھائی الطاف صاحب، صوفی برکت علی صاحب، حضرت حافظ عبدالرشید صاحب، قاری محمد بشیر صاحب، حضرت کے بھتیجے مولوی عبدالجلیل صاحب اور بھانجے، مولوی عبدالوحید صاحب پیش پیش ہیں۔

حضرت کی تمام ضروریات وضوء استنجاء کرانا، کھانا کھلانا، دوائی وغیرہ استعمال کرانا، نہلانا، کپڑے پہنانا، لٹانا، بٹھانا، سب کچھ یہی خدام کرتے تھے۔(۱)

عمومی بیعت

آپ کے اخلاص، وسعت اخلاق، شفقت ومحبت اور اپنے کام میں انہماک و یک سوئی کی وجہ سے بہت جلد رائے پور کی خانقاہ مرجع خاص وعام بن گئی، سہارنپور کا ضلع خاص طور پر، اور دوآبہ عام طور پر بزرگوں کے ساتھ عقیدت رکھنے والا، خدا کے نام کی چاشنی کا لذت آشنا ہے، رائے پور کے اطراف اور کوہ وشوالک کے دامن، اور جمنا کے کنارے کا دونوں طرف کا علاقہ حضرت شاہ عبدالرحیم قدس اللہ سرہ العزیز کے ساتھ بالعموم عقیدت وارادت رکھتا تھا، جابجا ضلع میں، پہاڑ پر، کھادر کے علاقے اور جمنا کی ترائی میں آپ کے خدام اور آپ کے قائم کیے ہوئے مدارس ومکاتب پھیلے ہوئے تھے، حضرت شاہ عبدالرحیم کی وفات کے بعد یہ سب اہل ارادت وتعلق آپ سے مانوس اور متعلق ہوئے، پرانے خدام نے آنا جانا اور ذکر کرنا شروع کیا، ان کی ترغیب یا ان کی صحبت کے اثر سے نئے نئے لوگ بیعت کے لیے آنے لگے، اور بڑی تعداد میں داخل سلسلہ ہونے لگے، آپ علماء وخواص کو بیعت کرنے میں جتنے محتاط اور متامل تھے، عوام کو اللہ کا نام سکھانے اور توبہ کرادینے میں نہیں تھے، بعض مرتبہ فرمایا "یہ لوگ نہایت سادہ طبیعت، مخلص اور سچے ہوتے ہیں ان کی کوئی اور غرض نہیں ہوتی، صرف توبہ کرنا چاہتے ہیں، میں بھی اس خیال سے پس وپیش نہیں کرتا، کہ شاید ان کے خلوص کی برکت سے میری بھی نجات ہو جائے اور ان کے ساتھ میں بھی توبہ کرلوں"۔(۲)

(۱) حیات طیبہ ملخصاً۔

(۲) سوانح حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری صفحہ ۱۰۱۔

حضرت کے اخیر زمانے میں لوگ بہت زیادہ آتے تھے، کئی کئی سو کا مجمع ہوتا، تو حضرت کے حکم سے حضرت حافظ عبدالرشید صاحب بیعت وتوبہ کے کلمات کہلواتے تھے۔

خصوصی استفادہ واصلاح

رائے پور کی خانقاہ چونکہ رسوم وقیود سے بہت آزاد اور حضرت کی طبیعت مبارک بہت جامع، وسیع اور داروگیر سے بھی دور تھی، نیز مختلف ماحول اور طبقات کے لوگوں کا آپ سے تعلق اور عقیدت، اور آپ کو ان سے محبت تھی، اس لیے مختلف ذوق اور مکاتب فکر، صحیح الخیال علماء، سیاسی رہنما، قومی کارکن، اہل مدارس، اہل قلم وصاحب تصنیف، جدید تعلیم یافتہ اور قدیم مدارس کے فضلاء، اپنی اصلاح وتربیت اور اپنے اپنے خلا کی تکمیل کے لیے حاضر ہونے لگے۔(۱)

ان میں بہت سے ایسے تھے کہ عرصے سے دین وعلم دین کی خدمت، اصلاح وتبلیغ، تصنیف وتقریر یا مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی اور قومی خدمت میں مشغول تھے، اور ہندوستان کی علمی یا سیاسی محفلیں ان کی علمی لیاقت، سحر انگیز خطابت، یا مفکرانہ قیادت کی شہرت وآوازہ سے گونج رہی تھیں، اور وہ خود ہزاروں لوگوں کے مرجع اور مرکز عقیدت

(۱) ان آنے والوں میں سیاسی ذوق، دینی فکر اور ثقافت وتعلیم کا جو اختلاف وتنوع تھا، اس کا کسی قدر اندازہ اس مختصر فہرست سے ہوسکتا ہے، جس میں زیادہ استیعاب واستقصاء سے کام نہیں لیا گیا اور بہت سے ممتاز اہل قلم وفکر کے نام چھوڑ دیئے گئے ہیں: مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد صاحب انوری، مولانا محمد ابراہیم، مولانا سعید احمد صاحب ڈونگوی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا عبدالرشید نعمانی، مولانا عبدالوہاب خان رام پوری، خواجہ عبدالحئی فاروقی، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی، مولانا سید فخر الحسن استاذ دارالعلوم دیوبند، حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری، مولانا زاہد حسن، حاجی عبدالواحد ایم، اے، پروفیسر عبدالغنی ایم، اے، صوفی عبدالحمید صاحب سابق صدر مسلم لیگ پنجاب ووزیر حکومت پنجاب، سید محمد جمیل صاحب سابق اکاؤنٹنٹ جنرل حکومت پاکستان، حاجی عبدالحمید صاحب ڈائرکٹر جنرل ٹیلی فون و ٹیلی گراف حکومت پاکستان، حاجی ارشد صاحب مرحوم چیف انجینئر ٹیلی فون حکومت حجاز، چودھری عبدالحمید خان مرحوم کمشنر بحالیات مغربی پنجاب۔

بنے ہوئے تھے لیکن ان کو خود (اس پوری دینی وعلمی مشغولیت وافادہ کے ساتھ) اپنے اخلاص واخلاق کی تکمیل کے لیے ایک شیخ کامل اور ایک طبیب حاذق کی تربیت وصحبت کی ضرورت محسوس ہوئی اور اس ضرورت کا احساس ان کو کشاں کشاں حضرت کے پاس لایا اور انہوں نے رائے پور پہنچ کر بہ صد شوق وبہ کمال جوش خواجہ حافظ کی زبان میں عرض کیا۔(۱)

تو کہ کیمیا فروشے نظرے بہ قلب ما کن
کہ بضاعتے نہ داریم وفگندہ ایم دامے

مرض الوفات

جب حضرت آخری مرتبہ پاکستان گئے تو لاہور کے قیام میں کئی بار مرض کا شدید حملہ ہوا، درجہ حرارت بہت بڑھ گیا اور غفلت وغنودگی طاری ہوگئی، کئی کئی روز یہ حالت رہی، خدام پریشان وسراسیمہ ہوگئے، یہاں تک کہ جب حضرت کا مرض انتہا کو پہنچ چکا تھا، حضرت پر استغراق کامل اور انقطاع کل کی کیفیت طاری تھی، زبانی تعلیم وتربیت اور ارشاد واصلاح کا وقت بہ ظاہر ختم ہو چکا تھا اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ رشد وہدایت کا یہ چراغ اب گل ہونے کے قریب ہے، لیکن حضرت کے پاس مقیم ہر شخص محسوس کر رہا تھا کہ اس انقطاع ومعذوری کے باوجود یہ ماحول کسی کے نفس گرم اور قلب روشن سے گرم اور منور ہے اور پورے ماحول پر سکینت واطمینان کا ایک شامیانہ نصب ہے۔

آخر کار ۱۳۸۱ ہجری مطابق ۱۶/اگست ۱۹۶۲ء کو جمعرات کے روز، دن کے ساڑھے گیارہ بجے رشد وہدایت کا یہ آفتاب ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔

اکثر اہل اللہ کے لیے یہی یوم لقا ثابت ہوا ہے، قیام گاہ پر سناٹا چھا گیا، ہر شخص کو اس

(۱) سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صفحہ ۶-۱۰۵

153

نعمت عظمی کے چھن جانے کا اور اپنی محرومی کا احساس ہوا۔

حضرت نے نصف صدی سے زائد مدت مسلسل مجاہدہ، مسلسل خدمت، مسلسل دعوت واصلاح اور مسلسل بے داری روح وقلب میں گزار کر اپنے خالق حقیقی کے دربار میں حاضر ہو کر سکون واطمینان پایا" یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ".

لاہور شہر میں بجلی کی طرح خبر پھیل گئی، ریڈیو پاکستان نے لاہور سے اس روح فرسا واقعے کی اطلاع دی، شہر کے کونے کونے سے لوگ آخری زیارت کے لیے ٹوٹ پڑے، چار مرتبہ نماز جنازہ پڑھی گئی، اور عین صبح صادق کے وقت تدفین عمل میں آئی، حضرت کی زندگی میں جس جگہ حضرت کی مجلس ہوا کرتی تھی، آج وہیں حضرت کی قبر (کوٹھری) بنی، دفن سے فراغت کے بعد صبح کی اذان ہوئی اور سیکڑوں میل سے آئے ہوئے خدام، نماز پڑھ کر بادیدہ تر رخصت ہوئے۔(۱)

امتیازی خصوصیات

مسلمانوں کے مختلف مکاتب فکر اور دینی وسیاسی، قومی رہنماؤں اور اہل علم وقلم حضرات کا اپنا مرشد ومربی بنانا، اس وجہ سے تھا کہ حضرت میں کچھ ایسی امتیازی خصوصیات تھیں جو دوسری جگہ نایاب نہیں تو کم یاب ضرور تھیں، چند قابل ذکر خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

آپ کے یہاں قرآن مجید سے شغف اور اس کی تلاوت کا خاص اہتمام تھا، محبت رسول اور صحابہ کرام سے تعلق ومحبت، اپنے شیخ سے اور اکابر سے خصوصی تعلق حد درجہ تھا، بے نفسی، وفنائیت، زہد وتوکل اور بذل وسخا، آپ کی فطرت ثانیہ بن گئی تھی، نومسلموں سے خصوصی تعلق اور شفقت آپ کا امتیاز خاص تھا، حقیقت پسندی اور حالات سے باخبری

(۱) تلخیص، از حیاۃ طیبہ، تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، سوانح حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ۔

اسلام کی فکر مندی اور مسلمانوں کے لیے دل سوزی آپ کا رات دن کا مشغلہ تھا۔

اگر کوئی شخص بلند اخلاق، شفقت وعاجزی، مسکینی وانکساری، کمالات کا اخفاء، تسلیم وتوکل ورضا وسخاوت وغیرہ کو مجسم دیکھنا چاہے تو مجموعہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے اور ہم سیہ کاروں کو بھی حضرت کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے اور آخرت میں عاقبت محمود کردے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ☆

ولادت: ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء- وفات: ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۹۶۵ء

پیدائش اور ابتدائی تعلیم

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی ۲۵/جمادی الاولی ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰/مارچ ۱۹۱۷ء کو چہارشنبہ کے روز پیدا ہوئے، پیدائش کے ساتویں دن ۲/جمادی الاخری، مطابق ۲۶/مارچ بروز دوشنبہ کو عقیقہ ہوا، دس سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ کرلیا، حافظ امام خاں میواتی ایک بڑے جید حافظ تھے، انہیں سے قرآن شریف حفظ کیا، قاری معین الدین صاحب سے تجوید پڑھی، حفظ قرآن کے بعد گیارہ سال کی عمر میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ سے مدرسہ کاشف العلوم بستی نظام الدین میں عربی پڑھنی شروع کی، آپ کی ابتدائی تعلیم میں مولوی منیر الدین صاحب نے بھی حصہ لیا، اور متعدد کتابیں پڑھائیں، فقہ کی کتابیں کنز الدقائق تک حافظ مقبول حسن گنگوہی سے پڑھیں۔

مدرسہ مظاہر علوم میں

۱۳۵۱ھ میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سفر حج پر تشریف لیجانے لگے تو مولانا محمد یوسف صاحب کو مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل کر دیا، وہاں آپ نے مولانا زکریا صاحب قدوسی گنگوہی اور مولانا جمیل احمد صاحب تھانوی سے پڑھا، پھر والد

☆ یہ مضمون ۱۹۹۸ء میں ''سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی'' کے لیے لکھا تھا، یہاں کتاب مذکور سے ہی ماخوذ ہے۔

صاحب کی حج سے واپسی کے کچھ مدت بعد نظام الدین آ گئے اور آ گے کی کتابیں والد صاحب سے پڑھیں اور جلالین مولانا احتشام الحسن صاحب کاندھلوی سے، اسی زمانہ میں آ پ نے رواتِ صحابہ وتابعین کی تحقیقات کا کام شروع کیا۔

۱۳۵۴ھ میں آپ دوبارہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے، اور وہاں صحاح اربعہ پڑھیں، صحیح بخاری مولانا عبداللطیف صاحب سے، صحیح مسلم مولانا منظور احمد خاں سے، جامع ترمذی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری سے، سنن ابی داؤد مولانا زکریا صاحب کاندھلوی سے پڑھیں، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب بھی ہم درس رفیق تھے۔

لیکن تعلیمی سال ختم ہونے سے پہلے ہی آپ کو علالت کی وجہ سے نظام الدین آ جانا پڑا، مولانا انعام الحسن صاحب بھی ساتھ ہی آئے، اور صحاح اربعہ کا جو حصہ باقی رہ گیا تھا، وہ اور صحاح ستہ کی باقی دو کتابیں ابن ماجہ اور نسائی اور انھیں کے ساتھ شرح معانی الآ ثار طحاوی اور مستدرک حاکم بھی اپنے والد صاحب سے پڑھیں، آپ کو بہت ہی کم عمری سے تعلیم کا انتہائی شوق تھا، عام لڑکوں کی طرح وہ اپنے فرائض سے غافل نہیں رہتے تھے، اور نہ کھیل کود میں اپنا وقت ضائع کرنا پسند کرتے تھے، ہر وقت علم میں مشغول رہتے تھے۔

نکاح

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی کی بڑی صاحبزادی(۱) کے ساتھ ۳؍محرم ۱۳۵۴ھ کو مظاہر علوم کے سالانہ جلسہ میں آپ کا نکاح ہوا، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے نکاح پڑھایا، اس موقع پر علماء دیوبند ومظاہر علوم اور دوسرے مقامات کے مشائخ موجود تھے۔

(۱) حضرت شیخ الحدیث کی دوسری صاحبزادی کا نکاح مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے ساتھ ہوا اور یہ دونوں نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے۔

علمی، ادبی اور تصنیفی ذوق

آپ نے پہلا حج ۱۳۵۶ھ میں اپنے والد صاحب کی معیت میں کیا، طالب علمی کا دور تو سراپا علمی دور تھا، شب وروز یہی مشغلہ رہتا، فراغت کے بعد والد صاحب کی حیات تک تقریباً پوری مدت مولانا علمی مشاغل میں مشغول رہے، نیز تصنیفی شوق غالب رہا، یہ ذوق اور مشغلہ اتنا غالب ہو چکا تھا کہ ضروری سے ضروری کام کی طرف پوری توجہ رکھنا مشکل ہوتا، حتی کہ اپنے والد ماجد کی دعوت سے کوئی خاص لگاؤ اور گہرا تعلق نہ رکھتے تھے، اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو علمی اور دینی کتابی ذوق کے ساتھ ساتھ لطیف ادبی ذوق بھی ملا تھا، تقوی اور کامل احتیاط کی صفت تو اپنے آباء واجداد سے ورثہ میں پائی تھی۔

مولانا الیاس صاحب کے جانشین اور تبلیغی جماعت کے امیر

۲۱؍رجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳؍۱۹۴۴ء پنجشنبہ کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد اکابر علماء ومشائخ کے مشورے اور انتخاب سے حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کو حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا جانشین بنادیا اور آپ تبلیغی جماعت کے امیر منتخب ہوئے اور والد صاحب کی نسبت، ان کے صفات وکمالات آپ کے اندر نفوذ کر گئے، اور درد وسوز، دین کی فکر، اس کے لیے بیقراری، اللہ پر اعتماد کل اور یقین کامل ان کے رگ وپے میں سما گئے، اور ان کی زبان معارف وحقائق کا گنجینۂ بن گئی، وہ مولانا یوسف صاحب جو کل تک دینی دعوت کے لیے بے چین وبے قرار ہونے کے بجائے خالص علمی مشغلہ میں منہمک تھے، آج اپنے عالی مقام والد ماجد کے انتقال کے بعد ہی سے دین کی فکر اور دعوت الی اللہ کے لیے تڑپنے والے بن گئے اور آپ نے حقیقی جانشینی کا حق ادا کر دیا، آپ کے دور میں تبلیغی جماعت ایک ہمہ گیر عالمی جماعت بن

گئی، جس کا چرچا ہر چہار دانگ عالم میں ہونے لگا۔

وفات

جب کام کی وسعت ومقبولیت اور ہمہ گیری ہوگئی تو اللہ تعالی نے آپ کو اپنے پاس بلالیا، اور ۲۹/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ مطابق ۲/اپریل ۱۹۶۵ء بروز جمعہ کو یہ بابرکت ہستی اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔(۱)

منگر کہ دل ایں یمینی پرخوں شد ۞ بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد
مصحف بکف وپابرہ ودیدہ بدوست ۞ باپیک اجل خندہ زناں بیروں شد

سالہا در کعبہ وبت خانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دانائے راز آید بروں

باقیات صالحات

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے جہاں اپنے مآثر اور کارناموں، اور باقیات الصالحات میں علمی وتحقیقی تصنیفات اور عالم اسلام میں پھیلتی ہوئی تبلیغی جماعت اور مخلص داعی، کارکنان، مریدین چھوڑے وہیں ایک فرزند ارجمند مولوی محمد ہارون صاحب بھی چھوڑے، جن کی پیدائش حضرت کی شادی کے چار سال کے بعد ۲۳/۲۴/رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ مطابق ۸/نومبر ۱۹۳۹ء دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں ہوئی، ماشاء اللہ یہ بھی اپنے والد اور دادا کے نقش قدم پر چلے اور ۲۶/ربیع الاول ۱۳۹۱ھ مطابق

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی کے متعلق یہ معلومات ''سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی'' مصنفہ مولانا سید محمد ثانی حسنی مدیر ماہنامہ ''رضوان'' سے لی گئی ہے، آپ کی پوری سوانح اور جملہ حالات زندگی معلوم کرنے کے لیے مذکورہ کتاب کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۰/جون ۱۹۷۱ء میں حضرت شیخ نے آپ کو اجازت وخلافت کی دولت بیش بہا سے سرفراز فرمایا، مگر ان کی بھی عمر نے زیادہ وفا نہ کی، اور عالم جوانی میں ۲۸/ستمبر ۱۹۷۳ء میں خدائے رب العالمین کے دربار میں چلے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔(۱)

(۱) حضرت مولانا محمد ہارون صاحب کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لیے ''تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلوی'' مولفہ مولانا محمد ثانی صاحب ملاحظہ فرمائی جائے۔

حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ بارہ بنکویؒ☆

ولادت: ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۹۰ء - وفات: ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء

مولانا کی پیدائش

حضرت مولانا عبدالباری ندوی کا وطن ضلع بارہ بنکی کا قصبہ ''گدیا'' تھا، مولانا نے ایک کھاتے پیتے گھرانے میں آنکھیں کھولیں، آپ کا خاندان دنیاوی ثروت ووجاہت کے ساتھ دولت دین سے بھی بہرہ مند تھا، یعنی خوش حال بھی تھا اور خوش مال بھی، سن ولادت ۱۳۰۷ھ ۱۸۹۰ء ہے۔

مولانا کی تعلیم وتربیت

ان کے والد ماجد نے ان کو ندوہ میں داخل کیا، اس وقت تک ندوہ میں نصاب تعلیم سے منطق کی چند کتابیں حذف کردی گئی تھیں، بقیہ نصاب وہی تھا جو دوسرے مدارس میں رائج تھا، پڑھانے والے بھی انہی مدارس کے تھے، اس لئے اس ابتدائی دور میں ندوہ کا دارالعلوم دوسرے مدارس کے درمیان کوئی امتیازی شان کے ساتھ سامنے نہیں آیا تھا، آج اس کی بین الاقوامی شہرت اور علمی ساکھ جس کا لوہا عالم اسلام نے مان لیا ہے، وہ اس وقت نہیں تھا جب کہ مولانا عبدالباری کو ان کے والد ماجد نے ندوہ میں داخل کیا تھا، لہٰذا ان کی ذہانت کے سوتے بھی کھل نہیں سکتے تھے، مگر جب سیرت نگار نبوی علامہ شبلی نعمانی نے ندوہ میں شرکت کی اور اس کے تعلیمی نظام کو اپنے ہاتھ میں لیا، اس وقت سے بحث

☆ یہ مضمون مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی کی خواہش پر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حضرت مولانا پر ہونیوالے اجلاس میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا۔

وتحقیق کا دور شروع ہوا، کتب بینی اور وسعت مطالعہ کا رجحان بڑھا، دعوت دین کو ''علّمہ البیان'' کا زیور پہنایا گیا، اس وقت مولانا عبدالباری کو دوبارہ ندوہ میں داخل کیا گیا اور یہیں سے ان کے جوہر چمکے، مولانا شبلی نعمانی کی مردم شناس نگاہ نے اس جوہر قابل کی تربیت کی، فلسفہ قدیم کا مذاق پیدا کیا، علم الکلام کے کوچوں سے آشنا کیا، مولانا شبلی کی تربیت کی سان پر چڑھ کر مولانا عبدالباری ندوی کی ذہانت کی تلوار تیز سے تیز تر ہوتی گئی، مولانا نے اپنی ذہانت سے فلسفہ قدیم کے بعد فلسفہ جدید کا مطالعہ کیا، انگریزی کی استعداد بڑھائی، اور فلسفہ جدید کے سمندر میں غوطے لگا کر اس کے نایاب موتیوں کو دین کے قدموں پر لاکر رکھ دیا۔

فراغت کے بعد تدریسی اور علمی خدمات

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا نے پونہ کالج میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر احمد آباد میں تبادلہ کرالیا، وہاں کے دوران قیام ان کی مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی صدر الصدور امور مذہبی حیدرآباد سے ملاقات ہوگئی، جو مولانا کے حیدرآباد جانے کا ذریعہ بنی، مولانا شیروانی کے توسط سے مولانا کو علم الکلام پر ایک مستقل کتاب لکھنے کی پیش کش ہوئی، اور اس کا معاوضہ پیشگی دوسو روپے (آج سے سو سال پہلے کے دوسو روپے آج کے دولاکھ روپے سمجھو) کے ساتھ دوسال تک فیلوشپ جاری رکھنے کا پروانہ ملا، اور اس عرصہ میں یونیورسٹی کے شعبہ فلسفہ جدید کے استاد کی حیثیت سے تقرر ہو چکا تھا۔

بیعت اور سلوک وطریقت

حضرت مولانا عبدالباری ندوی کو بیعت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے حاصل تھی، جس طرح مولانا عبدالماجد دریابادی حضرت مدنی سے بیعت تھے، مگر ان

دونوں کی تربیت حضرت تھانوی نے فرمائی، وہ صرف اپنی عزیمت کے بل پر خانقاہ تھانہ بھون کے شیخ، حکیم الامت کے محبوب ومقرب بن گئے۔

حضرت تھانویؒ نے اجازت وخلافت سے نوازا

اب وہ فلسفہ کا مطالعہ کرتے تو ان کو حضرت تھانوی کے ملفوظات کی روشنی میں جانچتے، اقتصادیات ومعاشیات کی کوئی گتھی نظر آتی تو اس کو حضرت تھانوی کے ناخن تدبیر سے حل کراتے، تعلیم وتربیت کا کوئی مسئلہ ہوتا تو وہ حضرت تھانوی کے مذاق تربیت کو عنوان بنا کر اس پر گفتگو کرتے، چنانچہ مولانا عبدالباری ندوی کی وہ کتابیں جو انہوں نے مرشد تھانوی کی وفات کے بعد لکھی ہیں، جامع المجددین (یعنی جامع اوصاف المجددین) تجدید معاشیات، تجدید تصوف وسلوک، تجدید تعلیم وتبلیغ، ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا پر وہ غلبہ حال تھا کہ عصر حاضر کی تمام تر الجھنوں، مشکلات، مادی، علمی وروحانی مصائب کا حل شفاخانہ تھانہ بھون سے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے رہے اور اگر ان کتابوں کا سنجیدگی سے، عصبیت وخودرائی سے بے نیاز ہوکر مطالعہ کیجئے تو بات معقول اور برمحل نظر آئے گی، چونکہ حضرت تھانوی کی صحبت وتربیت سے آپ نے سلوک کی تکمیل کرلی تھی، اس لئے حضرت تھانوی نے آپ کو اجازت وخلافت سے بھی نوازا۔

مولانا ایک زبردست عارف بن گئے تھے

حضرت مولانا عبدالباری صاحب کہاں تو ایک فلسفی تھے، مگر حضرت مدنی وحضرت تھانوی کی صحبت ومعیت نے ان کو ایسا ہیرا بنادیا کہ پھر وہ زبردست عارف بن گئے، ان کے ہر عمل، قول وفعل میں اتباع سنت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام ان کی ایک اہم صفت تھی، ان کی دینی حمیت، دینی غیریت اس قدر بڑھ گئی

تھی کہ وہ منکرات کے سلسلہ میں ذرا بھی مداہنت نہ برتتے، یہی وجہ تھی کہ حضرت مدنی کو ایک مرتبہ یہ کہنا پڑا کہ ''مولانا عبدالباری صاحب چاہتے ہیں کہ شیطان مرجائے اور یہ ممکن نہیں'' اس سے ان کے دینی مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مولانا ایک فرشتہ صفت انسان تھے

غرضیکہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب میں وہ تمام صفات پائی جاتی ہیں جن سے وہ فرشتہ صفت انسان معلوم ہوتے ہیں، اور ایک ولی کامل، اہل اللہ کی تمام خصوصیات ان کے اندر پیدا ہوگئی تھیں، اور آپ کی تصنیفات ان خصوصیات کی ترجمان ہیں، اس طرح مولانا عبدالباری صاحب نے درس وتدریس، اصلاح وتربیت، دعوت وارشاد اور تصنیف وتالیف کا فریضہ زندگی بھر بحسن وخوبی انجام دیا، یہاں تک کہ سفر آخرت کا وقت آ گیا۔

مولانا کی وفات

اور مولانا نے ۲۸/محرم ۱۳۹۶ھجری مطابق ۳۰/جنوری ۱۹۷۶ء کو بروز جمعہ عالم ناسوت سے عالم بقاء کی طرف کوچ کیا، اور ڈالی گنج لکھنؤ میں تدفین عمل میں آئی، حضرت مولانا عبدالباری صاحب نے ۲۰/ کے قریب تصنیفات یادگار چھوڑیں، جو ان کے لئے صدقہ جاریہ ہیں، اللہ تعالی مولانا کے درجات بلند فرمائے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنجہائے گراں مایہ کیا کئے

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ ☆

ولادت: ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء - وفات: ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء

ولادت وطفولیت

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ۱۳۱۵ھ میں رمضان کی گیارہویں شب میں گیارہ بجے رات کو کاندھلہ میں پیدا ہوئے، بچہ کے دادا حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب نظام الدین دہلی میں تھے، پوتے کی پیدائش کی خبر سنی تو برجستہ زبان سے نکلا کہ ''ہمارا بدل آ گیا''، اور اسی سال شوال میں دنیا سے رحلت فرمائی۔

ساتویں روز آپ کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلہ تشریف لائے، گھر پہنچ کر بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، اس زمانہ میں قدیم خاندانوں میں بڑی حیاء اور حجاب تھا، باپ بزرگوں کے سامنے بچوں کو لینے اور ان سے اظہار تعلق کرنے میں بڑا حجاب محسوس کرتے تھے، اور اس کا دستور نہیں تھا کہ اس طرح بچہ کو دیکھنے کے لیے بلایا جائے، وہاں گھر میں عقیقہ کے لیے کچھ نہ کچھ اہتمام ہونا ضروری تھا، خاص طور پر رشتہ کی ایک نانی نے جن کا نام بی بی مریم تھا، بچہ کے عقیقہ کے لیے بڑا منصوبہ بنا رکھا تھا، اور ان کو اپنے دل کے ارمان نکالنے کی بڑی خوشی تھی، مولانا یحییٰ صاحب کے اچانک پہنچنے اور بچہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کرنے سے بیبیوں کو یک گونہ حیرت اور یک گونہ مسرت ہوئی اور بعض نے یہ کہہ کر اپنی حیرت دور کی کہ آخر باپ ہیں، اگر دیکھنے کو جی چاہا تو کیا بے جا ہے؟

☆ یہ مضمون ۱۹۹۸ء میں ''سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی'' کے لیے لکھا تھا، یہاں کتاب مذکور سے ہی ماخوذ ہے۔

مولانا حجام اپنے ساتھ لائے تھے، بچہ آیا تو حجام کو اشارہ کیا، اس نے بال تراش لیے، مولانا نے بال والدہ کے پاس بھجوا دئے، اور فرمایا کہ بال میں نے بنوا دئے، بکرے آپ ذبح کروا دیجئے اور بال کے وزن بھر چاندی صدقہ کر دیجئے، پھر شیخ کے بالکل بچپن کا وہ زمانہ جو غیر شعوری طریقہ پر اچھے برے اثرات کے جذب کرنے اور ابتدائی نقوش کے مرتسم ہونے کا زمانہ ہے، وہ حضرت گنگوہی کے یہاں مبارک ماحول میں گذرا، اور بارہ سال کی عمر تک وہیں رہے۔

تعلیم کا آغاز

اس زمانہ کے اکثر قدیم گھرانوں اور شرفاء کے خاندانوں میں رواج تھا کہ ۴/۵ سال کی عمر میں بچہ مکتب میں بٹھا دیا جاتا تھا، اور اس کی تسمیہ خوانی ہوجاتی؛ لیکن شیخ کی سات برس کی عمر تک بسم اللہ بھی نہیں ہوئی، بچہ کا نشو ونما اور اٹھان اچھا تھا، اس عمر تک تعلیم شروع نہ ہونے پر خاندان کے بزرگوں کو تعجب تھا، دادی صاحبہ نے (جو خود حافظ قرآن تھیں) ایک مرتبہ اپنے لائق فرزند سے فرمایا کہ ''یحییٰ اولاد کی محبت میں اندھے نہیں ہوتے، تو نے تو سات سال کی عمر میں حفظ کر لیا تھا، یہ اتنا بڑا بیل پھر رہا ہے، آخر اس سے جوتے گٹھوائے گا یا کیا کرائے گا؟'' مولانا نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ''جب تک کھیلے اس کو کھیل لینے دیجئے، جس دن یہ اوکھل میں سر دے گا قبر ہی میں دم لے گا''۔

بالآخر وہ مبارک دن آیا کہ بچہ کی بسم اللہ ہوئی، گنگوہ کا قیام تھا، اس زمانہ میں مظفرنگر کے ایک نیک صالح بزرگ ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب مقیم تھے، مولانا محمد یحییٰ صاحب نے بچہ کو انہیں کے یہاں پڑھنے کے لیے بٹھایا اور شیخ نے قاعدہ بغدادی انہیں سے ختم کیا، قرآن مجید کا حفظ اس خاندان کا خصوصی شعار اور تعلیم کا پہلا ضروری مرحلہ تھا، اسی کے مطابق حفظ کا سلسلہ شروع کرایا گیا، یہاں تک کہ قرآن مجید مکمل ہوگیا۔

۱۳۲۸ھ تک یعنی ۱۲/۱۳/ سال کی عمر تک گنگوہ قیام رہا، اس عرصہ میں اردو کے دینی رسائل، بہشتی زیور وغیرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں گنگوہ میں رہ کر پڑھیں جو زیادہ تر شفیق اور بزرگ چچا مولانا محمد الیاس صاحب نے پڑھائیں۔

سہارنپور کا قیام اور عربی تعلیم کا آغاز

عربی تعلیم کا سلسلہ باقاعدہ سہارنپور آ کر ۲۸ھ میں شروع ہوا، مولانا محمد یحییٰ صاحب زندگی کے اکثر شعبوں بالخصوص تعلیم کے مسئلہ میں مجتہدانہ دماغ رکھتے تھے، وہ مروجہ نصاب اور عام طریقہ تعلیم اور درسی کتابوں کی متعارف ترتیب کے خلاف تھے، انہوں نے اپنی تجویز اور تجربہ وذہانت اور خداد ملکہ تعلیم کی مدد سے خود ایک نصاب تجویز کر رکھا تھا، مولانا محمد الیاس صاحب کا بھی عمل اسی پر تھا، شیخ کی تعلیم کے سلسلہ میں بھی اس اجتہاد وانتخاب سے کام لیا گیا، مولانا کا پڑھانے کا جو طریقہ ودستور تھا، اسی کے مطابق شیخ کو پڑھایا۔

شیخ کا بیان ہے کہ ”صرف میر، پنج گنج دس بارہ دن میں سنادی تھی، البتہ فصول اکبری میں بہت وقت لگا تھا، اسی طرح صرف ونحو کی درسی متداول کتابیں خاص طرز اور ترمیم واضافہ کے ساتھ پڑھیں، کافیہ کے ساتھ مجموعہ اربعین اور نفحۃ الیمن (۱) (جس سے مولانا یحییٰ صاحب بہت ناراض تھے) اور پارہ عم کا ترجمہ پڑھایا، نفحۃ الیمن کے صرف باب ثالث کے قصائد پڑھے، اس کے بعد قصیدۂ بردہ، بانت سعاد، قصیدہ ہمزیہ، مقامات سے پہلے پہلے پڑھ لیے“۔

کتب منطق مولانا عبدالوحید صاب سنبھلی (استاذ مظاہر علوم جو معقولات کے جید الاستعداد استاد تھے) سے اور زیادہ تر مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر علوم سے (جن کو معقولات سے خصوصی مناسبت تھی) پڑھیں۔

(۱) مولانا فرماتے تھے کہ ”ایک فاسد العقیدہ شخص نے ایک انگریز کی فرمائش پر یہ کتاب لکھی، معلوم نہیں ہمارے بزرگوں نے اس کو اس قدر اعزاز کیوں بخشا“ حیرت کی بات ہے کہ ابھی تک ہمارے مدارس عربیہ میں (زبان کی مفید سبق آموز اور زبان آموز کتابوں کی موجودگی میں) یہی کتاب چل رہی ہے۔ (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ)

درسیات کی تکمیل

شیخ نے درسیات کی منتہیانہ کتابیں خود مولانا محمد یحییٰ صاحب سے ختم کیں، مولانا کی تدریس کا خاص طریقہ اور اصول تھا، ان کے یہاں استاذ کے خود تقریر کرنے اور سارے مطالب کو خود حل کر کے دیدینے کا دستور نہ تھا، جیسا کہ اس وقت بڑے بڑے عربی مدرسوں میں رواج پڑ گیا ہے، مولانا کے یہاں طالب علم کا مطالعہ کر کے سبق کو پورے طور پر حل کر کے لانے کی پابندی تھی، وہ صرف وہیں رہنمائی ومدد فرماتے تھے، جہاں طالب علم کی قوت مطالعہ اور فہم کی رسائی نہ ہو اور شرح وحواشی سے مدد نہ ملتی ہو۔

مولانا ماجد علی (۱) نے مولانا محمد یحییٰ صاحب سے فرمایا کہ شیخ کو ایک سال کے لیے ان کے حوالہ کر دیا جائے، وہ ان کی معقولات کی تکمیل کرادیں گے، یہ بھی فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ وہ بخاری شریف مجھ ہی سے پڑھنے کی خواہش کرے گا لیکن اس کی نوبت نہ آئی اور شیخ کو اپنی تعلیمی تکمیل اور حصول علم کے لیے سہارنپور سے کہیں باہر جانے کی ضرورت پیش نہ آئی۔

حدیث کا آغاز

اب وہ مبارک ساعت آنے والی تھی جس میں اس علم کی تعلیم کا آغاز ہو، جس کے دامن سے ساری عمر وابستہ رہنے اور اسی کی خدمت کے لیے وقف ہو جانے کا فیصلہ قضاء وقدر میں ہو چکا تھا اور جس کی نسبت پیدائشی نام پر اس طرح غالب ہو کر رہنے والی تھی کہ

(۱) مولانا ماجد علی صاحب مانی کلاں ضلع جونپور کے رہنے والے تھے، معقولات کی تعلیم مولانا عبدالحق صاحب خیر آبادی سے پائی، حدیث گنگوہ جا کر پڑھی، اس درس میں مولانا محمد یحییٰ صاحب ان کے رفیق تھے، مینڈھو گلاوٹھی اور مدرسہ عالیہ کلکتہ میں عرصہ تک مدرس رہے، علوم عقلیہ اور کتب منطق کے درس وتدریس میں نامور اور مرجع طلبہ تھے، ۱۹۳۴ء میں عیدالفطر کے دن وفات پائی اور اپنے وطن میں مدفون ہوئے۔

''شیخ الحدیث'' نام کا قائم مقام اورنام سے بھی زیادہ مشہور ہوا، اس دن حدیث کے خادموں اوراس کے ناشرین اورشارحین کی صف میں ایک وقیع اضافہ ہونے والا تھا اور کیا عجب ہے کہ اس ''نووارد'' کی آمد پر اس فن اوراس کے مخلص خدمت گزاروں کی روح نے کہا ہو ع

آمد یارے کہ حامی خواستیم

اس سلسلہ کا آغاز بھی بڑے اہتمام کے ساتھ ہوا، ۷رمحرم ۱۳۳۲ھ کوظہر کی نماز کے بعد مشکوۃ شریف شروع ہوئی، پہلے مولانا محمد یحییٰ صاحب نے غسل فرمایا، پھر مشکوۃ شریف کی بسم اللہ کرائی، خطبہ پڑھا، پھر رو بہ قبلہ ہوکر دیر تک دعا کی، شیخ فرماتے ہیں کہ یہ تو نہیں معلوم ہوسکا کہ والد صاحب نے کیا کیا دعائیں کیں لیکن میری ایک ہی دعا تھی، اور وہ یہ کہ ''حدیث کا سلسلہ دیر میں شروع ہوا خدا کرے کبھی چھوٹے نہیں''۔(۱)

دورۂ حدیث شریف

۱۳۳۳ھ میں دورۂ حدیث کی ابتداء ہوئی، یہی سال تھا جب حضرت سہارنپوری نے طویل قیام کے ارادہ سے حجاز کا قصد کیا، شیخ کا خیال تھا کہ مجھے نہ ملازمت کرنی ہے اور نہ کوئی عجلت ہے، ایک سال میں دورۂ حدیث مکمل کرنے کی کوئی پابندی نہیں، اس لیے اپنے والد ماجد مولانا محمد یحییٰ صاحب کے درس میں ابوداؤد شروع کردی، ترمذی شریف کو حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی واپسی پر ملتوی کررکھا تھا، لیکن بعض اسباب کی بنا پر (ابن ماجہ کے سوا) بقیہ کتب صحاح والد صاحب ہی سے پڑھیں، یہ سال بڑی محنت اور انہماک کا تھا، اس کا بڑا اہتمام تھا کہ کوئی روایت بھی بے وضو نہ پڑھی جائے۔

(۱) اس دعا کی قبولیت کے آثار سب کے سامنے ہیں ''عیاں راچہ بیاں''۔

حضرت سہارنپوری سے بیعت

شوال ۱۳۳۳ھ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحب طویل قیام کے ارادہ سے حجاز کا قصد فرمارہے تھے اورلوگ کثرت سے بیعت ہورہے تھے، شیخ فرماتے ہیں کہ بچوں کی طرح سے دیکھا دیکھی اپنے اندر بھی جذبہ پیدا ہوا، حضرت سے عرض کیا! حضرت نے ارشاد فرمایا کہ جب میں مغرب کے بعد نفلوں سے فارغ ہوجاؤں، اس وقت آجانا، مولانا عبداللہ صاحب گنگوہی جو خلافت سے سرفراز ہوچکے تھے، انہوں نے بھی تجدید کی درخواست کررکھی تھی، حضرت نے فراغت کے بعد دونوں کو قریب بلایا اوراپنے دونوں ہاتھ دونوں کے ہاتھوں میں پکڑوادئے اور بیعت کے الفاظ کہلوانا شروع کئے، مولانا عبداللہ صاحب نے ہچکیوں کے ساتھ دھاڑیں مارکر رونا شروع کیا، جس کا اثر حضرت پر بھی تھا، حضرت کی آواز بھراگئی، اس وقت مولانا محمد یحییٰ صاحب اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اوپر بیٹھے ہوئے تھے، وہ یہ آوازسن کر منڈیر پر دیکھنے کے لیے آئے، دیکھا تو شیخ بھی بیعت ہورہے ہیں، اس پر مولانا کو تعجب اوراحساس ہوا کہ بلاعلم واطلاع کے انہوں نے اتنا بڑا کام کرلیا، لیکن حضرت رائے پوریؒ نے اس جرأت کی تصویب فرمائی اور بہت دعائیں دیں۔

طالب سے زیادہ مطلوب

۱۰رذی القعدہ ۱۳۳۴ھ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب نے انتقال فرمایا، تو صدمہ کی شدت اورمحبت کے جذبہ سے لائق فرزند کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ بس اب دوبارہ بخاری، ترمذی پڑھنے کی ضرورت نہیں، لیکن حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے واپسی پر حکم فرمایا کہ ترمذی وبخاری دوبارہ پڑھنی ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ طبیعت بالکل نہیں چاہتی تھی، لیکن انکار کی کوئی صورت نہ تھی، اسی دوران میں خواب دیکھا کہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن دیوبندی) فرماتے ہیں کہ مجھ سے بخاری پڑھ لو، سوچتا رہا کہ حضرت مالٹا میں اسیر ہیں، ان سے پڑھنے کہاں جاؤں، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے خواب سنا تو فرمایا کہ اس کی تعبیر یہی ہے کہ مجھ سے دوبارہ پڑھ لو۔

بالآخر حضرت کے یہاں کتابیں شروع ہوئیں، یہ سال انتہائی انہماک کا دور تھا، فرماتے ہیں کہ جہاں تک مجھے یاد ہے، شب و روز میں دو ڈھائی گھنٹے سے زیادہ سونا نہیں ہوتا تھا، ساری رات شروح حدیث کا مطالعہ کرتے، اور سبق میں پورے طور پر تیار ہو کر جاتے، اس محنت وانہماک اور فطری سعادت اور خوش بختی نے حضرت کی نظر انتخاب کو متوجہ کرلیا، اور وہ تقریب پیدا ہوئی، جو شیخ کامل کے قرب واختصاص اور استاذ فاضل کے انتخاب واعتماد کی موجب ہوئی اور اس سے شیخ کی زندگی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، جو ان کے مستقبل کی کامیابیوں اور اقران واماثل میں خصوصیت وامتیاز کا راز ہے۔

بذل المجہود کی تالیف میں اعانت وشرکت

درس میں شرکت کو دو مہینے گزرے تھے، حضرت ایک دن سبق پڑھا کر دار الطلبہ سے مدرسہ قدیم آ رہے تھے، شیخ حسب معمول ساتھ تھے، راستہ میں ایک جگہ کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا "ابوداؤد پر ہمیشہ کچھ لکھنے کی خواہش رہی، تین بار شروع کر چکا ہوں؛ لیکن مشاغل کے ہجوم نے چلنے نہ دیا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی حیات میں بار بار شروع کیا، یہ جی چاہتا رہا کہ کسی طرح لکھ لوں اور جو اشکال ہو، حضرت قدس سرہ سے حل کرلوں، حضرت کے وصال کے بعد یہ جذبہ سرد ہو گیا، لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ ہمارے مولانا

محمد یحییٰ صاحب تو حیات ہیں ان سے بحث ومباحثہ کرتے رہیں گے، مگر ان کی وفات پر یہ ارادہ بالکل نکال دیا تھا، اب مجھے یہ خیال ہو رہا ہے کہ اگر تم دونوں (۱) میری مدد کرو تو میں شاید لکھوں"۔

شیخ نے بے ساختہ جواب دیا کہ حضرت ضرور شروع کریں "اور یہ میری دعا کا اثر ہے" حضرت نے فرمایا کیسی دعا؟ شیخ نے کہا میں نے مشکوٰۃ شروع کرتے وقت یہ دعاء کی تھی کہ یا اللہ حدیث پاک کا سلسلہ بہت دیر میں شروع ہوا ہے، یہ اب مجھ سے چھوٹے نہیں، مگر اس کو میں محالات سے سمجھتا تھا اور یہ سوچتا تھا کہ اگر میں پڑھنے کے بعد مدرس بھی ہو گیا، تو حدیث تک نہ معلوم کتنے سال میں پہنچوں گا، اس لیے کہ قدیم مدرسین جو کئی سال سے پڑھا رہے ہیں، انکو حدیث ابھی تک پڑھانے کی نوبت نہ آئی، اب صورت سمجھ میں آ گئی، حضرت کی شرح میں اس ناکارہ کا اشتغال رہے گا، اور جب تک وہ مکمل ہو، کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ حدیث کی تدریس تک پہنچا دے، یہ واقعہ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کا ہے، یہی شرح بذل المجہود کی ابتدا ہے۔

حضرت نے اسی وقت شروح حدیث کی ایک لمبی چوڑی فہرست بتا دی اور کتب خانہ سے لینے کا حکم فرما دیا، اس کے بعد شیخ نے اپنے آپ کو اس کام کے لیے وقف کر دیا اور ہمہ وقت یکسوئی کے ساتھ اس کی تکمیل وتسوید میں لگ گئے، اور حضرت سہارنپوری کے یہاں پورا پورا اعتماد واختصاص حاصل کرلیا، اور اس کی تکمیل کے بعد اس کی طباعت میں بھی آپ نے پوری دلچسپی اور دلجمعی سے حصہ لیا، آج یہ شرح علمی حلقوں میں پسندیدگی اور قبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ (نفع اللہ بہ المسلمین)

---

(۱) یعنی شیخ الحدیث اور ان کے رفیق مولوی حسن احمد مرحوم جو محلّہ کھالہ پار سہارنپور کے رہنے والے تھے، اور نہایت خاموش، متین اور سنجیدہ، مسکین طبع نوجوان تھے، جوانی ہی میں ان کا انتقال ہو گیا، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

مظاہر علوم میں تقرر

مولانا محمد یحییٰ صاحب کی شخصیت ایسی نہیں تھی جو ان کے انتقال کے بعد بھلا دی جاتی، اور نہ ہی یہ ممکن تھا کہ ان کے احسانات سے صرف نظر کیا جاتا، کہ مدت تک مدرسہ میں اونچی اونچی کتابیں پڑھائیں اور ایک پائی تنخواہ نہ لی، اس عمیم وعظیم احسان کیوجہ سے سب کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا کے نور چشم ونور نظر صاحبزادے مولانا محمد زکریا صاحب کو مظاہر کے استاذ ہونے کی حیثیت سے منتخب کیا جائے کہ باوصف اپنی صلاحیتوں کے حقیقی معنی میں مولانا کے خلف الرشید ہیں، چنانچہ سرپرستان مدرسہ نے خاص طور سے منظوری دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ: ”مولوی (یحییٰ) صاحب کے حقوق مدرسہ پر بہت ہیں، نظر براں مناسب ہے کہ مولوی زکریا صاب کو بیس روپیہ پر مدرسین میں لیا جاوے (۱) اور دوتین اسباق سے زیادہ ان کو نہ دئے جائیں، باقی وقت کچھ اپنے اوقات درس میں اور کچھ اپنے تجارت میں خرچ کریں“ (دستخط سرپرستان مدرسہ)۔(۲)

بس یہ ہے اپنے وقت کے عظیم محدث، عظیم مصنف، عظیم شیخ طریقت کی تدریسی لائن کا افتتاح اور اس کی تقریب۔(۳)

چنانچہ یکم محرم ۱۳۳۵ھ کو حضرت شیخ کا بحیثیت مدرس مدرسہ مظاہر علوم میں تقرر ہوا اور ابتداء سے لے کر آخر تک حدیث کی وہ خدمت کی کہ ”شیخ الحدیث“ نے آپ کے اسم کی جگہ لے لی، کم سے کم میرے اپنے محدود علم کے مطابق پوری تاریخ ہند ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام میں کوئی عالم نہیں ہے کہ اس کا لقب (شیخ الحدیث) اس کے نام پر غالب آ گیا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنے نام سے زیادہ لقب سے پہچانا جاتا ہو، یہ طرہ امتیاز اگر کسی کو

(۱) حضرت مولانا علی میاں صاحب نے سوانح حضرت شیخ میں لکھا کہ ”تقریباً پندرہ روپئے تنخواہ مقرر ہوئی“۔
(۲) رجسٹر احکامات سرپرستان مدرسہ صفحہ ۵۱۵
(۳) تاریخ مظاہر علوم جلد دوم صفحہ ۱۴

163

حاصل ہے تو وہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب ہی کو حاصل ہے، کہ ہندوستان میں شیخ الحدیث کا نام آتے ہی فوراً ذہن آپ کی طرف متبادر ہوتا ہے، اگرچہ اس لقب کا اطلاق بہت سے محدثین پر ہوتا ہے جو اس منصب عالی تک پہنچتے ہیں، تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، کہ لوگوں کے القاب اور کنیتیں ان کے اسماء واعلام پر غالب آ گئی، جیسے ابوحنیفہ، غزالی، ابن تیمیہ، ابن حجر اور حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام، حافظ، حاکم وغیرہ، لیکن قدیم وجدید تاریخ میں (علاوہ مولانا محمد زکریا صاحب کے) کوئی شیخ الحدیث کے لقب یا نام سے نہیں جانا جاتا، یہ لقب آپ کو حضرت سہارنپوری نے مدینہ طیبہ سے تجویز کرکے دیا تھا، جیسا کہ آگے آ رہا ہے۔

عقد نکاح

حضرت شیخ کے دو نکاح ہوئے، پہلا مولانا رؤف الحسن صاحب کی صاحبزادی بی بی امۃ المتین صاحبہ سے ہوا اور ان کے بطن سے شیخ کی پانچ صاحبزادیاں تولد ہوئیں، ان کا انتقال ۵/ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۷/فروری ۱۹۳۷ء میں ہوا، اس کے بعد دوسرا عقد مولانا محمد الیاس صاحب کی صاحبزادی عطیہ صاحبہ سے ۸/ربیع الثانی ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۸/جون ۱۹۳۷ء کو نظام الدین دہلی میں اکابر کی موجودگی میں ہوا، حضرت مدنی نے نکاح پڑھایا، ان سے شیخ کے فرزند ارجمند مولانا محمد طلحہ صاحب اور دو صاحبزادیاں صفیہ اور خدیجہ پیدا ہوئیں۔

اجازت بیعت ورخصت

حضرت سہارنپوری مدینہ طیبہ میں مستقل قیام کے ارادہ سے گئے ہوئے تھے، واپسی کا کوئی ارادہ نہیں تھا، حضرت شیخ بھی چونکہ ساتھ تھے، اور شیخ کی واپسی ہندوستان ہی کو

مناسب تھی، چنانچہ حضرت سہارنپوری نے شیخ کو ''شیخ الحدیث'' کے عہدہ اور ''نائب ناظم'' کے منصب کی تحریر لکھ کر دے دی، جس پر شیخ نے بڑی عرض ومعروض کی، آخر میں حضرت رائے پوری نے ایک لطیف عنوان سے خدمت میں عرض کرکے ''نائب ناظم'' کی ذمہ داری سے ان کو سبکدوش کرادیا ''شیخ الحدیث'' کے منصب کے لیے حضرت نے اپنے دست مبارک سے تحریر لکھ کر کتاب میں رکھ دی، اور ایسا انتظام فرمایا کہ شیخ کی نظر اس پر پڑجائے۔

حضرت سہارنپوری نے رخصت کرنے سے پہلے چاروں سلسلوں میں بیعت وارشاد کی عام اجازت عطاء فرمائی اور اس کے لیے بڑا اہتمام فرمایا، اپنے سر سے عمامہ اتار کر مولانا سید احمد(۱) صاحب کو دیا کہ شیخ کے سر پر باندھیں، شیخ نے بعض مجلسوں میں فرمایا کہ عمامہ رکھتے ہی مجھے اپنے اندر کوئی چیز آتی محسوس ہوئی، اس سے میں سمجھا انتقال نسبت کی شاید یہی حقیقت ہے۔

حضرت رائے پوری نے اس کی تشہیر کردی، رفتہ رفتہ اہل اصلاح وعلم کا رجوع ہوا اور وہ بڑھتا چلا گیا، اور پھر اللہ نے آپ کو وہ مقبولیت دی اور آپ کی طرف اہل علم کا وہ رجوع ہوا کہ شیخ العرب والعجم بن گئے۔

تدریس سے معذوری

شوال ۴۱ھ سے کتب حدیث کی تدریس کا سلسلہ شروع ہوا تھا، جو ۸۸ھ مطابق ۶۹-۱۹۶۸ء تک جاری رہا، اس کے بعد نزول الماء کی وجہ سے تدریس کا سلسلہ چھوٹ گیا، لیکن تالیف کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد ۲۵/شوال ۱۳۸۸ھ کو حضرت مولانا محمد یونس صاحب جون پوری (حال شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپو) سے بخاری کا درس

(۱) برادر اکبر حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی وبانی مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ۔

شروع کرایا افتتاح خود حضرت نے کرایا تھا۔

شیخ کے فن حدیث کے کچھ مخصوص شاگرد

اللہ تعالی کا حضرت شیخ کے ساتھ یہ بھی خاص معاملہ تھا کہ انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اور اپنی نگرانی میں اپنے خصوصی فن حدیث میں کچھ شاگردوں کو تیار فرمادیا تھا، ان میں مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ شیخ الحدیث مظاہر علوم، مولانا محمد عاقل صاحب صدر المدرسین مظاہر علوم خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان دونوں فاضلوں کے علاوہ شیخ کے تلامذۂ حدیث ہندوستان وپاکستان میں پھیلے ہوئے ہیں، اور وہ اپنی اپنی جگہ پر حدیث کی خدمت انجام دے رہے ہیں، بعض بقید حیات ہیں اور بعض بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوچکے ہیں، ان میں مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ، مولانا منور حسین صاحبؒ، مولانا اظہار الحسن صاحب کاندھلویؒ، مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ، مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری استاذ حدیث جامعۃ العین ابوظبی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے ممتاز تلامذہ ہیں جو ہندوستان اور بیرون ہند میں پھیلے ہوئے خدمت حدیث انجام دے رہے ہیں۔

شیخ کے خلفاء

حضرت شیخ نے دعوت واصلاح، وعظ وارشاد اور تصوف وسلوک یا احسان وتزکیہ میں جن لوگوں کو تیار کیا اور جن کو خرقۂ خلافت اور اجازت بیعت مرحمت فرمائی ان کی تعداد ۱۰۹ ہے، جو ہندوپاک، افریقہ، انگلینڈ وغیرہ بیرونی ممالک میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان میں سے بھی کچھ وفات پاچکے ہیں اور کچھ حیات ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی ہیں، جن کی وفات جنوبی افریقہ میں ہوئی اور

حضرت مولانا محمد یونس صاحب شیخ الحدیثؒ، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی خلف الرشید، مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوریؒ، مولانا سید رشید الدین حمیدیؒ مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد، مولانا محمد عاقل صاحب سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ سابق مہتمم معہدالرشید الاسلامی زامبیا، مولانا یوسف صاحب متالا (انگلینڈ) وغیرہم ہیں، یہ اسماء راقم نے اپنے محدود علم کے مطابق تحریر کئے ہیں۔(۱)

شیخ کی تصنیفات وتالیفات

درس وتدلیس کے انہاک، ذکر ونوافل کی یکسوئی، مہمانوں کی کثرت اورواردین وصادرین کے ہجوم کے باوجود شیخ کی طبیعت میں شروع ہی سے تصنیفی ذوق اورتحریری کام میں انہاک ودیعت تھا، شیخ نے جوتصنیفات وتالیفات اورشروحات لکھی ہیں، ان کی تعداد ۱۰۳ر ہے(۲)، عام طور پر جولوگ علمی اورتحقیقی طرز کے عادی ہوتے ہیں وہ خالص دعوتی واصلاحی اورعام فہم طرز پرتصنیف وتالیف کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے اورجودوسرے طرز کے عادی ہوجاتے ہیں، وہ پہلے طرز میں اس کے آداب ومعیار کو قائم نہیں رکھ سکتے (۳) لیکن شیخ کی دونوں طرز کی تصنیفات مؤثر اورکامیاب ہیں، اس طرح شیخ بیک وقت مصنف ومحقق بھی نظر آتے ہیں، شارح حدیث اورمؤرخ بھی معلوم ہوتے ہیں، اورخالص داعی اورمختلف طبقات امت کے انکی زبان میں مخاطب کرنے والے مصلح بھی نظرآتے ہیں۔

مدینہ طیبہ کا مستقل قیام اوروفات

حضرت شیخ کی مدت العمر کی تمناتھی کہ مدینہ طیبہ جاکر رخت سفر کھولدیں اورجن کی

(۱) تفصیل کے لئے خلفائے حضرت شیخ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) یہ تعداد ''فہرست تالیفات شیخ'' مرتبہ مولانا سید محمد شاہد صاحب سے ماخوذ ہے۔
(۳) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوسوانح حضرت شیخ صفحہ ۳۵۳۔

سنت وشریعت اورحدیث کی ساری عمرخدمت کی اوران کے دامن سے وابستہ رہے، انہیں کے قدموں میں بقیہ زندگی گزاردیں، اب جبکہ ضعف بصارت اورمختلف قسم کی معذوریوں کی وجہ سے درس وتدریس اوربراہ راست مطالعہ، اورتصنیف کا موقع بھی نہیں رہاتھا، اس تمنا میں مزید شدت وقوت پیدا ہوگئی، بالآخر ۱۸ر ربیع الاول ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۳ر اپریل ۱۹۷۳ء کواس نیت سے حجاز کے لیے روانہ ہوگئے، گویابقول علامہ اقبال کے

بایں پیری رہ یثرب گرفتم   نواخواں از سرور عاشقانہ
چوآں مرغے کہ درصحرا سرشام   کشاید پر بفکر آشیانہ

یہ وہی سفر تھاجس کے بعد مستقل قیام ہوااورشیخ نے ہجرت کی نیت فرمائی(۱) اس کے بعد وہاں سے بعض ہندوپاکستان، انگلستان اورجنوبی افریقہ کے یادگاردعوتی وتربیتی سفر بھی ہوئے۔

حضرت شیخ کی علالت کا سلسلہ بہت طویل اورسالہا سال ممتد رہا، آخرکاروہ وقت آہی گیا جس کی ہرمومن متقی کوتمنا رہتی ہے کہ ۲۴ر مئی ۱۹۸۲ء مطابق یکم شعبان ۱۴۰۲ھ دوشنبہ کوعصر، مغرب کے درمیان اپنے مالک حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون، اور حرم شریف کے امام شیخ عبداللہ زاحم نے نماز جنازہ پڑھائی اورعشاء کے بعد جنت البقیع میں اہل بیت کے احاطہ میں حضرت سہارنپوری کی قبر کے پاس تدفین ہوئی۔

خداداد کمالات، یگانہ مزاجی وطبعی خصوصیات

شیخ کی سب سے زیادہ نمایاں صفات، ان کی علواستعداد وعلوہمت، ذات ومزاج میں عجیب وغریب جامعیت تھی، اوران کے خمیر میں عشق ومحبت، سوزوگداز، عاجزی وانکساری اورتواضع حددرجہ تھی، شیخ کی طبیعت میں دین کی حمیت اورمسلک صحیح کی حفاظت کا بڑا اہتمام تھا، ذکروروحانیت اوروقت کے مسلم مشائخ اوراہل اللہ کی طرف توجہ دہانی آپ کی

(۱) آپ بیتی صفحہ نمبر ۷ر صفحہ ۱۰۔

للّٰہیت و بے نفسی اور خلوص کی دلیل ہے، دینی کوششوں اور علمی کاموں کی قدردانی و ہمت افزائی اور علمی ذوق آپ کی عادت خاص تھی، اصابت رائے، دور بینی و دور اندیشی، اکرام ضیف، مدارس دینیہ سے گہرا تعلق اپنے اسلاف و مشائخ کے ساتھ وفا شعاری، اور خدام واحباب کے ساتھ محبت و شکر گذاری کا تعلق آپ کی خصوصی شان تھی، انقطاع و تبتل اور یکسوئی کا فطری رجحان اور جذبہ و شوق آپ کے اندر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، آپ کا شعری و ادبی ذوق نہایت پاکیزہ اور لطیف تھا، شیخ کی یہ ایسی صفات و کمالات ہیں جن سے آپ اپنے اقران و امثال اور معاصرین میں ممتاز اور یگانہ روزگار نظر آتے ہیں۔(۱)

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سوانح حضرت شیخ۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ☆

ولادت: ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء - وفات: ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۳ء

تمہید

چند سال قبل غالباً ۱۹۹۸ء میں جب راقم سطور نے ''سیرت حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی'' تصنیف کی تھی اور ''تذکرہ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندی'' کی ترتیب و تالیف میں مشغول تھا، اسی زمانے میں حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی سے ملاقات ہوئی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی سوانح حیات کے سلسلے میں گفتگو ہوئی، چونکہ اس وقت تک حضرت قاری صاحب کی حیات مبارکہ پر کوئی تفصیلی اور مستند سوانح حیات نہیں لکھی گئی تھی، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کو بھی اس کی بڑی فکر لاحق تھی، اس وقت نامہ سیاہ کے دل میں جذبہ پیدا ہوا کہ حضرت قاری صاحب کے حالات زندگی جمع کیے جائیں اور ان کو ترتیب دے کر ان کی تفصیلی سوانح حیات تحریر کی جائے؛ کیونکہ ایک اعتبار سے حضرت قاری صاحب تاریخ کی مظلوم شخصیت ہیں، مگر وقت گذرتا گیا اور کوئی ایسی تقریب نہ ہوئی، جس کی بنا پر یہ کام انجام پاتا، نومبر ۲۰۰۶ء میں دہلی میں ہونے والے حکیم الاسلام سیمینار کے موقع پر بعض دوستوں نے فرمائش کی کہ آپ بھی ایک مضمون تحریر کر دیجئے، اس لیے حضرت قاری صاحب سے متعلق یہ مختصر سا مضمون تحریر کیا جا رہا ہے۔

عبقری شخصیت

حضرت قاری صاحب عبقری شخصیت کے مالک تھے، تاریخ میں ایسے لوگ صدیوں

☆ یہ مضمون دہلی میں ۱۵/۱۶/نومبر ۲۰۰۶ء کو ہونے والے حکیم الاسلام سیمینار کے موقع پر بعض معاصر رسائل کے مدیران کی فرمائش پر لکھا گیا، جو ماہنامہ ''الرحمٰن'' لکھنؤ، ماہنامہ ''فیصل'' دہلی اور ''حسن تدبیر'' دہلی کے خصوصی نمبرات میں شائع ہوا تھا۔

میں پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالی نے حضرت قاری صاحب کو جہاں خاندانی شرافت ونجابت اور نبیرۂ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ہونے کی نسبت گرامی کا شرف بخشا تھا، وہیں اللہ تعالی نے ان کو ابتدائے زمانہ سے ذکاوت، ذہانت، فراست، متانت، سنجیدگی، دور بینی، دوراندیشی، علم، تقوی، پاکیزگی، روحانیت، معاملہ فہمی، انتظام وانصرام کا ملکہ تامہ اور اہتمام کے ساتھ درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تقریر وتحریر، تعلیم وتربیت، دعوت ارشاد اور وعظ واصلاح جیسی صفات عالیہ بھی عطا فرمائی تھیں۔

اساتذہ کا اعتماد اور دارالعلوم کا اہتمام

حضرت قاری صاحب نے اپنے وقت کے اہم اساتذہ سے کسب فیض کیا، تعلیم کے حصول میں آپ نے پوری محنت وجدوجہد کی اور اسلاف جیسی جانفشانی ومحنت کی، آپ اپنی کوشش وقربانی اور محنت کی وجہ سے اساتذہ کے نزدیک ہر دلعزیز ہوگئے، پاکباز اور پاک طینت اساتذہ نے آپ کی پیشانی میں ستارہ اقبال کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھ کر آپ کو منظور نظر بنالیا، جس کے نتیجے میں تعلیم سے فراغت کے فوراً بعد ہی آپ کو دارالعلوم دیوبند جیسے اہم ادارے کا مہتمم بنادیا گیا، بعض حضرات کو تعجب وحیرانی بھی ہورہی تھی کہ یہ نوجوان کیسے اتنے بڑے ادارے کی ذمہ داری نبھائے گا، جب کہ دارالعلوم میں اس وقت ماہر اساتذہ اور ہرفن کے امام موجود تھے، مگر خالق کائنات کی کرشمہ سازی دیکھئے کہ اس نوجوان نے دارالعلوم کے اہتمام کی ذمہ داری کچھ اس طرح انجام دی کہ اپنا نام اور زندگی اس ادارے کے نام اور اسکی زندگی سے ایسی وابستہ کردی تھی کہ ان میں سے ایک کا تصور دوسرے کے ساتھ آتا تھا، اس طرح انہوں نے تقریباً ساٹھ سال دارالعلوم کے اہتمام کے فرائض انجام دئے اور ان کے دور اہتمام میں دارالعلوم نے ایسی ترقی کی جو اسکے ابتدائی دور کے دیکھنے والوں کے خواب وخیال میں بھی نہ تھی، انہوں نے بڑے بڑے بحرانی کے موقعوں پر اس ادارہ کی حفاظت اور رہنمائی کی۔

قاری صاحب کی شخصیت کا زمانی ومعنوی رقبہ اور اسکی وسعت

تاریخ میں ایسی بہت کم شخصیات ہیں جن کو کسی ادارے کی ذمہ داری یا اہتمام کی اتنی مدت میسر آئی ہو جتنی کہ حضرت قاری صاحب کو، ان کی شخصیت زمانی رقبہ کے لحاظ سے بھی بہت وسیع اور جامع تھی، اور معنوی رقبہ کے لحاظ سے بھی، زمانی رقبہ تو ۸۸/سال کا ہے، جس میں سے ابتدائی زمانہ نکال دیا جائے تو بھی ۷۰/سال کے قریب ہوتے ہیں، معنوی رقبہ اس لیے وسیع ہے کہ علم وفضیلت، بصیرت، وسعت علم اور علم کی پختگی ورسوخ، خدمت دین اور اس کے ساتھ اصلاح ووعظ وارشاد، عوام سے رابطہ تربیت ودعوت، بیعت وارشاد، ان سب پہلوؤں اور گوشوں پر ان کی زندگی محیط تھی۔

آپ کا بڑا کارنامہ اور دنیا کے مختلف ملکوں کے اسفار

حضرت قاری صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو ایک ہر دلعزیز ادارہ بنادیا اور دارالعلوم کو بغیر کسی اختلاف کے عوام سے متعارف کرایا، اور ان کا اس سے تعلق پیدا کیا، تقسیم سے پہلے تحتی براعظم کے دورے کئے، تقسیم کے بعد پاکستان بار بار گئے، جنوبی افریقہ کا دورہ کیا، انگلستان گئے اور آخر میں امریکہ گئے، حضرت قاری صاحب نے ایک موقع پر فرمایا کہ ”میری بیاسی سالہ زندگی کا ایک بڑا حصہ تینوں براعظموں کے طویل سفروں میں گزرا ہے، برما، افغانستان، حجاز، جرمنی، جنوبی افریقہ، کینیا، انڈونیشیا، مڈغاسکر، زنجبار، سری لنکا، ایسٹ افریقہ، حبشہ، ری یونین، کویت، لبنان، اردن، انگلستان، فرانس اور بہت سے ممالک میں مجھے بار بار آنے جانے اور مذہبی اور علمی سوسائٹیوں میں شرکت کا موقع ملا ہے“۔(۱)

(۱) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات صفحہ ۴۳۔

روحانیت کی تکمیل اور حضرت تھانوی سے خرقہ خلافت

حضرت قاری صاحب نے اسلاف امت کی طرح روحانی و باطنی تربیت بھی حاصل کی تھی، اس سلسلہ میں انہوں نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے دست حق پر بیعت کی اور سلوک وطریقت کا راستہ بڑی کامیابی کے ساتھ طے کیا، حضرت حکیم الامت کے یہاں برابر حاضری کا معمول رہا، حضرت کی ذات سے کسب فیض، حضرت کی وفات تک برابر جاری رہا اور حضرت تھانوی نے حضرت قاری صاحب کو خرقہ خلافت سے بھی نوازا، چنانچہ آپ کا حضرت تھانوی کے ممتاز ترین خلفاء میں شمار ہوتا ہے، اس طرح قاری صاحب نے علم ظاہری اور باطنی دونوں کی قندیلیں روشن کیں، اور گم گشتہ راہوں کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا، حضرت قاری صاحب عوام کی اصلاح اور وعظ وارشاد میں حضرت تھانوی کے اسلوب کے متبع تھے، حضرت قاری صاحب خود فرماتے ہیں: ''کہ میری ساخت وپرداخت میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا بہت بڑا حصہ ہے، عمر کا ایک بہت بڑا حصہ حضرت مرحوم کے ہاں آتے جاتے گزرا، مسائل دینیہ میں ان کی فقہ سنجی، بیدار مغزی، حکیمانہ تنقیحات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط ونظم ان کا وسیع وعمیق علم ان کی سینکڑوں تصانیف ان کی محبت وبابرکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے سبق سکھائے''۔(۱)

آپ کی خصوصیات وامتیازات

اسی لیے حسن تقریر اور دعوتی واصلاحی رنگ ان کا امتیاز تھا، جس سے ہزاروں انسانوں کو فائدہ پہنچا، ہزاروں کے دلوں میں دین کے احترام کا جذبہ اور علماء کے متعلق حسن ظن

(۱) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات صفحہ ۱۴۱۔

پیدا ہوا، ایسا خوش بیان مقرر وواعظ، وسیع المعلومات اور نورانی شکل کا عالم مشکل سے دیکھنے کو ملتا تھا، جس پر پہلی نظر پڑتے ہی قلب شہادت دیتا کہ یہ فطرتاً معصوم ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں ضرر پہچانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، ایسے بے ضرر انسان کی اس خوبی یا کمزوری سے لوگ غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور عزل ونصب کا بھی نشانہ بن جاتا ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فرماتے ہیں'' واقعہ یہ ہے کہ شاید (کم سے کم ہندوستان میں) کسی علمی ودینی شخصیت کو کم ایسی ہردل عزیزی، عام شہرت ومقبولیت، اور مختلف دینی اداروں اور جماعتوں کا اعتماد حاصل ہوا ہوگا، جو ان کو حاصل تھا، اس کے ساتھ ان کو طویل عرصے تک دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم وجلیل اور بین الاقوامی شہرت کے ادارے کی خدمت وترقی کا موقع ملا، ان کی اس عام مقبولیت اور جامعیت اور ان کی ذات سے اختلافات سے بہت حد تک بالا ہونے ہی کا نتیجہ تھا، کہ آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی صدارت کے لیے (جو ہندوستان کے مختلف الخیال گروہوں، دینی جماعتوں اور اداروں کا نمائندہ ہے) روز اول سے ان کی وفات کے دن تک ان سے زیادہ موزوں اور متفق علیہ صدر نظر نہیں آیا، اور وہ اس عہدہ پر باتفاق آراء اس کے قیام کے پہلے دن سے وفات کے دن تک صدر رہے''۔(۱)

آگے حضرت مفکر اسلام لکھتے ہیں'' کہ انسان کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے خلاف سننے کی صلاحیت رکھتا ہو اور سخت سے سخت بات برداشت کرے، راقم نے قاری صاحب کو اس معاملے میں بہت عالی ظرف اور قوی الارادہ پایا، واقفیت رکھنے والے پورے حلقہ میں یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ قاری صاحب نہایت کریم النفس، بڑے شریں اخلاق، نرم خو، نرم رو، اور نرم گفتگو تھے، اقبال نے جو کہا ہے۔ ع

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم صفحہ ۱۴۲-۱۴۱۔

یہ تعریف قاری صاحب پر صادق آتی ہے۔(۱)

حضرت نانوتوی کے علوم کے تنہا وارث

حضرت قاری صاحب کے معاصر زادے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے حکمت دین کی جو معرفت حضرت نانا توی قدس سرہ کو عطا فرمائی تھی، اس دور میں حضرت قاری صاحب اس کے تنہا وارث تھے، حضرت نانا توی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کو جن حضرات نے اپنے مزاج و مذاق میں جذب کر کے انہیں شرح و بسط کے ساتھ امت کے سامنے پیش کیا، ان میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی قدس سرہ کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں تھا''۔(۲)

تصنیف وتالیف اور تقریر وخطابت میں ملکہ

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب قدس سرہ کو تصنیف اور خطابت دونوں میں کمال عطا فرمایا تھا، اگر چہ انتظامی مشاغل کے ساتھ سفروں کی کثرت تھی، اور یہ سفر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا جزو لازم بن کر رہ گئے تھے، حساب لگایا جائے تو عجب نہیں کہ آدھی عمر سفر ہی میں بسر ہوئی ہو؛ لیکن حیرت ہے کہ اتنی مصروفیات کے باوجود آپ تصنیف وتالیف کا وقت نکال لیتے تھے۔

چنانچہ آپ کی دسیوں تصانیف آپ کے بلند علمی مقام کی شاہد ہیں، اور ان کے مطالعہ سے دین کی عظمت ومحبت میں اضافہ ہوتا ہے، جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے، اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا، کہ اس کی نظیر مشکل سے

(۱) پرانے چراغ حصہ سوم صفحہ ۱۴۲۔

(۲) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات صفحہ ۶۔

ملے گی، بظاہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں، حضرت قاری صاحب کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے، نہ جوش وخروش، نہ فقرے چست کرنے کا انداز، نہ پر تکلف لسانی، نہ لہجہ، اور نہ ترنم اور نہ خطیبانہ ادائیں، لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر مؤثر، دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم دونوں یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے، مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ لیکن الفاظ ومعانی کی ایک نہر سلسبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب ودماغ کو نہال کر دیتی تھی، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں، ان کی تقریر میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک باوقار دریا کا ٹھہراؤ تھا، جو انسان کو زیر وزبر کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتا تھا، حضرت قاری صاحب نے مخالف فرقوں کی تردید کو اپنی تقریر کا موضوع کبھی نہیں بنایا، لیکن نہ جانے کتنے بھٹکے ہوئے لوگوں نے ان کے مواعظ سے ہدایت پائی اور کتنے غلط عقائد ونظریات سے تائب ہوئے۔(۱)

زندگی کے مختلف شعبوں کی آبیاری اور دارالعلوم کو بین الاقوامی ادارہ بنانے میں اہم کردار

اس طرح زندگی کے مختلف شعبوں میں حضرت قاری صاحب ایمان ویقین کی، علم ومعرفت کی، دعوت وارشاد کی، تعلیم وتربیت کی، صلاح وتقویٰ کی، ہدایت ورہنمائی کی، قلم وزبان کی، تسلیم ورضا کی آبیاری کرتے رہے، اور بھٹکی ہوئی انسانیت اور گم گشتہ راہوں کی راہ گیری کرتے رہے، اور دارالعلوم دیوبند کو پروان چڑھانے اور اس کو عالم گیر پیمانے پر مشہور کرنے اور اس کے پیغام اور مشن وفکر کو پوری دنیا میں پھیلانے اور عام کرنے میں ہمہ تن شب وروز مشغول رہے، یہاں تک کہ دارالعلوم کو ترقی کے بام عروج تک پہنچا کر

(۱) دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات صفحہ ۱۰۔

بین الاقوامی اور عالم گیرادارہ بنادیا۔

دارالعلوم سے علیحدگی

مگر افسوس کہ اجلاس صد سالہ کے بعد دارالعلوم دیوبند میں باہمی اختلافات نے جن ہنگاموں کی شکل اختیار کی، انہوں نے ماضی کے تمام ہنگاموں کو مات کردیا اور آپ کے چھوٹوں نے آپ کی ساٹھ سالہ خدمات کا جو صلہ اس آخری عمر میں آپ کو دیا وہ انتہائی تکلیف دہ ہے، حضرت قاری صاحب کی ساٹھ سالہ خدمات اور آپ کی ہمہ گیر و ہر دلعزیز باوقار شخصیت ہونے کے باوجود دارالعلوم سے علیحدگی کے حادثہ کا تصور جب دماغ میں آتا ہے، تو رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل کو تھامنا مشکل ہوجاتا ہے، حضرت قاری صاحب کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس کا کوئی تصور نہیں کرسکتا، کاش کہ قاری صاحب اپنی زندگی میں اس حادثہ کو نہ دیکھتے اور اپنے سینچے ہوئے باغ سے علیحدگی کا داغ اٹھائے بغیر اس دنیا سے رخصت ہوتے، بس اللہ ہی مالک اور وہی بہترین مددگار و کارساز ہے۔

حضرت قاری صاحب کی وفات

دارالعلوم کا یہ سچا خادم علیحدگی کا زیادہ غم برداشت نہ کرسکا، اور اس کے بعد پھر جلد ہی ۶ رشوال ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو اپنے مالک حقیقی کی آغوش میں چلا گیا، اس طرح ایک پورے عہد کا، اس کے مزاج و مذاق کا اور اس کی دل آویز خصوصیات کا خاتمہ ہوگیا، اور نہ جانے اس سانحہ کی ٹیس کب تک دلوں میں تازہ رہے گی، اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ

ولادت: ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء - وفات: ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۹۹۲ء

تمہید

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ راہ سلوک وطریقت اور شریعت کے وہ عظیم شخصیت تھے، جنہوں نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی ذات قدسی صفات میں اپنے آپ کو فنا کرکے آپ کی نسبت جامعہ کو بڑی عمدگی سے پوری طرح جذب کیا ہے، آپ کے جوہر قلب میں بچپن سے مشائخ کرام کی جو محبت قویہ پیدا ہوئی تھی، اس کے اثرات نے آپ کی ذات میں بڑی اونچی استعداد پیدا کردی، اس لئے آپ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے وصال (۱۹۶۲ء) کے بعد آپ کے جانشین ہوئے۔

آپ کی ولادت و تعلیم تربیت

حضرت شاہ عبدالعزیزی رائے پوری قدس سرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے نواسہ حقیقی تھے، آپ کا آبائی وطن گمتھلہ ضلع انبالہ (موجودہ یمنانگر، ہریانہ) ہے، آپ کی ولادت ۱۰ر جمادی الاولی ۱۳۲۳ھ بمطابق ۱۶م جولائی ۱۹۰۵ء بروز جمعہ کو ہوئی، آپ نے ولادت کے بعد جس ماحول میں آنکھ کھولی وہ انتہائی پاکیزہ اور اونچی نسبتوں کا حامل تھا، آپ کے والد گرامی حضرت چوہدری تصدق حسین رحمۃ اللہ

☆ یہ مضمون مولانا محمد الیاس صاحب مفتاحی قاسمی مہتمم جامعہ بیت العلوم پہلی مزرعہ کی خواہش پران کے یہاں ہونے والی ایک کانفرنس ''اولیاء اللہ'' میں پڑھنے کیلئے لکھا تھا جو ملتوی ہوگئی تھی۔

علیہ امام ربانی حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بیعت اور انتہائی ذاکر شاغل اور دینی فہم وبصیرت کے حامل تھے، آپ کا نام عبدالعزیز حضرت اقدس گنگوہی کے ایماء پر حضرت عالی رائے پوری نے تجویز فرمایا اور اپنی توجہات قلبیہ سے مستفید فرمایا۔

قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد رائے پور میں آپ کا قیام رہا، اس دوران حضرت شیخ الہند قدس سرہ کی نوازشات قلبیہ سے بھی آپ کو سیرابی کا موقع ملا، اسی طرح جب مدرسہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے تو حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ کے ہاں آپ کی تعلیم وتربیت کا اہتمام ہوا، ان کی شفقتیں بھی بے پایاں رہیں، چنانچہ آپ نے ۱۳۴۲ھ مطابق ۱۹۲۴ء کو ظاہری تعلیم سے فراغت حاصل کی، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے کئی سالوں کے بعد دورۂ حدیث شریف کی کلاس آپ کی وجہ سے لی اور آپ کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم مکمل کروائی۔

حضرت عالی رائے پوری کی آپ پر توجہ

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نے اپنے آخری ایام میں آپ پر خصوصی توجہ فرمائی، انہی دنوں میں حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری نے حضرت رائے پوری کی بڑی خدمت کی اور کئی مرتبہ قرآن مجید بھی خوب سنائے، آخر زمانہ میں حضرت رائے پوری بیماری اور کمزوری کے سبب اکثر قرآن کریم کی تلاوت کی سماعت کیا کرتے تھے، رمضان اور غیر رمضان میں یہی معمول تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری نے بڑی ہمت واستقلال سے مسلسل اور روانی کے ساتھ آپ کو متعدد مرتبہ قرآن کریم سنایا، اور اس دوران حضرت رائے پوریؒ پوری طرح آپ کی طرف متوجہ رہتے تھے، حتی کہ آپ کے جوہر قلب میں جذبہ صادقہ کی اس بلند نسبت کو راسخ کر دیا، جو قرآن کے فیضان سے حاصل ہوتی ہے اور قرآنی انقلاب کے اساسی فکر وعمل کو آپ کے جذبۂ قلبی میں اس طرح

پیوست کر دیا کہ وہ سلسلہ کے مشائخ کی نسبتوں کا امین بن گیا۔

نسبت کی تکمیل

حضرت رائے پوری قدس سرہ نے حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری کو جاذبہ حق کی طرف کھینچ کر اپنی زندگی میں ہی آپ کی نسبت کی تکمیل کر دی تھی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے حضرت مولانا سعید احمد رائے پوری کو مخاطب کر کے فرمایا:
''تمہارے ابا جان کی نسبت کی تکمیل تو حضرت رائے پوری قدس سرہ ہی کر گئے تھے''۔

اسی طرح جب حضرت رائے پوری کا وصال ہوا تو حضرت منشی رحمت علی صاحب نے حضرت بہاول نگری اور حضرت رائے پوری ثانی کے سامنے تجویز رکھی کہ: ''حضرت صاحبزادہ صاحب مولانا عبدالعزیز کی نسبت کی تکمیل تو حضرت رائے پوری قدس سرہ کر گئے ہیں، لہٰذا ان سے یہ کام لینا چاہئے'' جب اس تجویز کا علم حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری کو ہوا تو آپ نے ان حضرات کے پاؤں پکڑ لئے اور انتہائی مودبانہ انداز میں ان سے درخواست کی کہ: ''میں کچھ بھی نہیں ہوں، میں تو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کا ایک خادم بن کر رہنا چاہتا ہوں''۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی خدمت میں

اس طرح باوجود نسبت کے حصول کے آپ نے مسلسل ۴۵؍ سال حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خادم کی حیثیت سے امور سرانجام دئے اور ایسی خدمت کی کہ اس کی مثال نہیں ملتی، حضرت رائے پوری کے وصال کے بعد ابتدائی چھ سال تک حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کا قیام حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری کے پاس مدرسہ مظاہر علوم کے دارالاقامہ کے کمرہ میں یا پھر گمتھلہ میں ہوتا تھا، رائے پور میں آپ صرف حضرت

رائے پوری کے مزار پر تشریف لے جایا کرتے تھے، باقی زیادہ وقت حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری کے پاس گزرتا تھا، یا ان کی معیت میں بہٹ میں حضرت شاہ زاہد حسین صاحب، یا کھیڑی میں راؤ ناظر حسن صاحب کے یہاں قیام ہوتا تھا۔

خانقاہ کی نئی عمارت اور اس کا انتظام

حضرت رائے پوری قدس سرہ کے بعد کے سالوں میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خانقاہ کا پورا اہتمام کرنا اور مہمانوں کی خدمت کرنا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی پوری ذمہ داری تھی، حتی کہ آپ نے چوہدری محمد صدیق صاحب کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی یہ بات بار بار یاد کرائی کہ ”رائے پور میں حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کے لئے خانقاہ کے دو کمرے تعمیر کرادینا“۔

حضرت کے توجہ دلانے سے چودھری صاحب نے باغ میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے لئے خانقاہ کی نئی عمارت تعمیر کرائی، اور جب تعمیر کے بعد اس کو آباد کرنے کا وقت آیا اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کا قیام نئی خانقاہ میں ہوا تو انہی دنوں میں آپ کی دوسری شادی ہوئی تھی، چنانچہ آپ نے اپنی اہلیہ کے جہیز کا تمام سامان خانقاہ میں لاکر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے سپرد کردیا، اور تمام برتن، چارپائیاں اور بسترے وغیرہ اس خانقاہ میں مہمانوں کے لئے استعمال ہوتے رہے، ابتداء میں جب کہ ابھی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی طرف کثرت سے لوگوں کا رجوع نہ ہوا تھا، آپ نے ہر طرح سے خدمت سرانجام دی۔

اسفار میں معیت

یہ تو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے دور کے ابتدائی سالوں کا

معاملہ ہے، اس عرصہ میں آپ حضرت رائے پوری کی معیت میں مسلسل اسفار میں رہے، پھر جب کثرت سے لوگوں کا رجوع حضرت رائے پوری کی طرف ہوا تو اس زمانہ میں بھی ساتھ رہا کرتے اور ہر خدمت بجالاتے، تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں سرگودھا میں قیام کے باوجود آپ کا یہ خادمانہ تعلق اور عشق محبت کا رشتہ جاری رہا۔

القائے نسبت اور مشابہت تامہ

اس خدمت، محبت اور عشق کے تعلق نے انتہائی ترقی کی، حتی کہ جس نسبت کی تکمیل حضرت رائے پوری قدس سرہ کی تھی، اس میں پختگی اور رسوخ کا یہ عالم ہوا کہ آپ اپنے دونوں مشائخ کی مجسم تصویر بن گئے، ان مشائخ نے آپ کے قلب وقالب اور دماغ کو ہی تبدیل نہیں کیا بلکہ چہرہ مہرہ اور ظاہری عادات واطوار بھی بدل دئے اور یوں آپ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی مکمل مشابہت اختیار کرگئے، چنانچہ یہ بات تمام دینی حلقوں میں مشہور ہوگئی کہ ”القائے نسبت“ سے ظاہری شکل وصورت میں تغیر وتبدل کی زندہ مثال اگر کسی کو دیکھنی ہو تو حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری کو دیکھ لیا جائے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے جانشین

الغرض حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ نے ہوش سنبھالنے کی بعد تقریباً دس بارہ سال حضرت رائے پوری قدس سرہ کی خدمت کی اور صحبت اٹھائی اور آپ کی وقاد طبیعت نے اپنے نانا کے فکر وعمل اور جہد وکردار کا پوری طرح مشاہدہ کیا، اور اسے اپنے مزاج اور طبیعت کا حصہ بنایا اور اور پھر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ کی ۴۵ رسال تک خدمت کی اور انتہائی دلجمعی کے ساتھ آپ کی صحبت میں رہے، یوں خانقاہ رائے پور کا پورا مزاج آپ کی ذات میں منتقل ہوگیا اور آپ حقیقی معنوں میں حضرت شاہ

عبدالقادر رائے پوری کے جانشین قرار پائے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری نے اپنے شیخ حضرت رائے پوری قدس سرہ کے وصال (۱۹۶۲ء) کے بعد تقریباً تیس سال تک جس ضبط تحمل بردباری اور تدبر وفراست کے ساتھ اس سلسلہ رائے پور کے جامع فکر وعمل اور بہترین جہد وکردار کو محفوظ رکھا اور سر مو انحراف نہ ہونے دیا، وہ آپ جیسی عظیم شخصیت کا امتیازی وصف ہے، بلاشبہ آپ نے انتہائی نامساعد حالات، پریشان کن ماحول اور مفاد پرستی کے دور میں اپنی ذمہ داریوں کو بڑے سلیقہ اور بصیرت سے پورا فرمایا۔

خانقاہ رحیمیہ رائے پور کی جامعیت

خانقاہ رحیمیہ رائے پور کا جو مزاج گزشتہ مشائخ رائے پور کے حوالے سے ایک تسلسل کے ساتھ چلا آ رہا تھا، اس میں دین اسلام کے تمام شعبوں شریعت، طریقت اور سیاست میں، نگرانی اور سرپرستی فرمانا تھا، حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ نے بھی اپنے مشائخ کرام کے مزاج کے مطابق ان تینوں شعبوں میں بڑی جامعیت کے ساتھ تربیت فرمائی، انتہائی تدبر کے ساتھ اور پورے فہم وفراست کے ساتھ سرپرستی فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ جو مزاج خانوادۂ ولی اللہی اور ان کے سلسلہ کے مشائخ ''گنگوہ'' اور ''رائے پور'' کا رہا ہے، اس کا پورا پورا عکس حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ کی ذات قدسی صفات میں دیکھا جاسکتا ہے۔

مدارس و مراکز علمیہ کی سرپرستی

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ العزیز نے دین اسلام کے دیگر شعبوں میں کام کرنے والوں کی سرپرستی کے ساتھ، شریعت کی حفاظت کے لئے

جو دینی تعلیم وتعلم کے مراکز اور مدارس دینیہ مخلصانہ طور پر کام کر رہے ہیں، ان کی بھی صحیح معنوں میں سرپرستی فرمائی، چنانچہ وہ مراکز دینیہ جو اکابرین نے قائم کئے اور اب بھی صحیح معنوں میں کام کر رہے ہیں، آپ ان کے سرپرست رہے ہیں، لیکن نئے مدارس کے قیام میں آپ کی جانب سے اس بات کی تنبیہ کی جاتی رہی کہ چندہ کے سلسلہ میں آج کل جو بے احتیاطی کی جاتی ہے یا کام کرنے والے بجائے اخلاص سے کرنے کے، اس کو کاروبار کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، آپ ایسے لوگوں کے بارے میں بڑی سختی فرماتے تھے، آپ کے حلقہ مریدین میں اول تو اس طرح کی صورت ہوئی نہیں لیکن چندہ کے معاملہ میں اگر کہیں بھی بے احتیاطی کی جاتی تو آپ بڑی سخت تنبیہ فرماتے تھے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی سرپرستی

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حضرات سرپرستان میں ۱۹۴۰ء میں آپ کا تقرر ہوا تھا، اور باقاعدہ طور پر ۱۹۴۷ء تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست کی حیثیت سے آپ نے کام کیا، اس دوران بحیثیت سرپرست آپ نے شعبہ مالیات اور دیگر امور میں نگرانی کے فرائض سرانجام دیئے، اس کی کچھ تفصیل ''تاریخ مظاہر'' میں موجود ہے۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان آنے کے بعد اگرچہ باقاعدہ طور پر آپ سرپرست نہ رہے، لیکن آپ کی قلبی توجہات اور مفید مشاورت کا سلسلہ اسی طرح اپنے مرکز علمی کی طرف رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے لئے مشاورت

جتنے اسفار آپ کے پاکستان سے ہندوستان میں ہوئے، اس میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند کے ذمہ داران ''رائے پور'' تشریف لاتے رہے اور ان مراکز دینیہ کی صورت حال پر مشاورت کا عمل ہوتا رہا، بالخصوص حکیم الاسلام حضرت قاری

محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ہر سفر میں رائے پور تشریف لاتے اور کبھی آپ دیوبند تشریف لے جا کر حضرت قاری صاحب سے ملاقات فرماتے، اور چند ضروری امور پر مشاورت کے سلسلہ میں دونوں حضرات کی مراسلت بھی ہوئی، جو محفوظ ہے۔

۱۹۷۰ء کے ایک سفر میں ایک دفعہ حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند رائے پور حضرت کی خدمت میں تشریف لائے اور آپ کو دارالعلوم میں قیام کی دعوت دیتے ہوئے فرمایا: ''حضرت مدنی کے وصال کے بعد دیوبند میں تعلیم کا سلسلہ تو باقی ہے؛ لیکن تربیت وتزکیہ اور باطنی اصلاح کا سلسلہ ختم ہوتا جارہا ہے، آپ دیوبند قیام فرمائیں تاکہ بزرگوں کی تربیت کی یاد تازہ ہو جائے''۔ حضرت رائے پوری نے حضرت قاری صاحب کی دعوت قبول فرمائی اور دیوبند میں کچھ عرصہ قیام فرمارہے، اسی طرح حضرت ہندوپاکستان میں بہت سے مدارس کی سرپرستی فرمائی۔

شاہ عبدالعزیز صاحب کا طریقہ سلوک واحسان

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ نے اپنے مشائخ کے قدم بقدم جہاں دین اسلام کے شعبہ سیاست اور شریعت میں انتہائی تدبر اور دینی فراست کے ساتھ تربیت، نگرانی اور سرپرستی فرمائی ہے وہاں شعبہ طریقت وسلوک واحسان میں بھی ایک اعلی نمونہ پیش کیا ہے، ضبط وکتمان نے اگرچہ آپ کے باطنی کمالات کو ظاہر نہ ہونے دیا، لیکن آپ کی آغوش تربیت میں جن حضرات نے پرورش پائی ہے، کچھ انہی کا دل کسی درجہ میں آپ کے بلند مرتبہ کا اندازہ لگا سکا ہے۔

نقشبندی بزرگوں کا اعلی معیار

حقیقت یہ ہے کہ جن حضرات نے مخلصانہ طور پر اپنے آپ کو آپ کے سپرد کر دیا، آپ

نے انہیں ایسے پوشیدہ راستہ سے منزل مقصود پر پہنچایا کہ انہیں پتہ بھی نہیں چلا، اور وہ منزل پر بھی پہنچ گئے، بلاشبہ آپ نے نقشبندی بزرگوں کے اعلی معیار کو بڑے خوبصورت اسلوب میں ایک نیا رخ دیا ہے، وہ حضرات جنہوں نے آپ کی صحبت کا ذائقہ چکھا ہے وہ اس کی شیرینی اور مٹھاس کی لذت اور ٹھنڈک کو آج بھی محسوس کرتے ہیں۔

آپ کی نورانیت اوراثر آفرینی

آپ کی مجلس سے فیض یاب اور آپ کی زیارت سے برکات حاصل کرنے والے ایسے ہزاروں انسان ہیں جنہیں آپ کے پروقار اور خوبصورت چہرہ کی نورانیت اوراثر آفرینی آج تک نہیں بھول رہی، ایک بڑی تعداد میں ایسے حضرات ہیں جو آپ کے قلب ذکیہ اورانفاس طیبہ سے گرمی پاکر باطنی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے اور سیدھی راہ پر گامزن ہوئے، آپ کی باطنی توانائی نے سچے طالبین کے قلوب کے جھاڑ جھنکار کو صاف کر کے محبت الٰہی اور عشق خداوندی کا ایسا نشہ پلایا جس کی لذت وہ ہمیشہ اپنے دلوں کے نہاں خانوں میں محسوس کرتے رہیں گے۔

قوی التاثیراورتیزنظر بزرگ

آپ کے قلبی نورانیت اورصفائے باطن نے بڑے بڑے حضرات کے قلوب پر ایسے گہرے نقوش چھوڑے کہ ان کی زندگی کا رخ بدل گیا اور انہیں آپ کے چہرۂ انور اور باطنی نورانیت میں ایسی جاذبیت اور کشش محسوس ہوئی کہ جو کبھی ختم ہونے میں نہ آئی، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ (جو خود صاحب نسبت واخلاص لوگوں میں سے تھے) کا یہ جملہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: ''میں نے اپنی زندگی میں اتنا قوی التاثیر اوراتنا تیزنظر بزرگ نہیں دیکھا''۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس قلبی تاثر کی وجہ سے اپنے تمام متعلقین واحباب کو حضرت رائے پوری سے بیعت کرایا، بالخصوص اپنے محبوب ترین، قابل ترین، بااعتماد شاگرد اور داماد حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہید کو تربیت باطنی کے لئے حضرت رائے پوری کے سپرد فرمایا اور مولانا شہید سے فرمایا کہ آپ حضرت رائے پوری قدس سرہ سے بیعت ہوجائیں کہ میں نے آج تک اتنا قوی التاثیر بزرگ نہیں دیکھا، ایک طرف حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ تھا اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ مولانا شہید کا بیان ہے کہ ''میں نے جس روز حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ کو دیکھا تھا اسی دن ان کا غلام بے دام ہوگیا تھا''۔

چنانچہ حضرت بنوری کے مشورہ اور اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر مولانا شہید حضرت رائے پوری سے بیعت ہوگئے، اس پر حضرت بنوری کے تأثرات بیان کرتے ہوئے، مولانا شہید فرماتے ہیں کہ: ''حضرت مولانا بنوری کو جب میرے بیعت ہونے کا علم ہوا تو بڑے خوش ہوئے، میں نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا بنوری کو جتنا حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری قدس سرہ سے متأثر دیکھا، اتنا کسی سے متأثر نہیں دیکھا، جس قدر ان کی مدح سرائی اور تکریم کرتے تھے، اس کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے تھے، خود صاحب بصیرت تھے اور اصحاب بصیرت کی قدر کرنا وہی جانتے تھے''۔

آپ کی توجہ بڑی پراثر تھی

حضرت مولانا شہید حضرت سرہ سے بیعت ہونے کے بعد آپ کی محبت اور تربیت کے انداز کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''واقعی ایسے قوی التاثیر اور اونچے بزرگ تھے کہ انہوں نے مقناطیس کی طرح اپنی طرف جذب کرلیا، ان کی محبت بھی نرالی تھی، ان کا انداز بھی پیارا تھا، ان کی خاموشی بھی وعظ ونصیحت سے زیادہ اثر انگیز اور ان کی توجہ بھی بڑی

پراثر، پرکیف اور تیز تر تھی''۔

چنانچہ حضرت رائے پوری قدس سرہ جب بھی کراچی تشریف لے جاتے اور جامعہ علوم اسلامیہ بنوری میں قیام ہوتا، تو جامعہ کا ماحول ایک خانقاہ کی طرح دکھائی دیتا اور کیوں نہ ہو جہاں شیخ رائے پور موجود ہیں، وہیں خانقاہ ہے، چنانچہ جامعہ علوم اسلامیہ میں آپ کے ایک ایسے ہی قیام کے بارے میں حضرت مولانا شہید بتاتے ہیں:

''ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے اور جامعہ میں ہی قیام فرمایا، ذکر واذکار کی ایسی بہار آئی کہ جو ناقابل بیان ہے، وہ انوارات کی بارش، وہ تجلیات کی ضیاء پاشیاں، وہ اللہ والوں کی نشست وبرخاست، وہ صالحین واولیاء کا صبح وشام یکجا ہونا اور علماء مشائخ کا دوزانو بیٹھنا اور خاموش مجلس سے مالا مال ہوکر اٹھنا آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے''۔

چنانچہ حضرت رائے پوری نے حضرت مولانا شہید کی سچی طلب اور تڑپ دیکھ کر ایسی تربیت فرمائی کہ ان کے علم وفضل میں نکھار پیدا کردیا اور عبودیت اور للّٰہیت کے اونچے مقام پر پہنچادیا، چنانچہ حضرت مولانا شہید کا بیان ہے:

''ان حضرات نے میرے رگ وپے میں وہ علم وعمل اور للّٰہیت بھردی، جس نے مجھے سچے علم وعمل کی راہ سمجھائی، عبودیت کی حقیقت آشکارا کی اور عبداللہ بننے کا ایسا سبق دیا کہ جس نے میرا سب کچھ بدل کے رکھ دیا، اللہ تعالی رحمت برسائے ان روحوں پر جو واقعی انبیاء کرام علیہم السلام کے سچے وارث، علوم نبوت کے حقیقی حامل اور شریعت مطہرہ کے عامل تھے، جن کو دیکھ کر خدا یاد آیا کرتا، جن کی باتیں دل پراثر کرتیں، جن کی نظر مردوں کو مسیحا بنایا کرتی تھی''۔

حضرت مولانا حبیب اللہ مختار شہید اکیلے وہ فرد نہیں جو قطب الارشاد وحضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری کی توجہات باطنی اور قوت جذب ونظر کی تاثیر سے گھائل ہوئے

ہوں، بلکہ ہندوستان و پاکستان کے بہت سے محقق علماء کرام، سچی طلب رکھنے والے تشنگان ہدایت آپ کی قوت جاذبیہ حق سے پھوٹنے والے فیضان قلبی کے انوارات سے اپنی اپنی استطاعت اور ظرف کے مطابق فیضیاب ہونے والے ہیں۔

تربیت وتزکیہ کے لئے طویل اسفار

تربیت وتزکیہ کے لئے آپ نے پاکستان کے مختلف شہروں اور صوبوں کے طویل اسفار کئے، قریباً ہر شہر میں آپ کی ذات سے فیض حاصل کرنے والے آ موجود ہوتے بلکہ آپ کے سفر کے منتظر رہتے تھے، جب بھی آپ کی صحبت سے استفادہ کا موقع ملتا، اس سے مستفید ہوتے، اس طرح پورے پاکستان میں آپ کا فیض جاری رہا۔

پاکستان کے علاوہ آپ ہندوستان میں بھی اپنے متوسلین اور متعلقین کی تربیت کے لئے سفر فرماتے رہے، چنانچہ ۱۹۷۰ء سے قبل ہر دوسرے تیسرے سال آپ کا ہندوستان سفر ہوتا رہا، اور رائے پور میں قیام رہتا تھا، اس کے علاوہ دیوبند، سہارنپور، دہلی، مراد آباد اور سنبھل وغیرہ شہروں میں بھی سفر رہا کرتے، ۱۹۷۰ء کے بعد ویزہ وغیرہ کی پابندیوں کی وجہ سے کافی عرصہ تک آپ کا ہندوستان سفر نہ ہوسکا، اپنی زندگی کے آخری پانچ چھ سالوں میں آپ کو جیسے ہی ویزہ ملا، یکے بعد دیگرے جلد جلد سفر ہوتا رہا، ۱۹۸۸ء میں رائے پور میں طویل قیام ہوا، اس قیام میں ہزاروں لوگ آپ کے فیضان سے مستفید ہوئے۔

رائے پور میں عوام وخواص کا رجوع

رائے پور میں بڑا عجب سماں ہوتا تھا، روزانہ ہزاروں لوگ آپ کی زیارت کے لیے تشریف لاتے اور آپ کے فیض سے مالا مال ہوتے تھے، انسانیت دوستی کا سبق حاصل کرتے تھے، عوام تو بڑی کثرت سے آتے ہی تھے، تمام مراکز دینیہ اور مسلم قومی راہنما بھی

ملاقات وزیارت کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں، چنانچہ جانشین حضرت مدنی حضرت مولانا سید اسعد مدنی، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا رشید الدین صاحبؒ سابق مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب صاحبزادہ و جانشین حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت مولانا انعام الحسن صاحب امیر تبلیغ جماعت مرکز نظام الدین دہلی، وغیرہ حضرات وقتاً فوقتاً حضرت رائے پوری سے ملاقات اور زیارت کے لئے تشریف لاتے رہے ہیں۔

فرشتوں کی منادی

حضرت مولانا سعید خان صاحب نے رائے پور میں لوگوں کی کثرت ہجوم کو دیکھ کر فرمایا: ''معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے منادی کردی ہے کہ اللہ کا ایک نیک بندہ یہاں آیا ہوا ہے، اسی لئے یہ مخلوق خدا بڑے جذبہ اور شوق سے یہاں آرہی ہے، ہم تو تاریخیں رکھ کر پانچ پانچ، چھ چھ ماہ اجتماع کی تیاریاں کرتے ہیں اور پھر بھی اتنا بڑا مجمع نہیں ہوتا اور حضرت بیماری کی وجہ سے نہ چلتے پھرتے ہیں، اور نہ کہیں آجاسکتے ہیں پھر بھی لوگون کا اس قدر مجمع جمع ہوجاتا ہے، یہ اللہ کی طرف سے ہی ہے''۔

ان آخری سالوں میں ہندوستان میں آپ سے بہت حضرات مستفید ہوئے اور عمومی طور پر لوگوں کے قلوب میں آپ کی زیارت سے خدا کی یاد پیدا ہوئی اور انسانیت دوستی کا جذبہ ابھرا۔

آپ کے فیض یافتگان

الغرض حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری قدس سرہ نے تقریباً تیس سال تک اپنے فیض سے ایک عالم کو مستفید فرمایا، دین اسلام کے تمام شعبوں میں آپ کا فیض جاری

رہا، آپ سے فیض حاصل کرنیوالے حضرات بہت ہیں، جنہوں نے آپ کی حرارت قلبی سے اپنے قلوب میں دین مستقیم کی روشنی حاصل کی اور کامیاب وکامران ہوئے۔

آپ کے جانشین

حضرت اقدس شاہ عبدالعزیز صاحب رائے پوری کی ذات قدسی صفات سے فیض اخذ کرنے والے حضرات بہت ہیں، لیکن وہ شخصیت جس نے اپنے بچپن سے لیکر اپنی عمر کے تقریباً ۶۰ر سال تک اپنے والد ماجد کی صحبت میں بسر کئے، اور ان سے فیض حاصل کیا، وہ آپ کے بڑے بیٹے حضرت مولانا شاہ سعید احمد صاحب رائے پوری تھے، آپ کو حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے ۱۹۵۰ء میں خلافت سے سرفراز فرمایا تھا، پھر ۱۹۸۸ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز رائے پوری نے آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا۔(۱)

ہندوستان کا آخری سفر اور رائے پور کا رمضان

آپ نے اپنی زندگی میں رائے پور کا آخری سفر ۲۶ر فروری ۱۹۹۲ء مطابق ۲۲ر شعبان ۱۴۱۲ ہجری میں کیا، ۲۸ر فروری بروز جمعہ صبح آپ دہلی سے رائے پور پہنچے، اس کے بعد رمضان شریف ۱۴۱۲ ہجری رائے پور میں ہوا اور یوں آپ نے اپنی زندگی کا آخری رمضان رائے پور میں کیا جیسا کہ آپ کے شیخ محترم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کا بھی آخری رمضان المبارک رائے پور میں ہوا تھا، چنانچہ طالبین وسالکین نے پورا ماہ مبارک آپ کی صحبت میں قیام کیا اور آپ کی توجہات عالیہ سے مستفید ہوئے اور منازل سلوک طے کیں اور عوام وخواص زیارت اور ملاقات کے شرف سے باریاب ہوکر اپنی تشنگی بجھاتے رہے۔

(۱) مولانا سعید احمد صاحب رائے پوری کا ۲۰۱۲ء میں پاکستان انتقال ہوگیا تھا غفراللہ لہ ورفع درجاتہ فی جنات النعیم۔

مرض الوصال اور پاکستان میں زندگی کے آخری ایام

اگرچہ آپ کا مرض، انتقال سے تقریباً سات سال قبل فیصل آباد (پاکستان) میں قیام کے دوران ۱۹۸۵ء میں شروع ہوگیا تھا اور مسلسل سات سال آپ کا مرض جاری رہا، یوں اپنے شیخ محترم حضرت رائے پوریؒ کی طرح سات سال بیمار رہے، لیکن رائے پور کے آخری سفر میں رمضان المبارک میں آپ پر مرض کا شدید حملہ ہوا اور ڈاکٹروں نے تشویش کا اظہار کیا، اس کے بعد طبیعت خاصی سنبھل گئی، اسی وجہ سے پاکستان واپسی کا سفر ممکن ہوا، پاکستان تشریف لانے کے بعد کل ۴۱ر دن آپ کا زمانہ حیات رہا، سرگودھا پہنچ کر طبیعت میں خاصی بے چینی پیدا ہوگئی اور دن بدن تکلیف میں اضافہ ہوتا گیا، بات چیت بالکل بند ہوگئی، ہر وقت استغراق کی کیفیت رہنے لگی، جیسے جیسے طبیعت خراب ہوتی گئی اور مرض کی شدت میں اضافہ ہوتا گیا ایسے ہی غنودگی اور رجوع الی اللہ کی کیفیت بڑھتی گئی، البتہ نمازوں کے اوقات میں آپ نماز کے لئے اہتمام کرنے کا حکم دیتے رہے، بالآخر ۳۱ر مئی ۱۹۹۲ء اتوار اور پیر کی درمیانی شب مرض نے خاصی شدت اختیار کرلی، قلب پر بڑا اثر تھا، سانس پھول گیا، ڈاکٹروں نے بڑی ہمت سے علاج شروع کیا لیکن طبیعت دن بدن گرتی چلی گئی، چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ آپ کو لاہور منتقل کردیا جائے۔

زندگی کا آخری دن اور وصال وتدفین

سرگودھا میں علاج کے دوران جب آپ کی طبیعت سنبھل نہ پائی تو ڈاکٹروں کے مشورہ کے مطابق ۲ر اور ۳ر جون کے درمیانی شب آپ کو سرگودھا سے لاہور منتقل کردیا گیا، صبح ۵ر بجے میو ہسپتال کے انتہائی نگہداشت کے وارڈ میں آپ کو داخل کرادیا گیا اور ماہر ڈاکٹروں کے ایک پینل نے آپ کے علاج شروع کیا، لیکن طبیعت سنبھل نہ سکی

اور بالآخر جمعرات کی شب سوا نو بجے مورخہ ۳؍جون ۱۹۹۲ء مطابق ۲؍ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ کو آپ نے اس دارفانی سے انتقال فرمایا اور واصل بحق ہوئے، اور آپ کی پہلی نماز جنازہ سرگودھا میں ہوئی، دوسری نماز جنازہ لاہور میں ہوئی، تیسری نماز جنازہ دہلی میں ہوئی، اور چوتھی نماز جنازہ رائے پور میں حضرت مفتی مظفر حسین صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور نے پڑھائی، اور حضرت کے نانا حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کے برابر میں تدفین ہوئی۔

غفراللہ له ورفع درجاته فی جنات النعیم

حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری☆

ولادت: ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء - وفات: ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء

تمہید

اللہ تعالی کی یہ سنت رہی ہے کہ وہ ہر دور اور ہر زمانے میں ایسے نفوس قدسیہ، اصحاب قلوب، اصحاب دعوت وعزیمت، اہل اللہ، اصفیاء واتقیاء، مقبولین بارگاہ الٰہی، مجاہدین فی سبیل اللہ، مجتہدین فی الدین والعلم، اساتذہ کاملین، مجددین ومصلحین، مصنفین وکبار محققین، صاحب ایثار وزہد ومجاہدہ، عارفین ومشائخ اور علماء ربانی پیدا کرتا رہا ہے، جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والتسلیم کی طرح دعوت وتبلیغ اور رشد وہدایت کا فریضہ انجام دیتے رہے ہیں، اور زندگی کے مختلف شعبوں، عبادات، معاملات، معاشرت وغیرہ کے متعلق اللہ ورسول کے احکام امت کو بتلاتے اور حلال وحرام کے بارے میں ان کی رہنمائی کرتے رہے ہیں، جن کی فکر وتوجہ کا خاص نشانہ اور موضوع قلوب کا اللہ تعالی کے ساتھ وہ ربط وتعلق ہونا ہے، جس کو کتاب وسنت کی زبان میں اخلاص واحسان کہا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے بیسویں صدی عیسوی کے شروع میں بھی ایسی ہی ایک شخصیت، داعی الی اللہ، ناشر رشد وہدایت حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کو پیدا فرمایا، جن کی تربیت وقت کی مشہور شخصیت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی آغوش میں ہوئی، اس مضمون میں حضرت حافظ صاحب کے مختصر حالات اور ان کی دینی وروحانی خدمات پر روشنی ڈالی جارہی ہے، اللہ تعالی قبول فرمائے اور اپنے پاک لوگوں کے

☆ یہ مضمون خانقاہ رائے پور سے متعلق اجلاس منعقدہ ۲۴؍جون ۲۰۱۰ء کو ہتھنی کنڈ میں پڑھنے کے لئے لکھا گیا تھا، جو بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع ہوا۔

نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

پیدائش اور نام ونسب

حضرت الحاج حافظ عبدالرشید صاحب حضرت ملاجی عبدالعزیز صاحب رائے پوریؒ (خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ) کے گھر میں ۱۹۱۰ء میں پیدا ہوئے، آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے، حضرت حافظ عبدالرشید صاحب بن حضرت ملاجی عبدالعزیز صاحب بن فوجدار خان بن محمد یار خاں بن محمد رستم خان بن غلام مرتضیٰ خان بن محمد مہتاب خان بن محمد وہاب خان بن بھیکن خان بن راؤ بہادر خان بن غازی خان بن ہمت خان بن شیخ چند خان، اس طرح حضرت حافظ صاحب شیخ چند کی بارہویں پشت میں ہیں، شیخ چند اور ٹیک چند دو حقیقی بھائی تھے، ٹیک چند کافر ہی رہا، البتہ شیخ چند نے (۱۴۲۲ بکرمی سمت) ۱۳۶۵ء مطابق ۷۸۶ھ میں مذہب اسلام قبول کرلیا تھا، رائے پور کا راجپوت خاندان شیخ چند ہی کی اولاد ہے۔

آپ کے والد ماجد کے حالات کی ایک مختصر سی جھلک

حضرت حافظ صاحب کے والد ماجد حضرت ملاجی عبدالعزیز صاحب حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کے سب سے بڑے معاون اور آپ کے اجل خلفاء میں سے تھے، یہاں تک کہ حضرت شاہ صاحب کے مجاہدوں کے زمانہ میں بھی ساتھ رہے، سفر حج میں بھی ساتھ گئے، اس طرح سے تقریباً چالیس سال حضرت شاہ صاحب کے ساتھ رہے ہیں، اور تحریک شیخ الہند کے خزانچی بھی رہے ہیں، حضرت ملاجی حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب کے زمانے میں خانقاہ رائے پور کے اس کمرے میں رہے، جہاں اس وقت خانقاہ اور مدرسے کا دفتر ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم

صاحب نے جو مدرسہ ۱۳۰۸ھ میں خانقاہ میں قائم کیا تھا، حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ختم ہوگیا تھا، حضرت ملاجی نے اس کو از سرنو شروع کیا، اور تیرہ سال تک مدرسے کے کاموں کو بحسن وخوبی انجام دیا، حضرت ملاجی نے بہت سی جگہوں پر دینی مدارس بھی قائم فرمائے، اس طرح حضرت ملاجی نے دینی وروحانی خدمات انجام دیں، حضرت ملاجی کی طبیعت میں نرمی، اور بے انتہا صبر وتحمل تھا، نورانی چہرہ کی وجہ سے بہت پروقار اور بڑے ذی وجاہت معلوم ہوتے تھے، نماز میں حد درجہ خشوع وخضوع تھا، غرضیکہ حضرت ملاجی کے بہت اونچے حالات تھے، فنافی اللہ وفنافی الرسول کے درجہ پر فائز تھے، جب وفات ہوئی تو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، حضرت ملاجی کے یہاں ایک ہی اولاد حضرت حافظ صاحب تھے، الغرض حضرت ملاجی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے پیر بھائی تھے اور دونوں میں محبت وعقیدت بھی بہت زیادہ تھی، اس لیے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی بھی توجہات آپ کو بہت ہی حاصل رہیں۔

حافظ صاحب کی تعلیم وتربیت

حضرت حافظ صاحب نے جب ہوش سنبھالا، کچھ وقت کھیل کود میں گزارا، پھر جلد ہی آپ کو پڑھنے کے لیے بٹھادیا گیا، چنانچہ آپ نے قاعدہ نورانی خورد وکلاں میاں ظہور علی صاحب پرتاب پوری ضلع بلند شہر سے پڑھا، اور پارۂ عم حافظ سعادت علی نوشیرواں ضلع سہارنپور سے پڑھا، ختم قرآن شریف حافظ الٰہی بخش نابینا کے پاس کیا اور کچھ دینیات کی ابتدائی کتابیں پڑھی، اس کے بعد اپنے والد صاحب سے متعدد کتابیں پڑھیں اور تعلیم مکمل کی، اگرچہ آپ کسی مدرسے کے مستند عالم نہیں تھے مگر والد صاحب کی توجہ اور حضرت رائے پوری جیسے شیخ کامل کی صحبت نے آپ کو ایسا بنادیا کہ اللہ نے آپ سے وہ کام لئے جو

بڑے متبحر عالم ومجاہد سے لیتا ہے۔

شادی خانہ آبادی

حضرت حافظ صاحب کی شادی غالباً ۱۹۳۲ء میں ۲۲/سال کی عمر میں موضع کلانور ضلع روہتک، پنجاب (موجودہ ہریانہ) میں عبدالرزاق خان کی بڑی لڑکی سکینہ بیگم سے ہوئی، نکاح کلانور کی مسجد کے امام صاحب نے پڑھایا۔

حضرت رائے پوری سے تعلق اوران کی خدمت

حضرت ملاجی کی وجہ سے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب حضرت حافظ صاحب کوخوب چاہتے تھے، مگر حضرت حافظ صاحب کی طبیعت زیادہ اس طرف نہیں جاتی تھی ،ایک مرتبہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب نے مولانا احمد الدین صاحب (۱) پنجابی سے فرمایا کہ ''عبدالرشید اگر بدل جائے تو بہت دین کا کام کرے گا'' اسی طرح ایک مرتبہ فجر بعد جب حضرت شاہ صاحب ٹہل کر آئے، تو حضرت ملاجی نے حضرت شاہ صاحب کی بغل بھر کر اور روکر فرمایا کہ ''عبدالرشید کا خیال رکھئے'' اس طرح والد صاحب کی چاہت اور حضرت شاہ صاحب کی توجہ سے حضرت حافظ صاحب کی طبیعت بدل گئی، اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں خانقاہ میں خوب آنا جانا شروع کردیا، یہاں تک کہ تنہائی میں بھی حضرت کے پاس رہنے کا موقع ملنے لگا، ایک مرتبہ حضرت شاہ صاحب نے رات میں فرمایا کہ ''عبدالرشید توبہ تو کرلو!'' بس اسی وقت حضرت شاہ صاحب کے ہاتھوں پر بیعت کی، اور سلوک وطریقت کے منازل طے کرنے شروع کردئے، جب یہ نوبت آئی تو حضرت شاہ صاحب نے توجہ کم کردی، تاکہ حضرت حافظ صاحب کے اندر طلب صادق پیدا ہو، مگر اب تو تار جڑ چکے تھے، اس لیے تعلق میں اضافہ

ہی ہوتا گیا، یہاں تک کہ جلوت وخلوت میں بھی حضرت کے پاس رہنے لگے، اور فنا فی الشیخ ہوگئے، بلکہ یک جان دو قالب والا مسئلہ ہوگیا، حضرت شاہ صاحب کی ضروریات کو سمجھنے لگے، اور حضرت شاہ صاحب کے احوال قلب پر وارد ہونے لگے، اور شیخ کی معرفت نصیب ہوگئی، مزید حضرت شاہ صاحب کی خدمت کرتے رہتے اور قرآن شریف کی تلاوت کرتے رہتے، بعض مرتبہ دن میں چالیس پارے پڑھتے، حضرت شاہ صاحب نے منع فرمایا، تب بیس پچیس پارے پڑھنے لگے، حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں کہ ''حضرت حافظ صاحب ۶/منٹ میں ایک پارہ پڑھا کرتے تھے'' یہ صحبت شیخ اور قرآن سے عشق، کثرت تلاوت اور تعلق مع اللہ کا نتیجہ تھا کہ وقت میں اس قدر برکت ہوتی کہ ۶/منٹ میں ایک پارہ ختم ہوجاتا۔

اجازت وخلافت

جب حضرت حافظ صاحب نے سلوک وطریقت کے تمام منازل طے کرلئے اور حضرت شاہ صاحب کومکمل اعتماد ہوگیا، تو حضرت شاہ صاحب نے حضرت حافظ صاحب کو چاروں سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) میں خرقہ خلافت اوراجازت بیعت مرحمت فرمائی، مگر حضرت حافظ صاحب کسی کو بیعت نہ کرتے، حضرت شاہ صاحب بہت اصرار کرتے کہ لوگوں کو بیعت کرو، مگر پھر بھی نہ کرتے، یہاں تک حضرت شاہ صاحب نے حضرت حافظ صاحب کو یہ فرمایا کہ تم بیعت کرو! اگر بیعت نہیں کروگے، تو گنہ گار ہوگے۔

سب سے پہلی بیعت

اس کے بعد حضرت ملا معزالدین جیت پور والے حضرت حافظ صاحب کو اپنے گاؤں جیت پور (ضلع انبالہ) لے گئے، اور حضرت حافظ صاحب کو مسجد میں بٹھا کر لوگوں کو جمع کیا

اور جیت پور کے سب لوگ حضرت حافظ صاحب سے بیعت ہوئے، گویا سب سے پہلی بیعت جیت پور سے شروع ہوئی، اس کے بعد حضرت حافظ صاحب بیعت کرنے لگے۔

شاہ صاحب کا آخری زمانہ

حافظ صاب کا کپڑا پکڑنا اور بیعت کرانا

حضرت شاہ صاحب جب بہت ضعیف اور کمزور ہو گئے، اور لوگوں کا جم غفیر ہوتا، تو حضرت حافظ صاحب ہی حضرت شاہ صاحب کے حکم سے کپڑا پکڑتے اور سب کو توبہ اور بیعت کے کلمات کہلواتے اور آخر میں تو حضرت حافظ عبدالرشید ہی عموماً بیعت کراتے تھے، بلکہ اخیر میں تو ذکر سکھانے کے لیے بھی حضرت شاہ صاحب حضرت حافظ صاحب کو ہی فرماتے، چنانچہ حضرت حافظ صاحب لوگوں کو ذکر سکھلاتے۔

شاہ صاحب کے زمانے میں حافظ صاحب کے دعوتی سفر

حضرت شاہ صاحب نے حضرت حافظ صاحب کو اپنی حیات ہی میں دعوتی اور تبلیغی اسفار پر بھیجنا شروع کر دیا تھا، چنانچہ حضرت حافظ صاحب نے حضرت شاہ صاحب کے حکم سے ہریانہ، پنجاب، ہماچل اور دہرہ دون کے بہت اسفار کئے اور سب جگہ دعوت و اصلاح اور بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رہا، سفر سے واپس آکر حضرت شاہ صاحب کو سفر کی روداد سناتے اور کارگزاری بتلاتے، تو حضرت شاہ صاحب بہت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔

پہاڑوں کے دعوتی سفر

حضرت حافظ صاحب مسطح اور زرخیز علاقوں کے علاوہ پہاڑوں کی چوٹیوں اور تنگ راستوں کا بھی سفر کرتے تھے، جہاں پر گاڑی تو کیا پیادہ پا چلنا بھی بڑا مشکل ہے، پورے

پورے دن پیدل چلتے، ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں جاتے، لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کو توبہ کراتے اور کلمہ طیبہ سکھاتے، نماز، روزے کا طریقہ بتلاتے، صحیح راستے پر لاتے اور ان کو سمجھا بجھا کر چھپر کی مسجد کی بنیاد ڈالتے، اس طرح وہ اللہ کا نام لینے والے بن جاتے، اور اپنے مسجودِ حقیقی کے آگے پنجوقتہ سربسجود ہوتے اور سچے مسلمان بن جاتے۔

پنجاب و ہریانہ کے شمالی حصہ کا دورہ

اور لوگوں کے ایمان کی تجدید

حضرت حافظ صاحب نے ۱۹۴۷ء کے بعد اپنے شیخ کے حکم سے پنجاب اور ہریانہ کے شمالی حصہ کا دورہ فرمایا، جمنا سے لے کر چنڈی گڑھ تک تقریباً پچاسی گاؤں ہیں جو پہاڑوں کی تلہٹی میں آباد ہیں، اور وہ تقسیم ہند کے موقع پر مرتد ہو گئے تھے، اور انہوں نے اپنے نام تک بدل دئے تھے، سروں پر چوٹے رکھنے شروع کر دئے تھے، ماشاء اللہ حضرت حافظ صاحب کی سعی بلیغ سے وہ لوگ دین حق میں واپس آگئے، اور دوبارہ کلمہ پڑھ کر پھر ایمانی و اسلامی زندگی سے شرف یاب ہوئے۔

مختلف مقامات کے دعوتی سفر

ہریانہ و پنجاب کی طرح حضرت حافظ صاحب نے ہماچل کے دور دراز مقامات کے بھی دورے کئے، ناہن، سرمور، شملہ میں خاص طور سے اسفار کئے، اسی طرح یوپی خاص طور سے دھرہ دون، سہارنپور، مظفرنگر، ہریدوار، میرٹھ اور بجنور وغیرہ میں بھی بہت سے سفر کئے، ایک ایک ہفتہ قیام فرماتے، سنیچر کی صبح جاتے اور جمعرات کی شام کورائے پور واپس تشریف لاتے، ہر جگہ رجوع عام ہوتا، لوگ پروانہ وار جمع ہوتے، اور آپ کی بابرکت ذات سے استفادہ کرتے، اپنے گھروں پر لے جاتے، مسجدوں میں اکٹھے ہو کر ذکر واذکار اور وعظ

ونصیحت کی مجلسیں منعقد کرتے، شاعر مشرق علامہ اقبالؒ کا یہ شعر آپ پر صادق آتا ہے: ؎

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلی، نہ صفاہاں، نہ سمرقند

بعض اسفار میں آپ کے دست مبارک پر ۲۴/۲۵ ہزار آدمیوں نے توبہ کی، اور ایک سفر میں تو لوگوں نے اندازہ لگایا کہ تقریباً چالیس ہزار آدمی تائب ہوئے، الغرض آپ کے دوروں اور اسفار کا مقصد دعوت دین، رجوع الی اللہ، دین کی بنیادی باتوں اور عقیدہ توحید کی دولت سے لوگوں کو روشناس کرانا تھا، جو دین سے بے راہ روی اختیار کئے ہوئے ہوتے، یا حالات کے آگے سرنگوں ہوگئے تھے، آپ کی زندگی کا دو تہائی حصہ اسفار پر ہی مشتمل ہے۔

حج بیت اللہ

حضرت حافظ صاحب نے ۱۳۸۵ھ مطابق ۱۹۶۶ء میں حجاز مقدس کا سفر کیا، اور بیت اللہ کی زیارت کی اور حج کا فریضہ انجام دیا، حج سے فراغت کے بعد جب آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو روضہ اقدس پر برجستہ آپ کے ذہن میں ایک درود آیا، جس کو آپ نے پڑھا: ''اللّٰہم صل علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وأصحابہ وأہل بیتہ وازواجہ وذریاتہ أجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین'' اس سے حضرت حافظ صاحب کے عشق رسول ومحبت رسول اور فنا فی الرسول ہونے کا پتہ چلتا ہے۔

زندگی کی مشغولیات وخصوصیات

آپ کی زندگی کی مشغولیات ہمہ وقت یہ رہتیں کہ اللہ کی بھٹکی ہوئی مخلوق صحیح راستے پر آجائے، پریشان حالوں کی پریشانیاں دور ہوجائیں، اس لیے حالات حاضرہ پر گہری نظر

رکھتے، اخبار اور ریڈیو کے ذریعہ خبریں سنتے اور مظلومین کے لیے دعا کرتے، اور دنیا میں کہیں بھی مسلمانوں پر نامساعد حالات آتے تو آپ پریشان ہوجاتے اور اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتے اور دعاء میں مشغول ہوجاتے، رائے پور کے زمانہ قیام میں مہمانوں کی آمد کا برابر سلسلہ رہتا، تو سب کو کھانا کھلاتے اور ہر وقت دسترخوان چلتا رہتا، اور سب مہمان شکم سیر ہوکر کھانا کھاتے، پانچوں نمازوں کے بعد دعاء کا بہت زیادہ غلبہ رہتا، نمازوں کے اوقات کے علاوہ بھی جب وقت ملتا، اللہ کی طرف متوجہ ہوجاتے، اور دعاء میں مشغول ہوجاتے، اس طرح آپ مستجاب الدعوات ہوگئے تھے، توبہ کا بھی زیادہ اہتمام تھا، اکثر اوقات اللہ کی طرف متوجہ ہوکر توبہ کرتے، خاص کر نمازوں کے بعد تو توبہ اکثر کیا کرتے تھے، نیز ذکر میں بھی استغراق کی کیفیت طاری رہتی، ہر وقت زبان پر ذکر جاری رہتا، بلکہ رات میں سوتے وقت جب بھی آنکھ کھلتی اس وقت بھی زبان پر ذکر جاری ہوجاتا، باقی اوقات قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول رہتے، سفر میں بھی، حضر میں بھی تلاوت کلام پاک کا معمول تھا، اپنی دعاؤں میں مردوں کو ایصال ثواب کا بہت معمول تھا، اور جس جگہ جاتے وہاں کے مردوں کو بھی پڑھ کر بخشنے کا معمول تھا، رمضان المبارک میں پوری کیفیت بدل جاتی، رمضان میں سفر بھی نہیں کرتے تھے، رات بھر عبادت کرتے، سونا بہت کم ہوتا تھا، فجر بعد سونے کا معمول تھا، آپ کے حالات ومشغولیات اور خصوصیات کو دیکھ کر زبان پر یہ شعر آتا ہے: ؎

دل کا دریا نطق کی وادی میں بہہ سکتا نہیں
آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں

نصیحت وتربیت کا خاص انداز

حضرت حافظ صاحب نصیحت بھی ایک خاص انداز میں فرماتے، جو بہت جامع ہوتی،

دل پر اس کا اثر ہوتا، بڑے سے بڑا متکبر بھی جب آپ سے ملتا اور آپ اس کو نصیحت فرماتے تو وہ بھی موم ہو جاتا، اور سر تسلیم خم کر دیتا، یہاں تک کہ لوگ اپنے گھریلو معاملات میں، خاندانی تنازعوں اور جھگڑوں میں بھی آپ کو حکم کی حیثیت سے لے جاتے، کیونکہ آپ کی نصیحت کا انداز اور سمجھانے کا طریقہ عجیب وغریب ہوتا۔

غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

حضرت حافظ صاحب برادران وطن، ہندو بھائیوں اور غیر مسلموں کے ساتھ بھی حسن اخلاق، اعلی کردار اور اچھے انداز سے پیش آتے، بہت سے ہندو آپ سے مانوس ہوئے، اور جن کو اللہ تعالی نے توفیق دی وہ آپ کی سعی سے مشرف بہ اسلام بھی ہوئے۔

جنات سے تعلق

حضرت حافظ صاحب کا جنات سے بھی تعلق تھا، بہت سے جنات کا آپ سے اصلاحی وروحانی تعلق تھا، اور وہ آپ سے بیعت تھے، اسفار میں بھی بہت سے جن خدام آپ کے ساتھ رہتے تھے، آپ ان کے زندوں اور مردوں کے لیے بہت دعائیں کرتے تھے، جس کی وجہ سے جنات آپ کا بہت لحاظ کرتے تھے۔

گھر والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ

حضرت حافظ صاحب آخر عمر تک اپنے گھر والوں، اولاد، پوتوں کے حقوق ادا کرتے رہے، ان کے نان ونفقہ کا بھی خاص خیال فرماتے رہتے تھے، حالانکہ آپ کے ذمہ ان کے حقوق نہیں تھے مگر استحساناً آپ سب کی ضروریات پوری کرتے۔

محبت الٰہی ومحبت رسول اور عشق صحابہ

اولیا اللہ محبت الٰہی اور یاد الٰہی میں ہر وقت محو رہتے ہیں، چنانچہ حضرت حافظ صاحب بھی عشق الٰہی اور محبت الٰہی میں سرشار تھے بلکہ محبت الٰہی کے دیوانے تھے، حضرت حافظ صاحب نے محبت الٰہی میں اپنے آپ کو مٹا دیا تھا، اور اس کو تعلیماً یوں ارشاد فرماتے تھے:

جب خودی اپنی مٹائی تب خدا مجھ کو ملا
پھر تو زندہ کر دیا مجھ کو عشق فنافی اللہ نے

اسی طریقہ سے ان کے اندر عشق رسول بھی بدرجہ اتم موجود تھا، اس کا اندازہ آپ کی اتباع سنت پر مداومت، کثرت درود اور آپ کی دعاؤں سے ہو سکتا ہے، ایسے ہی آپ کے جانثار صحابہ سے بھرپور عشق تھا، اسی طرح اپنے مشائخ اور اکابر سے بھی بھرپور تعلق تھا، اور ان کے لیے خاص دعاؤں کا اہتمام فرماتے تھے۔

راقم پر حضرت کی شفقتیں

۱۹۹۲ء میں رائے پور کے زمانہ قیام میں جب یہ ناکارہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ (م ۱۹۹۹ء) کے مزار پر عصر بعد ایصال ثواب کے لیے جاتا تھا، تو دوسرے طلبہ کی دیکھا دیکھی راستے میں حضرت حافظ صاحب سے بھی ملنے لگا، ملاقات ومصافحہ کرتا، حضرت حافظ صاحب بھی شفقت فرمانے لگے اور دعائیں دینے لگے کہ ”اللہ تمہیں اپنے مقبول بندوں میں بنالے“ پھر روزانہ آمد ورفت ہوگئی، حضرت کو نمازیں بھی پڑھانے لگا اور جمعہ کے روز آنے والے زائرین اور ضرورت مندوں کے لیے تعویذ بھی لکھنے لگا اور پھر چھٹی کے موقع پر حضرت کے ساتھ سفروں میں بھی جانے لگا اور رمضان میں کئی مرتبہ قرآن شریف سنانے کا بھی موقع ملا، اس طرح حضرت کی بہت شفقتیں اور عنایات اس نامہ سیاہ

پر ہوگئیں، یہاں تک کہ ندوہ میں پڑھنے جانے کیلئے حضرت حافظ صاحب کی تائید وتقویت اور سفارش کام آئی، وہ اس طرح کہ آپ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے نام خط لکھ دیا اور پھر حضرت مفکر اسلام کی عنایات وتوجہات حاصل رہیں، غرضیکہ حضرت حافظ صاحب کا اس نامہ سیاہ کی زندگی کو بنانے میں بڑا کردار رہا ہے، راقم نے حضرت کی سیرت وسوانح پر ایک کتاب بھی ''حیات عبدالرشید'' کے نام سے لکھی، جس میں آپ کی حالات زندگی، دعوتی اسفار، صفات وکمالات، اصلاحی کارنامے، مدارس ومساجد کا قیام، واقعات وکرامات، ارشادات وملفوظات، عملیات ومجربات، معاصرین کے تأثرات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے، اللہ تعالی آپ کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے، اور راقم آثم کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے۔

اوصاف وخصائل

حضرت حافظ صاحب سنت کا بہت اہتمام کرتے تھے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں سنت کو ہی دیکھنا چاہتے تھے، اور اس پر خود عامل تھے، اور دوسروں کو سنت پر کاربند رہنے کی تاکید کرتے تھے، ہمیشہ باوضو رہنے کا اہتمام فرماتے، اخیر عمر تک نوافل اور تہجد کا اہتمام فرمایا، جود وسخاوت جیسا کہ آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، اس میں بلا امتیاز مذاہب مسلم وغیر مسلم سب کی مدد کرتے اور اپنی سخاوت کے جوہر دکھاتے، یتیموں، مسکینوں، بیواؤں کے ساتھ ہمیشہ ہمدردی کا معاملہ فرماتے، یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ بھی محبت وہمدردی کا معاملہ فرماتے اور اس کو پسند فرماتے، زہد وتقوی اور توکل، عاجزی اور انکساری، تواضع، محبت وشفقت، طلبہ اور بچوں سے محبت والفت میں اپنی مثال آپ تھے، غرضیکہ آپ اعلی اخلاق وکردار، عادات وخصائل، ورع وتقوی اور علم وعمل کے جامع، صاحب نسبت ومعرفت اور منبع فضل وکمال تھے، بلکہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے۔

اصلاحی ودینی کارنامے

اول تو آپ نے ۱۹۴۷ء میں ہریانہ میں مرتد ہونے والے ۸۵/ گاؤوں کے لوگوں کو دوبارہ ایمان میں داخل کیا، اور ان کے عقائد درست کئے، دوسرے بیعت وارشاد اور اصلاح وتربیت کا ایسا بازار گرم کیا جس سے ہزاروں اور لاکھوں لوگوں کی اصلاح وتربیت ہوئی، ان کے ایمان درست ہوئے، تیسرے آپ نے ایسے علاقوں میں جہاں ہندوانہ رسم ورواج، باطل عقائد اور دین سے دوری کا دور دورہ تھا، وہاں احیاء سنت کا فریضہ انجام دیا، بدعات وخرفات، رسم ورواج کا سد باب کیا، خاص طور سے دیہات اور ناہن ہماچل وغیرہ میں اس باب میں آپ نے نمایاں کامیابی حاصل کی، چوتھے اللہ تعالی کی خاص توفیق اور ایمانی جذبہ اور اصلاح وتربیت کے مخصوص انداز سے بہت سے غیر مسلموں کو اسلام میں داخل کیا، اور ان کو اسلامی طریقہ پر زندگی گزارنے کا سلیقہ بتلایا، پانچویں آپ نے ہریانہ، پنجاب وہماچل اور دہرہ دون میں ۴۴/ مساجد تعمیر کرائیں، اور بکثرت مدارس قائم کئے اور آخیر عمر تک سرپرستی فرماتے رہے، نیز آپ نے اپنے اس بابرکت کام کی باگ ڈور سنبھالنے کیلئے جو آپ کی زندگی کا مشغلہ اور وظیفہ رہا ہے، ایسے افراد تیار کئے جو اس کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں، ایسے افراد کی تعداد ۲۲/ رہے، باقیات الصالحات میں چار لڑکے ایک لڑکی درجنوں پوتے، پوتیاں، نواسے اور نواسیاں چھوڑیں اور مریدین کا ایک وسیع حلقہ۔

علالت اور وفات

۱۴۱۶ھ کا رمضان شروع ہوگیا تھا، حافظ مشکور صاحب رائے پوری قرآن شریف سنا رہے تھے، طبیعت کی خرابی کی وجہ سے پہلا روزہ نہ رکھ سکے تھے، دوسرا اور تیسرا اچھی حالت میں رکھا، مرض وفات کی رات میں حافظ مشکور صاحب نے ۲/ پارے سنائے،

حضرت حافظ صاحب نے ان کو فرمایا ''پڑھا لے جتنا تیری مرضی ہو'' اسی رات آپ بڑا لطف لے کر یہ شعر بار بار پڑھ رہے تھے:

نگاہ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتے ہزاروں کی تقدیر دیکھی

ایک دوسرا شعر جو زبان پر جاری تھا:

روح میری تن سے جب آزاد ہو
لب پہ کلمہ دل میں تیری یاد ہو

۴؍رمضان ۱۴۱۶ھ کی جمعرات کی شب میں تقریباً گیارہ بجے آپ نے جو آخری بات فرمائی، وہ یہ ہے: ''ولی کی صفت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس سے کوئی سوال کرے کہ تیرا کیا مقام ہے تو وہ حلف اٹھا کے قسم کھا سکتا ہے کہ دنیا کا سب سے بدترین انسان میں ہوں''

۲۵؍جنوری ۱۹۹۶ء جمعرات کی شب میں سحری کے وقت حسب معمول خدام کو اٹھایا، اور گھر والوں کو اٹھانے کے لیے فرمایا، اس کے بعد پیشاب کے لیے خادم نے حضرت کو استنجا خانہ میں بٹھایا کہ بے ہوش ہوگئے اور پھر ہوش نہ آیا، اس کے بعد طبی جدوجہد شروع کی گئی مگر:

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بالآخر حضرت حافظ صاحب ۸۶؍سال تک روحانی غذا پہنچا کر ۷؍رمضان ۱۴۱۶ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۱۹۹۶ء اتوار کی شب میں تقریباً ۹؍بج کر ۴۵؍منٹ پر سہارنپور نرسنگ ہوم میں ملک جاودانی کی طرف کوچ فرما گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون

اگلے دن بعد نماز ظہر خانقاہ میں حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی اور خانقاہ کے قبرستان میں مسجد سے شمال کی جانب اپنے والد کے جوار میں مدفون ہوئے۔

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہیؒ☆

ولادت: ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء - وفات: ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۹۹۶ء

پیدائش و تعلیم و تربیت

حضرت مفتی صاحب جمادی الثانی ۱۳۲۵ھ کو ضلع سہارنپور کے مردم خیز قصبہ گنگوہ میں پیدا ہوئے، آپ نے مظاہر علوم سہارنپور اور دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، آپ نے ۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم میں علم الصیغہ، فصول اکبری، صرف میر اور نحو میر وغیرہ سے اپنی تعلیم کی ابتداء کی۔

تعلیمی درجات کی تکمیل کرتے ہوئے ۱۳۵۱ھ میں آپ نے مظاہر علوم کے کبار اساتذہ مثلاً حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحبؒ کامل پوری اور حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ سے حدیث شریف کی اہم اور بڑی کتابیں پڑھیں، دوران تعلیم آپ افتاء کی مشق بھی کرتے رہے، مدرسہ مظاہر علوم کے علاوہ مفتی صاحب موصوف نے دارالعلوم دیوبند میں بھی تعلیم حاصل کی اور حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے حدیث کا درس لیا۔

مظاہر علوم میں درس و تدریس و افتاء

فراغت کے بعد آپ مظاہر علوم میں معین مفتی کی حیثیت سے منتخب ہوئے، پھر

☆ یہ مضمون حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تحریر کیا گیا تھا، جو ستمبر ۱۹۹۶ء کے ''تعمیر حیات'' میں لکھنؤ سے اور ماہنامہ ''حق چار یار'' میں پاکستان سے بھی شائع ہوا۔

۱۳۵۳ھ میں نائب مفتی کے منصب پر فائز ہوئے، اوراس طرح مظاہر علوم میں تقریباً بیس سال تک افتاءاور درس وتدریس کی خدمات انجام دیتے رہے۔

جامع العلوم کانپور میں

محرم ۱۳۷۱ھ میں آپ مدرسہ جامع العلوم کانپور کے شیخ الحدیث ومفتی اعلیٰ منتخب ہوئے، کانپور کے مسلمانوں میں آپ کے علم وفضل، زہد وتقوی اور بزرگی کا بڑا اثر ہوا، کانپور میں تقریباً چودہ سال مسند صدارت وافتاء پر فائز رہے۔

دارالعلوم دیو بند میں صدر مفتی اور درس وتدریس

اس کے بعد ۱۳۸۴ھ میں اکابر دیو بند اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے پیہم اصرار اور شدید خواہش پر دارالعلوم دیو بند تشریف لے گئے، جہاں صدارت افتاء کے منصب پر فائز رہنے کے ساتھ حدیث وفقہ کی اہم کتابوں کا درس بھی دیا، اگر چہ ادھر کافی عرصہ سے تدریس کا سلسلہ نہیں رہا تھا مگر منصب صدارت افتاء پر تادم آخر قائم رہے، آپ کے دارالعلوم پہنچنے پر اساتذہ کرام کو بھی بڑی خوشی ومسرت ہوئی، اساتذہ کرام نے مختلف طریقوں سے اپنے دلی جذبات اور احساسات کا اظہار کیا، چونکہ آپ کی علمی، روحانی اور دینی تربیت میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ اوران کے پیرومرشد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کا بہت بڑا دخل تھا، اس لیے علمائے دیو بند کی مسرتوں میں مزید اضافہ ہوا، اوران میں سے بعض نے تو دلی کیفیات کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ ''آج دارالعلوم دیو بند میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ آ گئے ہیں''۔

186

حضرت مفتی صاحب کا فیض

حضرت مفتی صاحبؒ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے اجل خلفاء میں سرفہرست تھے، دیو بند میں آپ کا قیام دارالعلوم کی چھتہ مسجد میں رہتا تھا، آپ کی قیام گاہ ذاکرین کے ذکر سے معمور رہتی تھی، ہندوستان، جنوبی افریقہ اور برطانیہ وغیرہ میں آپ کے شاگردوں اور مریدین کی تعداد تقریباً ایک لاکھ سے متجاوز ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے ممتاز شاگرد

آپ کے شاگردوں میں قابل ذکر حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ، عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ اور مولانا سید محمد مرتضیٰ صاحب نقوی مرحوم (سابق ناظر کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) تھے۔
راقم سطور نے اپنے بعض اساتذہ سے سنا کہ مقدم الذکر دونوں حضرات کے متعلق حضرت مفتی صاحب نے فرمایا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پوچھے گا کہ محمود کیا لائے ہو؟ تو صدیق اور ابرارالحق کو پیش کردوں گا۔

حضرت مفتی صاحب کی علمی وروحانی خصوصیات

حضرت مفتی صاحب کے فتاوی کی تقریباً سبھی جلدیں ''فتاوی محمودیہ'' کے نام سے شائع ہوچکی ہیں، جو شاید بیس جلدوں سے زیادہ متجاوز ہیں، آپ نے فتاوی میں اختصار کو پسند کیا ہے، اسی طرح آپ کے مواعظ وملفوظات بھی طبع ہو چکے ہیں، آپ نہایت ہی منکسر المزاج، متواضع، کثیر المطالعہ، ذاکروشاغل، فراخ حوصلہ اور سیر چشم بزرگ تھے، بڑے مہمان نواز تھے، آپ کا دسترخوان وسیع ہونے کے ساتھ متنوع ہوتا تھا، آپ کو

دیکھ کر علماء سلف کی یاد تازہ ہوجاتی تھی، احقر ایک بار آپ کی مجلس میں شریک ہوا ہے اور قریب سے دیکھنے کا موقع بھی ملا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ دارالعلوم سے آپ کو جو مشاہرہ ملتا تھا، اس کو آپ ہر ماہ نہ صرف یہ کہ دارالعلوم میں داخل کرادیتے تھے؛ بلکہ اس میں مزید کچھ اور روپئے شامل فرمادیتے تھے، ان کا یہ عمل بلا انقطاع تادم آخر رہا، اس طرح حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بے شمار صفات وکمالات کے حامل تھے، اللہ تعالی آپ کے درجات بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مفتی صاحب کی وفات

حضرت مفتی صاحب ایک عرصہ سے بیمار تھے، مختلف امراض لاحق تھے، ضعف اور کمزوری بہت زیادہ تھی، آب وہوا کی تبدیلی اور اپنے مریدین کو فیض پہنچانے کے لیے اور علاج کے لیے جنوبی افریقہ گئے ہوئے تھے کہ وہاں ۱۸؍ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۳؍ستمبر ۱۹۹۶ء بروز سہ شنبہ کو حضرت مفتی صاحب ۹۲؍سال کی عمر میں طویل علالت کے بعد رحلت فرماگئے، آپ کی رحلت سے ایک بڑا خلا پیدا ہوگیا۔

مفتی صاحب کی وفات کی خبر پر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعزیتی جلسہ ہوا، مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی نے مفتی صاحب کی خصوصیات اور اعلی اخلاق خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی ترغیب دی:

اللہ ان پہ بارش رحمت ہو دم بدم
ان کیلئے کھلیں ترے رحم وکرم کے باب

حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ☆

ولادت: ۱۳۴۳ھ مطابق ۱۹۲۴ء - وفات: ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء

تمہید

عارف باللہ حضرت مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب باندوی وفات سے تقریباً بیس دن پہلے عرق النساء کے مرض کے علاج کے لیے سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں داخل تھے، زائرین کی آمد کا ہر وقت تانتا بندھا رہتا تھا، جب کچھ افاقہ ہوا تو اپنے وطن ہتھورا تشریف لے گئے، اور حسب معمول دینی، دعوتی جدوجہد، اصلاح وتربیت اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع کردیا، عادت کے مطابق ۲۲؍ربیع الاخر ۱۴۱۸ھ بروز بدھ کو بھی اپنے سے متعلق تمام اسباق پڑھائے، آخر میں بخاری شریف کے درس کے لیے وضو کرنا چاہتے تھے، مگر تقدیر الہی کے بموجب نہ کرسکے، اور بخار کی شدت اور سردی میں غیر معمولی اضافہ ہوتا گیا، معالجین نے طبی جدوجہد شروع کی، مگر ع

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

اور پوری زندگی دینی، دعوتی، تبلیغی اسفار میں بسر کرنے والی یہ ذات ملک جاودانی کے آخری اور دائمی حقیقی سفر کی راہ تک رہی تھی، آپ کو سحر نرسنگ ہوم لکھنؤ میں داخل کیا گیا، جہاں برین ہیمریج (دماغی رگ پھٹ جانے) کی وجہ سے ۲۳؍ربیع الاخر ۱۴۱۸ھ مطابق ۲۸؍اگست ۱۹۹۷ء بروز پنجشنبہ کو ساڑھے دس بجے آپ نے اپنی روحانی کرنوں، وعظ وارشاد، اصلاح وتربیت کے ذریعہ بہت سے گم گشتہ راہوں، روحانی مریضوں اور طالبین

☆ یہ مضمون حضرت قاری صاحب کی وفات کے بعد ۱۹۹۷ء میں تحریر کیا گیا تھا۔

حق کو تقریباً پانچ دہائیوں تک روحانی غذا پہونچا کر اور مردہ دلوں کی مسیحائی کر کے داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ہندوستان بھر میں یہ روح فرسا خبر بجلی کی طرح پھیل گئی، آپ کی نعش مبارک کو وطن مالوف ہتھورا لے جایا گیا، اور دس بجے شب میں آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا سید حبیب احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور تقریباً ایک لاکھ کے مجمع نے آپ کی تدفین میں شرکت کی، آدمیوں کا جنگل ہی جنگل نظر آتا تھا، ایک محتاط انداز کے مطابق کئی ہزار کاریں، بسیں، اور دیگر سواریاں تھیں، اگر جنازہ میں تھوڑی اور تاخیر کی جاتی تو مجمع دوگنا ہو جاتا، کافی دنوں تک ملک کے دور دراز شہروں سے حضرت کے متوسلین، مسترشدین، متعلقین اور محبین کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

ولادت اور ابتدائی تعلیم

آپ کی پیدائش ۱۳۴۳ھ میں ضلع باندہ کے ایک موضع ہتھورا میں ہوئی، آپ کے والد ماجد کا نام سید احمد تھا، تعلیم کی ابتداء اپنے جد امجد قاری عبدالرحمٰن صاحب (تلمیذ حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی) سے کی اور اپنے ماموں مولانا سید امین الدین کے پاس رہ کر حفظ قرآن مجید کی تکمیل کی، اس کے بعد کانپور آ گئے اور یہاں ماہر اساتذہ سے عربی وفارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد سعید احمد صاحب محدث لکھنوی بھی شامل ہیں۔

اعلیٰ تعلیم اور فراغت

بعد ازاں آپ پانی پت تشریف لے گئے اور وہاں شرح جامی بحث فعل تک تعلیم درس نظامی کے مطابق حاصل کر کے سبعہ وعشرہ قرأت کی تکمیل کی، ۱۳۵۹ھ میں مدرسہ مظاہر

علوم سہارنپور میں داخلہ لے کر اصول الشاشی، میر قطبی اور کنز الدقائق وغیرہ کتب سے تعلیم کا آغاز کیا، ۱۳۶۰ھ ۱۳۶۱ھ اور ۱۳۶۲ھ کے اوائل تک مظاہر علوم میں تسلسل کے ساتھ قیام رہا، انیس سال کی عمر میں ۵/ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ میں مدرسہ شاہی مرادآباد میں داخل ہو کر مشکوۃ شریف، ملا حسن اور ہدایہ اخیرین وغیرہ کتابیں پڑھیں، ساتھ میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبداللہ صاحب سے قرأت میں شرف تلمذ حاصل فرمایا، شعبان ۱۳۶۲ھ کے رجسٹر نمبرات امتحان میں درج ہے کہ اس امتحان میں آپ نے مشکوۃ شریف میں ۵۰ میں سے ۵۱/ اور ہدایہ اخیرین میں ۵۰/ نمبرات حاصل فرمائے ہیں، مدرسہ شاہی سے آپ کس تاریخ کو تشریف لے گئے، اس کی قطعی تاریخ معلوم نہ ہو سکی، تاہم ''علماء مظاہر علوم اور ان کی تصنیفی خدمات'' سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۳۶۳ھ میں مظاہر علوم میں رہ کر دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل فرمائی۔

درس وتدریس اور ایک نئے مدرسہ کا قیام

تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ نے تعلیم وتدریس کا شغل اختیار فرمایا، متعدد مقامات پر تدریس کے بعد آپ نے اپنے وطن میں ہی تعلیمی کام کا آغاز کیا اور جہالت وبے دینی، سنگلاخ اور پتھریلی زمین میں اپنے اخلاص ودرد اور سرگرمی وتندہی بلکہ مجاہدہ وقربانی کی برکت سے ایک عظیم الشان اسلامی ادارہ ''جامعہ عربیہ ہتھورا'' کے نام سے قائم کیا، جس کے ذریعہ سے نہ صرف تعلیم کی شمعیں روشن ہوئیں بلکہ علاقہ میں پھیلے ہوئے فتنہ ارتداد کا مقابلہ بھی کیا گیا، آپ نے بہت سی جگہوں پر دینی مکاتب ومدارس بھی قائم فرمائے ہیں، جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہیں۔

ندوہ اور دیوبند کی مجلس شوری کی رکنیت

آپ کی عنداللہ اور عندالناس مقبولیت اور خداداد علمی وروحانی صلاحیت، قوم وملت کی

فکر اور دردمندی کی بنا پر ۱۹؍جمادی الاولی ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷؍اگست ۱۹۶۷ء میں آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے رکن انتظامیہ (ممبر مجلس شوری) منتخب ہوئے، اور اس کے جلسوں میں برابر شریک ہوتے رہے، مگر وفات والے سال تشریف نہ لا سکے، نیز حضرت مولانا منظور نعمانی کی فرمائش پر دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کی رکنیت بھی منظور فرمائی تھی، مگر چند جلسوں میں شرکت کے بعد آپ اس سے بری ہو گئے تھے، اس کے علاوہ اور بھی ملک کے بہت سے مدارس عربیہ کی سرپرستی فرماتے رہے۔

اکابر کی توجہ خاص

آپ پر حضرات اساتذہ کرام کی خصوصی شفقتیں رہیں اور ان کی مخصوص توجہات نے آپ کو ہیرا بنا دیا، آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی کے خصوصی شاگرد تھے، حضرت مفتی صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا کہ قیامت میں جب اللہ تعالی مجھ سے پوچھے گا محمود کیا لائے ہو، تو میں صدیق اور ابرار کو پیش کردوں گا، اس قدر حضرت مفتی صاحب کو آپ پر ناز تھا، حضرت مولانا منظور نعمانی بھی آپ کی بڑی قدر کرتے تھے اور آپ کی عظمت، تعلق باللہ اور مقبول الہی ہونے کے معترف تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ نے وصیت کی تھی کہ حضرت قاری صاحب ان کی نماز جنازہ پڑھائیں، چنانچہ حضرت قاری صاحب کو آپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف بھی حاصل ہے، نیز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ سے بھی آپ کا زمانہ طالب علمی ہی سے نیازمندانہ اور والہانہ تعلق رہا تھا، حضرت مولانا بھی آپ کی ربانیت، دینی حمیت، دینی جدوجہد اور آپ کی اللہ کے راستہ میں سرفروشی اور جان کو جوکھم میں ڈالنے اور خطرات کا مقابلہ کرنے والی صفت کے قائل اور معترف تھے، اس کے علاوہ موجودہ دور کے تمام بزرگ، علماء اور اکابر آپ کی عظمت شان اور آپ کے اخلاص

وللّٰہیت اور آپ کی روحانیت واشراقیت کے معترف ہیں۔

سلوک وطریقت اور اجازت وخلافت

سہارنپور کے زمانہ قیام ہی میں آپ نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور (خلیفہ اجل حضرت تھانویؒ) سے شرف بیعت حاصل کیا اور آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر سلوک وطریقت کے منازل طے کیے اور مرشد کامل کی جانب سے اجازت بیعت وخلافت سے نوازے گئے۔

عوام وخواص میں مقبولیت

اس دولت بیش بہا کی آپ نے وہ قدر کی اور اس عظیم ذمہ داری کو آپ نے اس حد تک نبھایا اور اس کی بدولت فنافی اللہ اور فنافی الرسول کے اس درجہ تک پہنچ گئے کہ آپ مرجع خلائق اور مرکز رشد وہدایت اور عوام وخواص کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن گئے، ہر مکتب فکر کے لوگ آپ سے تعلق اور آپ کا احترام کرنے لگے، برسوں سے آپ کی یہ مقبولیت، انسانیت، خداترسی اور خداشناسی کا اعلی ترین نمونہ بن گئی تھی کہ خدا کے بندے بلاتفریق مذہب وملت آپ سے حسب استطاعت کسب فیض کرتے تھے، ہند اور بیرون ہند میں آپ کے ہاتھ پر بیعت ہونے والے مریدین کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔

آپ کے شب وروز

حضرت قاری صاحب کی زندگی اور آپ کے شب وروز دینی، دعوتی اسفار، وعظ وارشاد، لوگوں کی روحانی اصلاح، اور قرآن وحدیث کی خدمت اور درس وتدریس میں گذرے، آپ سفر کے لیے کسی خاص وقت کی پابندی نہیں فرماتے تھے، ہر وقت سفر کے لیے تیار رہتے، پھر اس میں کسی سواری کے منتظر نہیں رہتے تھے، بلکہ اگر سواری نہ ملتی تو پیادہ

یا سفر شروع کردیتے، سواری میں کوئی خاص اہتمام نہ کرتے بلکہ ٹرک، بس، ٹیمپو، رکشہ اور کار وغیرہ سبھی قسم کی سواری کرتے، جس وقت بھی سفر سے واپس آتے فوراً جماعت وار طلبہ کو بلاتے اور درس دینا شروع کردیتے، راقم سطور کو بھی حضرت کے درس میں شریک ہونے کا شرف حاصل ہوا، آپ نے فجر بعد درس شروع کیا اور مستقل گیارہ بجے تک پڑھاتے رہے، پہلے صرف ونحو کی کتابیں پڑھائیں، پھر قدوری پڑھائی، پھر جلالین شریف اس کے بعد منطق کی کوئی کتاب پڑھائی اور آخر میں بخاری شریف کا درس دیا، اس کے بعد باہر بیٹھے زائرین سے ملاقات کی، حاجت مندوں کی ضروریات پوری کیں، تعویذ اور پانی پر دم کرانے والوں کو تعویذ دئے اور پانی پڑھ کر دیا، اس طرح شام تک سلسلہ جاری رہتا، آپ کی زندگی جس قدر مشغولیت میں گذری شاید ہی اس دور کے کسی عالم کی گذری ہو، آپ کو اپنے آرام وراحت کی، کھانے پینے کی کوئی فکر نہیں تھی۔

صفات وخصوصیات

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مشہور صاحب علم وورع اور تقوی کے اعلی مقام پر فائز، تواضع وسادگی میں واقعتہً نمونہ اسلاف، جفاکشی، محنت اور دین کے لیے جدوجہد میں اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، سہولت پسندی یا دنیاوی راحت وآرام آپ کی حیات میں عنقاء تھے، حضرت کی بے نفسی، تواضع، اخلاص وللّٰہیت، زہد وتقوی، تفویض وتوکل، مہمان نوازی، خورد نوازی، فنائیت وعشق، احتساب نفس، ایمان ویقین کو دیکھ کر اولیائے متقدمین، علمائے ربانیین اور شیوخ کاملین کی یاد تازہ ہوجاتی تھی۔

آپ اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم "اذا مشی تکفّأ تکفّؤًا کأنما انحط من صبب" (۱) کے مجسم پیکر اور "نظره إلى الأرض أكثر من نظره إلى السماء" کے

(۱) ترمذی شریف کتاب المناقب حدیث ۳۵۷۰۔

مصداق اور اس کی جیتی جاگتی تصویر تھے، آپ کی ان اعلی صفات وبلند خصوصیات اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے ہزارہا لوگ آپ کے دامن فیض سے وابستہ ہوکر ہدایت پاچکے تھے، بعض بزرگوں نے آپ کو صحابہ کرام کا چلتا پھرتا نمونہ قرار دیا ہے۔ فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين

تصنیف وتالیف اور شاعری

آپ نے نہ صرف وعظ وارشاد، دعوت وتبلیغ، اصلاح وتربیت کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کی، صحیح اسلامی عقائد سے روشناس کرایا اور اس کی پوری رہنمائی کی بلکہ آپ نے اپنی گوناگوں مشغولیات، اسفار کی کثرت، اسباق کی پابندی کے باوجود تصنیف وتالیف کو بھی اصلاح کا ذریعہ بنایا اور دنیا کے علمی کتب خانوں میں ایک درجن سے زیادہ کتابیں یادگار چھوڑیں، جن میں سے بعض مشہور کتابیں یہ ہیں، تسہیل التجوید، احکام المیت، آداب المتعلمین، آداب المعلمین، تسہیل المنطق، تسہیل الصرف، تسہیل النحو، حق نما، فضائل نکاح، اسعاد المفہوم شرح سلم العلوم اور شرح جامی کی شرح وغیرہ۔

نیز آپ نے دل کی گرمی کو دور کرنے کے لیے، عشق کی چنگاری کو بھڑکانے کے لیے اپنے دردمند ضمیر، دھڑکتے دل سے ایسے اشعار بھی کہے ہیں جن میں امت مسلمہ کے لیے درس عبرت ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں نعتیہ کلام بھی پیش کیا اور منظوم ادبی ذخیرہ میں بیش بہا اضافہ کیا، آپ کا تخلص ثاقب تھا، اللہ تعالی نے آپ کو جیسے صدیقیت میں اسم بامسمی بنایا، اسی طرح تخلص کو بھی اسم بامسمی بنادیا بلکہ باطل کیلئے آپ کو شہاب ثاقب بنادیا، آپ کی زندگی کو روشن، درخشاں اور تابناک بنادیا، اللہ تعالی آپ کے لیے رحم وکرم کے دروازے کھولے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آپ کی زندگی کا پیغام

آپ کی پوری زندگی کا پیغام قرآن کریم کی آیت "وکونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون" (۱) ہے، جس کی تشریح مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ندوۃ العلماء کی مسجد میں ہونے والے تعزیتی جلسہ میں فرمائی تھی، اور حضرت قاری صاحب کو اس آیت کریمہ کا مصداق ٹھہرایا تھا کہ "تم اللہ والے بن جاؤ، اور تعلیم کے ساتھ درس اور مطالعہ کا عمل جاری رکھو" نیز حضرت قاری صاحب کی زندگی سے یہ بھی سبق لینا چاہئے کہ اللہ کے راستہ میں شب وروز ایک کرکے، فقروفاقہ برداشت کرکے، بے نفس ہوکر اسلام اور اہل اسلام کی خدمت کرنی چاہئے، اس کے بعد اللہ تعالی بڑے بڑے اکرامات اور انعامات سے نوازتا ہے اور "مع الذین انعم اللہ علیہم من النبین والصدیقین والشہداء والصالحین" کے زمرے میں شامل کرتا ہے۔

اللّٰھم اجعلنا منھم

(۱) سورۂ آل عمران آیت ۷۹۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ☆

ولادت: ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۴ء – وفات: ۱۴۲۰ھ مطابق ۱۹۹۹ء

تمہید

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ اس سرزمین پر اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے، وہ ایک بہترین عالم، مفکر، ادیب، مؤرخ، مصنف، داعی، مصلح، عارف باللہ اور ولی کامل تھے، اللہ تعالی نے آپ کو جو مقبولیت، محبوبیت اور شہرت دی تھی اس کی نظیر ہمارے محدود علم کے مطابق قریب کے دور میں نہیں ملتی، تاریخ میں ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، آپ کا فیض ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ پورے عالم اسلام، یورپ وامریکہ تک پہنچا ہے، آپ کے اندر تواضع، عاجزی وانکساری حد درجہ تھی، آپ دوسروں کی قدردانی، دوسروں کی عزت اور دوسروں کی دینی، دعوتی سرگرمیوں کو سراہتے تھے، آپ تمام دینی تحریکوں، اداروں، انجمنوں، مدرسوں، مسجدوں اور خانقاہوں کی قدر کرتے تھے اور ان کو دین کی بقاء اور اسلام کی حفاظت کا ذریعہ تصور کرتے تھے، وہ اپنی بہت سی خصوصیات وصفات کی وجہ سے مختلف الخیال ومختلف گروہوں کے نزدیک سچے، مخلص انسان اور انسانیت کا درد رکھنے والے اور اس کی ڈوبتی اور ڈانواڈول کشتی کو کنارا لگانے والے سمجھے جاتے تھے۔

حضرت مولانا کی پیدائش اور آپ کا خاندان

حضرت مفکر اسلام کی پیدائش ۶ محرم الحرام ۱۳۳۳ھ مطابق ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء منگل کے

(۱) یہ مضمون ماہنامہ "نقوش اسلام" کے ستمبر واکتوبر ۲۰۰۷ء کے شمارے کے لئے لکھا گیا تھا۔

روز تکیہ کلاں رائے بریلی کے ایک علمی وداعی خاندان میں ہوئی ، آپ کے والد ماجد حضرت مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہندوستان کے چوٹی کے اصحاب فضل وکمال اور عربی کے ماہر علماء عظام میں سے تھے، انہوں نے نزہۃ الخواطر (الاعلام بمن فی تاریخ الہند من الاعلام) کے نام سے ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار سے زیادہ علماء، صلحاء ، ادباء ، مفکرین، شعراء، دانشور اور سلاطین وغیرہ کے حالات پر ۸/جلدوں میں بڑا قیمتی انسائیکلوپیڈیا تیار کر دیا ہے، جس کی نظیر کسی اسلامی وغیر اسلامی ملک میں نہیں ملتی، ان کی دیگر تصانیف میں الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند، گل رعنا، یادایام اور تہذیب الاخلاق وغیرہ بہت مشہور ہیں ، ان کا انتقال فروری ۱۹۲۳ء میں ہوا، جب حضرت مولانا کی عمر تقریباً ۹/سال تھی، والد صاحب کے انتقال کے بعد آپ کی تعلیم وتربیت میں آپ کے برادر اکبر ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے اہم رول ادا کیا اور والد کے نہ ہونے کا احساس تک نہ ہونے دیا، وہ خود دیوبند اور ندوہ کے فیض یافتہ عالم اور فاضل تھے۔

آپ کی والدہ سیدہ خیر النساء صاحبہ نہایت صالح اور مشفق خاتون تھیں ، قدرت کی طرف سے انہیں اعلی شعری ذوق ملا تھا، ان کا تخلص ''بہتر'' تھا، ان کی کتابیں ''ذائقہ'' اور ''حسن معاشرت'' بہت معروف ہیں، حضرت مولانا کی تربیت میں ان کا بڑا کردار ہے، حضرت مولانا کی نمازوں کی پابندی، تلاوت قرآن سے شغف، دوسروں کی تذلیل وایذاء سے دوری میں ان ہی کی تربیت کا اثر کارفرما تھا، والدہ کا انتقال اگست ۱۹۶۸ء میں ہوا۔

غرضیکہ حضرت مولانا کا خاندان علم وفضل میں ممتاز رہا ، اور اس میں ادب، تاریخ وسوانح نگاری کا پہلو غالب رہا ، تصوف وسلوک سے اس کا رابطہ صدیوں پر محیط ہے، اور غالباً حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی سے خاندانی ربط نے اس رنگ کو اور گہرا کیا، لیکن اس خاندان میں تصوف کبھی بھی سجادگی اور خانقاہی روایات وآداب کا پابند اور تعطل وجمود

کا قائل نہیں رہا، بلکہ اصلاح وارشاد اور دعوت وجہاد ہمیشہ اس کا شیوہ رہا، غالباً اس میں محمد ذوالنفس الزکیہ کی جہادی کوششوں اور خون شہادت کا اثر کارفرما ہے۔(۱)

تعلیم وتربیت اور اساتذہ کرام

حضرت مولانا نے ماہرین اساتذہ کرام سے کسب فیض کیا، یہی وجہ ہے کہ حضرت مولانا یکتائے روزگار ثابت ہوئے ، اخلاص واختصاص دونوں اوصاف ان کی شخصیت میں جمع ہو گئے تھے، عربی کی اصل تعلیم آپ نے اپنے استاذ مولانا خلیل عرب سے حاصل کی ، ان کی شخصیت کی تعمیر میں عرب صاحب کا بہت دخل ہے، اپنے ایک قریبی رشتہ دار مولانا عزیز الرحمٰن حسنی سے ابتدائی کتابیں، نحومیر، میزان ومنشعب ، صرف میر اور پنج گنج وغیرہ پڑھیں ، اپنے عم محترم سید محمد اسماعیل صاحب سے فارسی کی کتابیں خصوصاً شیخ سعدی کی بوستاں پڑھی، مولوی محمود علی لکھنؤ سے ابتدائی کتابیں پڑھیں ، اور خوشخطی سیکھی، حساب اور اردو وغیرہ کی مشق ماسٹر محمد زماں خان صاحب سے کی ، اپنے برادر بزرگ ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سے انگریزی وعربی میں کافی استفادہ کیا، انگریزی تعلیم جناب خلیل الدین ہنسوی، اپنے ماموں جناب سید احمد سعید صاحب اور ندوہ کے انگریزی کے استاذ ماسٹر محمد سمیع صدیقی وغیرہ سے حاصل کی، اور بڑی مہارت پیدا کی، علامہ سید سلیمان ندوی سے بھی فلسفہ قدیم کے متعلق کوئی کتاب پڑھی ، اور یونانی فلسفہ سے واقفیت حاصل کی ، دوران تدریس علامہ تقی الدین ہلالی مراکشی سے بھی استفادہ کیا، دیوان نابغہ پڑھا اور ادب عربی کی تدریس کے زریں اصول اخذ کئے ، خواجہ عبدالحئی فاروقی سے قرآن مجید کے اخیر کے پارے کی کچھ سورتیں پڑھیں، اپنے پھوپھا مولانا سید محمد طلحہ حسنی سے بھی آپ نے فیض حاصل کیا، اور آپ کی صرف ونحو کی عملی صلاحتیں زیادہ تر انہیں کی رہین منت ہیں،

---

(۱) سہ ماہی فکر اسلامی، مفکر اسلام نمبر صفحہ ۴۰۔

آپ نے ان سے زبان وادب کی کتابیں بھی پڑھیں، ۱۹۲۹ء میں ندوۃ العلماء میں طالب علمی کے دوران حضرت مولانا نے ندوہ کے شیخ الحدیث مولانا حیدر حسن خاں صاحب ٹونکی سے صحیح بخاری ومسلم، ابوداؤ اور ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی، اس کے ساتھ ہی بیضاوی اور منطق کے اسباق بھی پڑھے، مولانا شبلی جیراجپوری سے فقہ میں کچھ استفادہ کیا۔(۱)

۱۹۳۰ء میں لاہور میں شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری سے تفسیر میں فائدہ اٹھایا، حضرت مولانا خود تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر مولانا احمد علی صاحب لاہوری سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہر حال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوجاتی، شاید اس میں ادب وتاریخ اور تصنیف وتالیف کے سوا کوئی ذوق اور رجحان نہ پایا جاتا، خداشناسی اور خدارسی، راہ یابی اور راست روی تو بڑی چیز ہیں، مولانا کی صحبت میں کم سے کم خداطلبی کا ذوق، خدا کے نام کی حلاوت اور مردان خدا کی محبت، اپنی کمی اور اصلاح وتکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔(۲)

۱۹۳۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں آپ نے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی سے حدیث، شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب سے فقہ اور قاری اصغر علی صاحب سے تجوید کا درس لیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاذ تقرر

فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ غیبی اسباب بن گئے جن کی بنا پر حضرت مولانا کا دارالعلوم ندوۃ العلماء میں یکم اگست ۱۹۳۴ء کو بحیثیت استاذ تفسیر وادب تقرر ہوگیا، پھر آپ پورے انہماک وتوجہ کے ساتھ تدریس وتعلیم میں مشغول ہوگئے، اور پہلے

(۱) مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی جامع کمالات شخصیت کے چند اہم پہلو صفحہ ۲۳

(۲) پرانے چراغ حصہ اول صفحہ ۱۳۴

ہی سال آپ کو درجہ ششم میں ترمذی شریف کا نصف ثانی اور قرآن کریم کے ابتدائی دس پاروں کی تفسیر پڑھانے کے لیے دی گئی، اس کے علاوہ ادب میں دیوان حماسہ کا کچھ حصہ اور ''خضری'' کی تاریخ الامم الاسلامیہ اور ابتدائی درجات میں بھی کوئی ایک عربی ریڈر حصہ میں آئی۔

رشتۂ ازدواج

دارالعلوم کے قیام کے پہلے ہی سال میں حضرت مولانا کی شادی حقیقی ماموں زاد بہن سیدہ طیب النساء صاحبہ سے ہوئی جو حضرت شاہ ضیاء النبی کی پوتی اور مولانا سید عبدالرزاق کلامی ''صاحب صمصام الاسلام'' کی نواسی تھیں، حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحب نے نکاح پڑھایا اور ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب نے بڑے اہتمام سے ولیمہ کا انتظام فرمایا۔

تعلیم وتدریس میں حضرت مولانا کی دلسوزی اور محنت

عربی زبان وادب حضرت مولانا کا خاص موضوع تھا، اس میں یہ بھی اہتمام تھا کہ سبق اس طرح پڑھایا جائے، کہ وہ غذا بن جائے اور طلبہ اس سے مانوس ہوں، حضرت مولانا تحریر کرتے ہیں ''اس وقت اپنے درجوں کے طلبہ سے ایسا تعلق پیدا ہوگیا تھا جو افادہ واستفادہ کے لیے شرط ہے، گھول کر پلا دینے کا جذبہ جو اپنے شفیق استاذ شیخ خلیل عرب سے ملا تھا، اس وقت سینہ میں موجزن تھا، ضوابط وقواعد نپے تلے، وقت اور مقام کی کوئی قید نہ تھی، طلبہ کو ہر طرح مشق کرانے اور عربی سکھانے کا اہتمام رہتا تھا، اس کے لئے ہم لوگ نئے نئے طریقے اختیار کرتے اور ذہنی اُپج سے کام لئے تھے''۔(۱)

تدریس کے دوسرے ہی سال سے درجہ ہفتم میں تاریخ ادب عربی کا گھنٹہ مستقل

(۱) کاروان زندگی حصہ اول صفحہ ۱۵۱۔

حضرت مولانا کے حصہ میں آ گیا اور کئی سال احمد حسن زیات کی ''تاریخ الادب العربی''
پڑھانے کا سلسلہ جاری رہا، تدریس کے آخری سالوں میں کئی سال تک بخاری شریف کی
کتاب الوحی، کتاب الایمان اور کتاب العلم پڑھائی، فرماتے ہیں کہ ''اس میں خوب جی
لگا'' ایک سال کچھ عرصہ تک حجۃ اللہ البالغۃ بھی زیر درس رہی(۱) اس طرح حضرت مولانا
نے باقاعدہ مستقل دس سال تک درس دیا، جس میں مختلف فنون وعلوم کی کتابیں زیر درس
رہیں اور طلبہ آپ سے خوب خوب مستفید ہوئے، بلکہ آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک
کھیپ تیار کردی۔

دعوتی واصلاحی کوششوں کا آغاز

حضرت مولانا کو تدریسی دور کے آخری سالوں میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ اس
محنت کے بعد جن نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے، وہ سامنے نہیں آتے اور بڑی حد تک یہ
کوششیں نقش برآب ثابت ہوتی ہیں، اس کے نتیجے میں طبیعت لگے بندھے نظام سے
عاجز آنے لگی، پھر حضرت مولانا نے بعض ان اہم کتابوں کا مطالعہ فرمایا جن سے فکر
ونظر میں وسعت پیدا ہوئی اور عالم اسلام کے مسائل اور تحریکات سے دلچسپی پیدا ہونا شروع
ہوئی، جن میں خاص طور پر ''حاضر العالم الاسلامی'' اور اس پر امیر شکیب ارسلان کے
طاقتور حواشی، عبدالرحمٰن الکواکبی کی ''مؤتمر ام القریٰ'' قابل ذکر ہے، ان میں محبّ الدین
الخطیب کے ہفتہ وار رسالہ ''الفتح'' کو بھی بڑا دخل ہے، جس کے مضامین بڑے طاقت ور او
رولولہ انگریز ہوتے تھے، اس کے علاوہ ہندوستان کی جنگ آزادی اور سیاسی تحریکات
پر لکھی ہوئی کتابوں کا بھی اسی زمانہ میں مطالعہ فرمایا اور بعض انگریزی مآخذ کا بھی براہ
راست یا ترجمہ کی مدد سے مطالعہ کیا۔

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۱۴۸/۱۴۷/ملخصاً۔

اسی زمانہ میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سے تعارف وارتباط ہوا اوران کی رفاقت میں
۱۹۳۹ء کی آخری تاریخوں میں دینی مرکزوں کے دورے کے لیے اور حضرت رائے پوری
اور حضرت شیخ سے ملاقات کے لیے سہارنپور اور رائے پور کا سفر کیا، رائے پور سے دہلی کا سفر
ہوا اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے ملاقات ہوئی، اس دور میں حضرت مولانا، مولانا
مودودی کی تحریروں سے بھی متاثر ہوئے اور تقریباً تین سال تک باقاعدہ جماعت اسلامی
سے وابستہ رہے، پھر بعض وجوہ کی بنا پر اس سے الگ ہوئے، اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں
حضرت تھانویؒ کی خدمت میں حاضری ہوئی، پھر لکھنؤ میں دعوتی سرگرمیاں شروع کردی،
اور جب حضرت مولانا الیاس صاحب کی شفقتیں بڑھتی گئیں تو تبلیغ ودعوت میں انہماک ہوتا
گیا اور حضرت مولانا کے سفر پر سفر ہونے لگے۔

بزرگوں سے اجازت وخلافت

حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے ۱۹۴۶ء میں حج کے سفر سے واپسی
پر حضرت مولانا کو لاہور بلایا اور اپنے سلسلہ قادریہ میں اجازت مرحمت فرمائی، حضرت
لاہوری آپ کی ترقی سے اپنے بیٹوں کی ترقی کے مقابلے میں زیادہ خوش ہوتے تھے، اس
کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے رائے بریلی کے سفر کے
دوران ۱۶/اپریل ۱۹۴۸ء میں تکیہ کی مسجد سے نکلتے ہوئے حضرت مولانا کو چاروں سلسلوں
میں خاص طور سے حضرت سید احمد شہید کے سلسلہ میں اجازت وخلافت عطا فرمائی،
حضرت مولانا نے بھی تمام دعوتی سفر حضرت رائے پوری کے مشورے سے کئے، سفر سے
پہلے بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور سفر سے لوٹ کر بھی حضرت کو روداد سناتے،
حضرت خوش ہوتے اور دعائیں دیتے۔

ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم

ندوۃ العلماء سے حضرت مولانا کا تعلق موروثی وجذباتی تھا اور عقلی وفکری بھی، حضرت مولانا نے اپنے شعور وتعقل کی ابتداء ہی سے اس کا نام سنا اور اس کے کام اور پیغام سے آشنا ہوئے، پھر اسی فکر وماحول میں آپ کی ذہنی وفکری تربیت ہوئی، اس کی فکر کی وسعت وآفاقیت، توازن واعتدال، ہمہ جہتی وشمولیت پر آپ کو پورا یقین تھا اور ابتدا ہی سے آپ اس کی فکر ودعوت کے ترجمان اپنے حال بھی تھے اور اپنے قال سے بھی۔

تدریس کے دس سالہ دور میں حضرت مولانا نے تعلیمی نصاب ونظام میں اصلاحات فرمائیں اور عربی زبان وادب کا پورا نصاب تیار فرمایا، علامہ سید سلیمان ندوی نے اپنے اخیر دور میں حضرت مولانا کو نائب معتمد تعلیم بنایا، اور ۷/جنوری ۱۹۴۹ء میں یہ تجویز شوری میں پاس ہوئی اور حضرت علامہ آپ ہی پر پورا اعتماد کرنے لگے، حضرت مولانا نے اسی زمانہ میں نصاب کا خاکہ بنا کر علامہ سید سلیمان ندوی کی خدمت میں بھیجا، تو حضرت علامہ نے جواب میں تحریر فرمایا کہ ''اس دور کے لیے آپ کا خاکہ موزوں ہوگا، مجھے چونکہ آپ پر اعتبار واعتماد ہے، اس لیے دیکھے بغیر بھی اس کو پسند کرتا ہوں، اللہ تعالی نافع فرمائے''(۱) پھر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کی وفات کے بعد حضرت مولانا کو معتمد تعلیم منتخب کیا گیا۔(۲)

ندوۃ العلماء کی نظامت

برادر بزرگ ڈاکٹر مولانا سید عبدالعلی کی وفات کے بعد آپ کو ۱۸/جون ۱۹۶۱ء میں ندوۃ العلماء کا ناظم بنایا گیا، آپ اس عہدہ پر تقریباً چالیس سال تک رہے، اس

(۱) پرانے چراغ حصہ اول صفحہ ۴۶۔ (۲) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۳۲۶۔

درمیان ندوۃ العلماء کو حضرت مولانا نے بین الاقوامی شہرت کا عالمگیر ادارہ بنا دیا، اور گویا کہ خود آپ کی ذات ایک چلتا پھرتا ندوہ معلوم ہونے لگی، آپ کی نظامت کے دور میں ندوۃ العلماء نے شعبہ جات کے اعتبار سے بھی ترقی کی، مادی اعتبار سے بھی، تعمیرات کے اعتبار سے بھی اور شہرت کے اعتبار سے بھی۔

تصنیفات وتالیفات

حضرت مولانا نے زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق کتابیں تصنیف کیں، تاریخ میں بھی، سیرت میں بھی، اخلاقیات کے سلسلے میں بھی، اصلاحیات کے سلسلے میں بھی، تحقیقی بھی اور علمی بھی، غرضیکہ آپ نے مستقل ایک کتب خانہ تیار کر دیا، اور امت کے ہر طبقہ کیلئے آپ نے غذا فراہم کی، آپ کی کتابیں بچوں کے لئے بھی ہیں، نوجوانوں کے لیے بھی، بوڑھوں کیلئے بھی، اساتذہ اور محققین کیلئے بھی، اور طلبہ کے لیے بھی، آپ نے عربی اور اردو ہر دو زبانوں میں کتابیں لکھیں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں بھی آپ کی کتابوں کے ترجمے ہوئے، آپ کی مشہور کتابوں میں انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ارکان اربعہ، تاریخ دعوت وعزیمت، منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین وغیرہ ہیں، آپ کی کل کتابوں کی تعداد ۱۷۶ رہے۔

ملک وبیرون ملک کے دعوتی اسفار

ہندوستان کا تو شاید ہی کوئی ایسا شہر ہو جہاں آپ کے قدم نہ پڑے ہوں، اور آپ کا فیض نہ پہنچا ہو، ہندوستان سے باہر بھی آپ نے دنیا کے مختلف ملکوں کے اتنے سفر کیئے کہ شاید ہی کوئی سربراہ مملکت کر سکے، آپ یوروپ بھی گئے، امریکہ بھی گئے، عرب ممالک میں بھی گئے، برطانیہ بھی گئے اور جہاں تک جانا ممکن ہوسکا پہنچے، ہماری معلومات کے

مطابق شاید ایک ملک جنوبی افریقہ ایسا ہے جہاں قضاوقدر کے بموجب آپ نہ جا سکے ، باقی دنیا کے ہر گوشہ میں اپنی دینی دعوت کا ڈنکا بجایا اور لوگوں کو پیغام ہدایت سنایا، کتنے مردہ دلوں کی مسیحائی کی، اور کتنی بے جان روحوں میں عشق ومحبت کا صور پھونکا۔

مختلف اداروں کی صدارت وسرپرستی

حضرت مولانا ہندو بیرون ہند میں مختلف اداروں کے صدر وسرپرست اور رکن رہے، شاید ہی عالم اسلام کا کوئی مہتم بالشان ادارہ یا کانفرنس ہو، جس میں حضرت مولانا کی شرکت ضروری نہ سمجھی جاتی ہو، آپ کو اللہ تعالی نے جو محبوبیت ومقبولیت اور علمی رسوخ دیا تھا، اس کی وجہ سے ہر جگہ ہر مجلس کے صدر نشین آپ ہی نظر آتے ہیں، اور جن اداروں یاتحریکوں کی آپ نے سرپرستی یا صدارت کی تو خود ان اداروں کی عزت وشہرت اور مقبولیت میں چار چاند لگے ہیں۔

آپ کے اصلاحی ودعوتی اور تجدیدی کارنامے

عالمی سطح پر حضرت مولانا نے جو اصلاحی وتجدیدی کارنامے انجام دیئے ان کو تین عنوانات میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

ان میں سب سے بڑا اور بنیادی کارنامہ عالم اسلام کو مغربی تہذیب وفکر سے صحیح طریقہ پر آزاد کر کے ان کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیمات پیش کرنے کا تجدیدی کام ہے، دوسرا کارنامہ ''قومیت عربیہ'' کے فتنہ کی سرکوبی ہے، قومیت عربیہ کے نعرے کے خلاف آپ تن تنہا میدان میں سرفروشانہ کود پڑے، سب سے پہلے آپ نے اس خطرہ کو بھانپا، اور اس کو جاہلیت کا نعرہ قرار دیا، اس سلسلہ میں آپ کو بہت سے علماء ودانشوروں کی تنقیدیں بھی سننی پڑیں، مگر آپ کی بصیرت آموز نگاہیں اپنی فراست ایمانی سے دیکھ رہی تھیں، اس لیے

آپ کو برملا اعلان کرنا پڑا کہ میری معلومات عربوں کے سلسلے میں سیکنڈ ہینڈ نہیں، میں ان کو بہت قریب سے جانتا ہوں اور اس سلسلہ میں جو نقطہ نظر آپ صحیح سمجھتے تھے، اس سے امت کو آگاہ کیا، اور تیسرا تجدیدی عمل ادب کی صحیح ترجمانی اور اس کے ذریعہ سے پیدا ہونے والے خطرات کی نشاندہی ہے، جس کے لیے ''رابطہ ادب اسلامی'' کی بنیاد پڑی۔(۱)

حضرت مولانا نے امت کے ہر طبقہ کو اپنی دعوت کا مخاطب بنایا، آپ نے سلاطین وامراء اور حکام کو بھی نصیحتیں کیں اور ان کو صحیح خطوط پر چلنے کی ہدایت کی اور اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا اور ان کے مقام ومنصب کی اہمیت کو اجاگر کیا، اسی طرح آپ نے اساتذہ ومربیوں کو بھی ہدایات دیں، اور ان کو بھی ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا، طلبہ کو بھی ان کا مقام یاد دلایا، اور ان کو بتلایا کہ وہ اپنی نافعیت کیسے ثابت کر سکتے ہیں اور دنیا کو ان سے کیا توقعات ہیں اور وہ دنیا میں کیا کچھ کر سکتے ہیں، غرضیکہ حضرت مولانا نے دنیا کے ہر اس خطرے اور فتنے کو سمجھا، جس سے دین پر، مسلمانوں پر، مسلمانوں کے اداروں پر، مسلمانوں کے تشخص اور ان کی دعوت پر کسی بھی طرح کی آنچ آتی ہو، اس خطرے یا فتنے سے امت کو متنبہ کیا، سربراہان مملکت کو بھی آگاہ کیا اور اس کے تدارک کے لیے جو چیزیں ان کے قلب سلیم پر وارد ہوئیں ان کو پیش کیا، اس طرح وہ ایک بہترین مصلح اور بہترین داعی کی حیثیت سے ممتاز ہوئے، اور ان کے کارناموں کا اہل دنیا نے اعتراف کیا۔

برادران وطن کو انسانیت کا پیغام پیش کیا، ان کو اسلام سے قریب تر کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں ہر ممکن جدوجہد فرمائی، یہاں تک کہ پیام انسانیت کے نام سے ایک تحریک ہی قائم کر دی۔

حضرت مولانا کا اصل تجدیدی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ کا نگاہ بصیرت سے مطالعہ کیا، سادہ دل مشرق اور شاطر وہوشیار مغرب کی

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۴۲۔

کشاکش کو دیکھا اور سمجھا اور زمانہ کی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھا۔

مغرب کی فکری، تہذیبی وتمدنی یلغار کا پورا عالم اسلام شکار ہو رہا تھا، اور جزیرۃ العرب بھی اس کے حملوں سے چور چور تھا، اس کی شدید ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ کوئی کھل کر اس کی خامیوں کی نشاندہی کرنے والا ہو۔

حضرت مولانا نے عالم اسلام کے مختلف ملکوں کے حالات کا جائزہ لیا، اور عالمی سطح پر اپنی پرزور تحریروں سے ایک ایک ملک کے مسلمانوں کو مخاطب فرمایا، ان ممالک کی خصوصیات کا اعتراف بھی کیا، اس کے ساتھ مغربی تہذیب کے جو مضر اور دین دشمن اثرات وہاں پڑ رہے تھے، پوری قوت وجرأت کے ساتھ ان کی نشاندہی فرمائی اور ان کو ان ہی کی زبان میں ان کی نفسیات کو سامنے رکھ کر خطاب کیا، ان کے دھڑکتے ہوئے دلوں پر دستک دی اور ان کی خودی کو للکارا اور ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کرنے کی سعی کی، جو اس تہذیب کے ظاہری شکوہ وسطوت میں دب کر رہ گئی تھیں۔

حضرت مولانا کے اس انداز خطاب نے پورے عالم اسلام پر اثر ڈالا، اسلام کا حقیقی چہرہ لوگوں کے سامنے آیا، اس کی روشنی وتابناکی سے مسلمانوں کے قلوب منور ہوئے اور یہ حقیقت واشگاف ہوئی کہ دنیا کے خانہ میں مسلمان ایک مؤثر عامل (Factor) کی حیثیت رکھتے ہیں، ان کی ترقی میں دنیا کی ترقی مضمر ہے، اگر اسلامی تعلیمات یکسر فراموش کردی گئیں تو یہ دنیا اخلاقی انارکی اور انسانی قدروں کی پامالی میں اس حد تک جاسکتی ہے، کہ اس کا دیوالیہ پن ظاہر ہوجائے۔

حضرت کی اس فکر ودعوت نے خود اعتمادی کی فضاء قائم کی، لوگوں کے دلوں میں اس کی قدر ومنزلت پیدا ہوئی اور حضرت کی ذات کو عالم اسلام میں وہ مقبولیت ومحبوبیت عطا ہوئی جو قریبی زمانہ میں شاید ہی کسی کے حصہ میں آئی ہو۔(۱)

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۴۰-۴۲۔

حضرت مولانا کی مقبولیت کا راز

مجددین ومصلحین کی تاریخ کا مطالعہ کرنے اور ان کی زندگیوں کا جائزہ لینے سے صاف نظر آتا ہے کہ تین اوصاف ان کے اندر مشترک ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہی اوصاف اللہ کی طرف سے ''انتخاب واصطفا'' کا ذریعہ بن جاتے ہیں، ان میں پہلی چیز آبائی خصوصیات بالاخص ان کا تقوی واحتیاط اور حرام بلکہ مشتبہ مال سے بھی حد درجہ اجتناب ہے، اس کا نسل پر اثر پڑنا ایک قدرتی امر ہے، دوسری چیز اصلاح وتربیت کے لیے مناسب ماحول کا ملنا اور ایسے تربیت کرنے والے معلّمین واساتذہ کا میسر آنا ہے جو خود بھی صاحب درد وفکر ہوں، تیسری چیز ذاتی محنت اور وہ طلب وذوق ہے جو ایک قوت محرکہ کی حیثیت رکھتا ہو۔

حضرت مولانا کی زندگی ان تینوں چیزوں کی آئینہ دار نظر آتی ہے، ان تینوں بنیادی صفات وخصوصیات کے علاوہ ایک مزید نعمت جو اللہ تعالی کی طرف سے آپ کو عطا ہوئی اور اس کا آپ کی زندگی پر گہرا اثر پڑا، وہ والدہ ماجدہ کی وہ دعائیں ہیں، جو انھوں نے آپ کے لیے دل کی گہرائیوں سے کیں، اللہ تعالی نے ان کو صاحب دعا بنایا تھا، دعا ان کی دوا بھی تھی اور غذا بھی، اور ان کی ساری دعا حضرت کے لیے تھی، دعا میں ان کا نازو انداز اور گریہ واضطراب بھی ہے، حضرت مولانا کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اس عنصر کو بھی بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

یہ چار وہ عناصر ہیں جو حضرت مولانا کی سیرت کی تشکیل وتعمیر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ سب اللہ تعالی کی توفیق اور انتخاب کا نتیجہ ہے، جب وہ اپنے کسی بندہ کو کسی کام کے لیے منتخب کر لیتا ہے تو اس کے لیے وہی ضروری اسباب اور سازگار ماحول بھی پیدا فرماتا ہے۔(۱)

(۱) سوانح مفکر اسلام صفحہ ۴۳ تا ۴۶ ملخصاً

امتیازات وخصوصیات

حضرت مولانا کے اندر وہ تمام خصوصیات وکمالات جمع ہوگئے تھے، جو ایک سچے مسلمان، ربانی عالم، داعی الی اللہ، ناشر رشد وہدایت، مصلح وقت اور ولی کامل کے اندر ہونے چاہئیں، وہ امت کی اصلاح کی فکر میں اور امت پر آنے والی آزمائشوں سے ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے، وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے، کہ کس طرح سے امت کی ڈوبتی کشتی منزل تک پہنچ جائے اور وہ اللہ ورسول کی اطاعت گذار بن جائے اور جہنم کی آگ سے چھٹکارا پا جائے۔

حضرت مولانا نے مختلف علوم اپنے وقت کے صاحب فن اساتذہ اور امتیاز رکھنے والے ماہرین سے حاصل کئے تھے، ان میں خاص طور پر تفسیر، ادب اور تاریخ میں حضرت مولانا کو امتیازی شان حاصل تھی، حضرت مولانا نے اپنے دعوتی وفکری اور اصلاحی سفر میں ان تینوں سے فائدہ اٹھایا، ان کے علاوہ حدیث کا بھی اعلی ذوق تھا، فقہ میں اعلی بصیرت حاصل تھی، اور وسعت قلب ونظر، وسعت فکر اور ذہن کی آفاقیت میں ممتاز تھے، اعتدال وتوازن، اعتدال فطرت اور سلامت ذوق آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، بصیرت ایمانی، حقیقت رسی، نبض شناسی، لطافت شعور میں آپ اپنی مثال آپ تھے، دردمندی ودلسوزی، اشک ریزی، حمیت دینی، جذبہ جہاد سے سرشار تھے، حسن اخلاق، حسن سلوک اور صلہ رحمی آپ کی عادت تھی، دل آزاری ودل شکنی سے حد درجہ اجتناب تھا، زہد واستغناء، حکمت وبصیرت کے ساتھ جرأت ایمانی، حق گوئی و بے باکی آپ کی امتیازی صفات تھیں، جود وسخا اور داد ودہش، عزیمت وتوکل، فنائیت و بے نفسی اور اخلاص وللّٰہیت میں آپ بے نظیر تھے۔

حضرت مولانا امت کے سلسلے میں راتوں میں اپنے پروردگار کے سامنے گڑگڑاتے، آہ وزاری کرتے، مناجات والتجا کرتے، اور امت کی فکر میں گھلے جاتے، اللہ تعالی نے

آپ کو نرم دل، نرم طبیعت، ستودہ صفات کا حامل بنایا تھا، آپ میں گویا کسی کو ضرر پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں تھی، وہ اپنے پاس والوں اور اہل تعلق کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کرتے تھے، اور ایسے انداز میں اصلاح کرتے جس طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم امت کو عمومی خطاب سے کرتے تھے، اپنے چھوٹوں پر شفقت فرماتے یہاں تک کہ اپنے شاگردوں کا بھی حد درجہ اکرام کرتے اور ان کے سامنے بھی پیر پھیلا کر نہ بیٹھتے تھے، معذوری اور بیماری کی حالت میں بھی معمول تھا۔

حضرت مولانا میں اتباع سنت کی محبت وجذبہ، تہجد کا اہتمام، اذان ہوتے ہی مسجد میں پہنچنے کا معمول تھا، آپ دوسروں کی عیب جوئی، غیبت وبدگوئی اور بدگمانی جیسے امراض سے پاک تھے، اپنے محسنین کے احسانات کو یاد رکھتے اور ان کے احسانات کو چکانے کی زندگی بھر کوشش کرتے تھے، جن بزرگوں سے انہوں نے کسب فیض کیا، یا جن سے ان کو تعلق تھا، ان بزرگوں کے علاقہ کا کوئی ادنی سا آدمی بھی حضرت کے پاس آجاتا تو بھرپور اس کا خیال کرتے تھے، حضرت کے یہاں نسبتوں کا بڑا خیال اور اہتمام تھا، بلکہ بعض مرتبہ بزرگوں کے علاقہ کا کوئی طالب علم ندوہ میں زیر تعلیم ہوتا تو اس طالب علم کی بھرپور قدر کرتے، اپنے پاس بٹھاتے، اس کی خیر خیریت معلوم کرتے، اس کو ہدایا اور نقد رقم دیتے، اس کی ضروریات کا بھرپور خیال کرتے تھے۔

حضرت مولانا کی شخصیت میں جامعیت

حضرت مولانا کی شخصیت بزرگوں کی نسبتوں کی جامع تھی، آپ کے اندر حضرت رائے پوری کی فنائیت وبے نفسی، حضرت لاہوری کی غیرت وخودداری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی دردمندی ودلسوزی، حضرت مدنی کی عزیمت واستقامت اور حضرت شیخ کی بصیرت ایمانی کا ایسا حسین گلدستہ تیار ہوگیا تھا، جس کے رنگا رنگ پھولوں کی خوشبو سے

پورا عالم معطر ہوا۔

حضرت مولانا کی شخصیت میں جامعیت تھی، ان کی ذات میں امام احمد کی عزیمت، امام غزالی کی علو ہمت، ابن جوزی کی حمایت سنت، شیخ عبدالقادر جیلانی کی دردمندی اوراخلاص وتاثیر کی جھلک نظر آتی ہے، وہ ایک طرف علامہ ابن تیمیہ کی طرح توحید کے علمبردار نظر آتے ہیں تو دوسری طرف انہوں نے شیخ اکبر کے علوم ومعارف میں غواصی کی ہے، ان کے اندر مجدد الف ثانی کی حکمت، شاہ ولی اللہ کی بصیرت وفراست، سید احمد شہید کے جذبہ دعوت وجہاد کا ایسا حسین سنگم نظر آتا ہے جو مصلحین ومجددین کی تاریخ میں نایاب تو نہیں لیکن کمیاب ضرور ہے۔

حضرت مولانا اکابرین امت کی نظر میں

حضرت تھانویؒ نے آپ کو ''بخدمت مجمع الکمالات مولوی ابوالحسن صاحب'' لکھا، حضرت رائے پوری نے آپ کو ''سیدی ومولائی حضرت اقدس دامت برکاتہم'' اور کہیں مولانا شمس تبریز'' لکھا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب نے آپ کو ''مخدوم ومحترم سیدی وسید عالم دام مجدکم'' لکھا، حضرت شیخ نے آپ کے بارے میں لکھا کہ ''مولانا ابوالحسن علی مجموعہ حسنات ہیں'' حضرت علامہ سید سلیمان ندوی نے آپ کے بارے میں لکھا کہ ''حجاز ومصر کی فضائیں ان کی دعوت کے نغموں سے مسحور ہیں'' حضرت مولانا دریابادی نے آپ کو ''تاروں کے جھرمٹ کے درمیان آفتاب'' لکھا، امام حرم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ آل الشیخ نے فرمایا کہ ''مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء ایک منارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں''۔

راقم سطور پر حضرت مولانا کی شفقتیں

احقر حضرت مولانا ہی کے مشورہ سے رائے پور سے ندوۃ العلماء لکھنؤ پہنچا تھا، اور ۱۹۹۴ء

میں جب مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں داخل ہوا تو وہاں حضرت بھرپور خیال کرتے تھے، مدرسہ کے ذمہ دار مولانا شرافت صاحب کو ہدایت کردی تھی کہ ان کا بھرپور خیال رکھنا، ندوہ آنے کے بعد حضرت مولانا کی شفقتیں اضعافا مضاعفہ ہوگئیں، اس ناکارہ کو بھی حضرت سے ایسی محبت ہوگئی تھی کہ اگر کسی مشغولیت کی وجہ سے دن میں حضرت کی خدمت میں حاضر نہ ہوسکا، اور نہ رات کی مجلس میں شریک ہوسکا، تو رات میں نیند نہیں آتی تھی، جب تک کہ مہمان خانہ کا جہاں پر حضرت کا قیام رہتا تھا چکر لگا کر نہ آجاتا، چنانچہ کھڑکی میں سے زیارت کر کے یا مہمان خانہ کے اردگرد گھوم کے سکون مل جاتا اور جاکے سوجاتا، حضرت کی طرف سے بھی شفقت کا یہ معاملہ تھا کہ حضرت سفر سے واپس لوٹتے اور میری طرف سے ملنے میں تاخیر ہوجاتی تو حضرت یاد فرماتے اور کسی کے ذریعہ سے بلاتے اور پھر فرماتے کہ رائے پور کی یاد آرہی ہے، حضرت مولانا اپنی اس شفقت کا اظہار مادی شکل میں بھی کرتے تھے، کبھی سو روپئے، کبھی دو سو روپئے، کبھی پانچ سو روپئے بھی حضرت نے دیئے، بلکہ جب راقم کی کتاب ''ریاض البیان فی تجوید القرآن'' چھپ رہی تھی، اس کی طباعت میں بھی حضرت نے حصہ لیا۔

حضرت مولانا سے بیعت

راقم کے شیخ ومرشد حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری (م ۷؍رمضان ۱۴۱۶ھ) کے انتقال کے بعد ۲۳؍شوال ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۴؍مارچ ۱۹۹۶ء جمعرات کو لکھنؤ سے رائے بریلی حضرت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور حضرت سے بیعت کی درخواست کی، حضرت مولانا نے شفقت فرمائی، اور ۲۴؍شوال بروز جمعہ کو جمعہ کی نماز سے پہلے سلاسل اربعہ نیز سید احمد شہید کے سلسلہ میں بیعت فرمایا اور دعا فرمائی، اس کے بعد حضرت مولانا کی شفقتیں دن بدن بڑھتی گئیں۔

حضرت مولانا کی امامت کی سعادت

اخیر میں جب حضرت مولانا علیل تھے اور مسجد میں جانے سے معذور تھے تو قیام گاہ پر مہمان خانہ میں ہی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے تھے، تین وقتوں کے نماز کی امامت کی توفیق اللہ تعالیٰ نے راقم سطور کو دے رکھی تھی اور دو وقتوں کی ہمارے ایک ساتھی مولوی معاذ احمد کاندھلوی کو، اس طرح حضرت مولانا کو بڑے اہتمام واشتیاق سے نماز پڑھاتا تھا، جس پر کبھی حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مزاحاً فرماتے کہ ''آپ امام المتقین ہیں اور ہم امام الناس ہیں''۔

حضرت مولانا نے راقم کا نکاح پڑھایا

حضرت مولانا کو راقم کے نکاح کی بڑی فکر تھی، کئی مرتبہ اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا، ایک مرتبہ یہ پروگرام بنا کہ ۲۳؍نومبر ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا رائے پور تشریف لے جائیں گے، اور پھر نکاح پڑھانے کے لیے راقم سطور کے غریب خانہ پر حاضر ہوں گے، ٹکٹ بن چکا تھا، احقر ایک روز قبل لکھنؤ سے وطن پہنچ گیا تھا، جس روز حضرت مولانا کو سہارنپور کے لیے سوار ہونا تھا، اس روز سے پہلے ۲۲؍۲۳؍نومبر کی شب میں حضرت مولانا کی قیام گاہ پر رائے بریلی میں حکومت کے لوگوں نے چھاپا مارا، یہ ایک بہت شنیع اور قابل مذمت سازش تھی، جو حضرت مولانا کے وندے ماترم کے خلاف سخت بیان دینے کی پاداش میں رچی گئی تھی، چنانچہ حضرت کے متعلقین کے مشورہ سے سہارنپور کا یہ پروگرام کینسل ہو گیا کہ ممکن ہے سفر کے دوران ٹرین میں کوئی ناشائستہ واقعہ پیش آجائے، کیونکہ سہارنپور کے سفر کی شہرت ہو چکی تھی، چنانچہ راقم کو ایک ساتھی نے فون سے اطلاع کی کہ حضرت کا پروگرام کینسل ہو گیا۔

پھر آئندہ سال علالت کے زمانہ میں حضرت نے نکاح کی بات کی تو یہ طے ہوا کہ لڑکی کے والد اور راقم کے والد ندوہ آجائیں اور حضرت مولانا نکاح پڑھائیں گے، چنانچہ حضرت مولانا نے احقر کا نکاح پڑھایا، جس میں ندوہ کے اہم اساتذہ اور حضرت کے خدام اور ناکارہ کے بعض دوست بھی شریک تھے، حضرت مولانا نے ولیمہ کے سلسلے میں ایک رقم عنایت فرمائی تھی کہ ولیمہ ہماری طرف سے ہوگا، چنانچہ ولیمہ کے کھانے میں بھی حضرت مولانا نے پرہیز کے باوجود شرکت فرمائی۔

حضرت مولانا نے نکاح کے وقت جو خطاب کیا، اس کی حیثیت تاریخی ہے کیونکہ علالت سے صحت یابی کے بعد حضرت مولانا نے سب سے پہلے اس نکاح کے موقع پر ہی خطاب کیا، جو تعمیر حیات کے ۱۰؍مئی ۱۹۹۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا، جس پر حضرت مولانا کو چاروں طرف سے مبارکبادی ملی، حضرت نے فرمایا کہ نکاح تمہارا ہوا ہے اور مبارک باد ہمیں مل رہی ہے، اس کے بعد تفصیل سے حضرت نے جون کے مہینے میں تبلیغی اجتماع میں اہم خطاب فرمایا تھا، اکثر لوگوں نے اس اجتماع کی تقریر کا تو ذکر کیا ہے، اور نکاح کی تقریب کے موقع پر جو خطاب ہوا، اس کو شخصی اور غیر اہم واقعہ سمجھ کر ذکر نہیں کیا، نکاح کی رپورٹ اور خطبہ نکاح تعمیر حیات سے بعینہٖ نقل کیا جا رہا ہے۔

کوئی دیکھے یا نہ دیکھے مگر اللہ دیکھ رہا ہے

صحت کے بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کا پہلا خطبۂ نکاح

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ العالی پر ۱۸؍مارچ ۱۹۹۹ء بروز جمعرات فالج کا حملہ ہوا، جس کی وجہ سے حضرت تقریر وتحریر اور مطالعہ سے معذور ہو گئے تھے، الحمدللہ اب حضرت روبہ صحت ہیں، صحت کے بعد حضرت نے ۹ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز پیر بعد نماز مغرب مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کی تقریب نکاح کے موقع پر

پہلی مرتبہ نکاح پڑھایا اور پورے جوش کے ساتھ قرآنی آیات کی تشریح کی جو ہدیہ ناظرین ہے، اس تقریب کے موقع پر مولانا سید محمد رابع صاحب ندوی، مولانا عبداللہ عباس صاحب ندوی، مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا سید واضح رشید ندوی، اور مولانا شمس الحق ندوی کے علاوہ اساتذہ وطلباء کی ایک خاصی تعداد موجود تھی۔

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِالْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍوَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِاِحْسَانٍ وَّدَعَابِدَعْوَتِهِمْ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اَمَّابَعْدُ ! فَاعُوْذُبِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ،يَااَيُّهَاالنَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَارِجَالًا كَثِيْراً وَّنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَام اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً.(۱)

يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّاوَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ.(۲)

يَااَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلاً سَدِيْداً يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْفَازَفَوْزاًعَظِيْماً.(۳)

یہ تین آیتیں نکاح کے مقتضیات اور نکاح کے عقد صحیح اور ان سب کے اسلامی فرائض کے متعلق ہیں، ان سے بہتر کوئی خطبہ اور دنیا میں اجتماعیات اور جنسیات اور اخلاقیات کے ماہرین جمع ہوں تو اس سے بہتر پیغام نہیں دے سکتے، یہ پوری ازدواجی زندگی کے لیے ہدایات اور پیغام ہے۔

پہلی آیت سورہ نساء کی آیت ہے، اس سورۃ کا نام جس مناسبت سے رکھا گیا ہے، اس

(۱) سورۂ نساء آیت ا۔
(۲) سورۂ آل عمران آیت ۱۰۲۔
(۳) سورۂ احزاب آیت ۷۰/۷۱۔

سے عورت کا درجہ معلوم ہوتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے ''اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو پیدا کیا ایک اکیلی جان سے، اس میں ایک فال نیک ہے، خوشخبری ہے کہ اکیلی جان سے اگر اتنی بڑی ذریت پیدا ہوسکتی ہے جو سارے عالم کو آباد کرے گی، تو ڈرو اس پروردگار سے جس نے اکیلی جان سے پیدا کیا، پھر اس کا جوڑا پیدا کیا، اور پھر اس جوڑے کے ملنے سے بہت سے مرد اور عورتیں پیدا کر کے دنیا میں پھیلا دیا اور روئے زمین کو ان سے بھر دیا، ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ '' اس اللہ سے ڈرو، جس کے نام پر تم نے اتنا بڑا سوال کیا، یعنی ایک شریف گھرانے کی دختر کا مانگنا، ایک اللہ کے نام لینے کی برکت سے اور اس پر بھروسہ کر کے ہی ہوسکتا ہے، یہ اصل میں اس کے نام سے اتنی بڑی چیز حاصل کی اور اتنا مشکل کام آسان کر دیا تو آئندہ اگر کچھ ہو جائے تو اس کو بھولنا نہیں ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ '' اپنے رشتوں کو نہ بھلانا، نیا رشتہ ہو رہا ہے، لیکن ماں ماں ہے، باپ باپ ہے اور بہن بہن ہے، بھائی بھائی ہے اور سب کے حقوق الگ الگ ہیں ''وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَاءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباً'' اور تم یہ کہو کہ کون دیکھتا ہے، کون جانتا ہے جو چاہیں کریں، بے شک اللہ تم پر رقیب اور نگراں ہے، ایسا نہیں کہ جب مجلس منتشر ہوگئی تو پھر ہر ایک آدمی جو چاہے کرے۔

دوسری آیت میں اللہ تعالی فرماتا ہے اور پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے، کوئی دنیا میں ایسے موقع پر، ایسے مبارک موقع پر جب شادی کی مسرت اور مبارکباد کا موقع ہوتا ہے تو اس موقع پر زندگی کے ایام کو یاد کرنے اور ایمان پر خاتمہ ہونے کی کوشش کا ذکر خدا کے پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں کر سکتا۔

''اے لوگو! ڈرو اللہ سے جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا، مت جانا اس دنیا سے مگر ایمان کے ساتھ، یہ رشتہ مبارک، یہ تقریب مبارک، یہ شادی مبارک، لیکن اس کو یاد

رکھو کہ جب اس دنیا سے جاؤ، اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے اور اس کا کلمہ پڑھتے ہوئے جاؤ، یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔

تیسری آیت سورۂ احزاب کی آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایجاب وقبول سے پہلے اور مہر قبول کرنے سے پہلے، اس کے ادا کرنے کا وعدہ کرنے سے پہلے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ''قولوا قولاً سدیداً'' سچی اور پکی بات زبان سے نکالو، یہ نہ سمجھو کہ پہلے کہہ دیا کہ ہاں ہم نے اتنا مہر قبول کیا، کون پوچھتا ہے، کون دیکھتا ہے، اور اگر واقعی ذہن میں یہ ہے، کون دیکھے گا تو ''اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡباً'' اللہ دیکھنے والا ہے اور اللہ ہی تمہارا نگراں اور رقیب ہے۔(۱)

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی تعمیر حیات نے ۱۰/مئی ۱۹۹۹ء کے شمارے میں حضرت مولانا کی علالت وصحت یابی چند جھلکیاں میں لکھتے ہیں ''اللہ کے فضل وکرم سے حضرت مدظلہ کی طبیعت اتنی بہتر ہوگئی کہ قلم چلانے لگے اور مسلم پرسنل لا بورڈ ممبئی کے اجلاس کے لیے خطبہ صدارت بھی مرتب کرایا، اور اب خط بھی املا کرانے لگے ہیں، پہلا خط علالت کے ٹھیک چالیس دن ہونے پر اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کے بھانجے مولانا عبدالجلیل صاحب مدظلہ کو سرگودھا پاکستان املا کرایا، اور اللہ کے فضل وکرم سے اس کے دوسرے ہی دن وہ وقت بھی آیا کہ حضرت مدظلہ نے یوم عاشورہ کو ایک نکاح پڑھایا اور مختصر سی تقریر بھی فرمائی، جو صاف سمجھی اور سنی گئی، یہ نکاح دارالعلوم کے فضیلت کے ایک طالب علم مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی کا تھا، تقریب بڑی سادہ تھی، دیکھ کر ہر ایک کا دل خوش ہوگیا، لڑکی اور لڑکے کے باپ اور ان کے ساتھ ایک دو لوگ اور موجود تھے، باقی حضرت کے حاضر باش اور نوشہ میاں کے خاص متعلقین تھے، شو نمائش کی کوئی چیز نظر نہیں آئیں، بعد میں جیسے معلوم ہوا کہ حضرت مدظلہ نے نکاح پڑھایا اور تقریر بھی فرمائی، مسرت وخوشی سے

(۱) تعمیر حیات شمارہ ۱۰/مئی ۱۹۹۹ء صفحہ ۱۴-۱۳۔

جھوم اٹھا، جناب عشرت علی صدیقی صاحب سابق ایڈیٹر ''قومی آواز'' لکھنؤ، جو حضرت کے بڑے عاشق زار ہیں، عرض کرنے لگے کہ حضرت اب تو ہم مٹھائی کھائیں گے، اور حضرت نے ان کا منہ میٹھا بھی کیا، بعد میں نوشہ میاں سے مخاطب ہو کر حضرت فرماتے لگے، نکاح تمہارا ہوا ہے اور مبارکبادیں ہمیں دی جارہی ہیں۔(۱)

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب تنہائی یا یکسوئی میں ہوتے، یا کوئی خاص تحریر لکھوانا چاہتے، اور کوئی پاس بیٹھا ہوا ہوتا تو معذرت کے انداز میں فرماتے کہ ابھی ہم مشغول ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آپ حضرات اس وقت تشریف لے جائیں، ایسے موقع پر بعض مرتبہ یہ نامہ سیاہ بھی ہوتا، تو حضرت فرماتے کہ آپ سے کوئی حرج نہیں، عشاء بعد حضرت کی مجلس ہوتی تھی، کبھی احقر کا تاخیر سے پہنچنا ہوتا جب کہ کمرہ طلبہ سے بھر چکا ہوتا، تو راقم چپکے سے پیچھے بیٹھ جاتا، جیسے ہی حضرت کی نظر پڑتی تو فوراً فرماتے آپ یہاں آگے آجائیے، اور اپنے پاس بٹھاتے، راقم شرم سے پانی پانی ہوجاتا، رات میں لیٹنے کے وقت حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اور چپکے سے پیر دبانے شروع کرتا، حضرت کو احساس ہوجاتا، فوراً فرماتے کہ نہیں آپ نہیں، آپ ہاتھ دبائیے، اور پھر پڑھتے ''دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست'' پیر دبوانا پسند نہ فرماتے تھے، یا تو ہاتھ یا پھر سر میں مالش کا موقع دیتے تو مالش کرتا، بعض مرتبہ عزیزی کی نسبت معلوم کرتے تو بندہ بتلاتا کہ دادا کی طرف نسبت ہے، جن کا نام عبدالعزیز تھا، پھر فرماتے کہ آپ ہمارے بھی عزیز ہیں، بعض ساتھیوں کا کوئی اہل تعلق آتا، اور وہ حضرت کے پاس جاکر بتلاتا کہ ہم مسعود عزیزی کے اہل تعلق یا عزیز ہیں، تو حضرت فرماتے کہ آپ ہمارے بھی عزیز ہیں،

(۱) تعمیر حیات ۱۰/مئی ۱۹۹۹ء

ہمارے علاقے کے جن مدارس کے لوگوں کو معلوم تھا کہ حضرت مولانا سے اس نامہ سیاہ کا کافی تعلق ہے، تو وہ لوگ حضرت مولانا کی عربی میں تصدیق لینے کے لیے اس نامہ سیاہ ہی کو واسطہ بناتے، احقر حضرت سے درخواست کرتا تو فوراً راضی ہو جاتے اور تصدیق لکھدیتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ چونکہ لوگ ہماری تصدیق خلیجی ممالک میں لے جاتے ہیں اور ہم سب کو لکھ دیتے ہیں، اس لیے ہماری تصدیق کی کوئی اہمیت اور وقعت نہیں رہے گی، مگر چونکہ آپ کہہ رہے ہیں اس لیے آپ کو انکار نہیں کیا جاسکتا اور ان کی حسب موقع خاطر و تواضع کرتے تھے، حضرت مولانا کی یہ شفقتیں جیسے مجھ سیہ کار پر تھیں، راقم سمجھتا ہے کہ حضرت مولانا کا معاملہ سب کے ساتھ ایسا ہی تھا، اور ہر اہل تعلق یہی سمجھتا ہے کہ حضرت کی مجھ پر بہت شفقتیں اور عنایتیں تھیں، کبھی تنہائی میں ہوتے، تو فرماتے رہتے "لَسْتُ بِشَیٍٔ لَسْتُ بِشَیٍٔ" میں کچھ نہیں، میں کچھ نہیں، اپنی اور انا کی نفی کرتے رہتے، اور اللہ تعالی کے شکر سے زبان معمور رہتی۔

راقم کی کتابوں پر مقدمے

حضرت مولانا اس حقیر کی کتابوں پر بڑے تفصیل سے مقدمے تحریر فرماتے، تقریباً نو کتابوں پر مقدمے لکھے، تین کتابوں پر عربی میں اور باقی کتابوں پر اردو میں، حضرت مولانا سے جب بھی کسی کتاب پر مقدمہ لکھنے کی درخواست کی تو حضرت نے کبھی انکار نہیں کیا، حضرت مولانا نے وفات سے قبل راقم کی کتاب "التدخین بین الشرع والطب" پر مقدمہ تحریر فرمایا، تو مقدمہ کو خود پڑھ کر انگلی ہلا ہلا کر سنایا، اور پھر فرمایا کہ اب چند سال کے لیے تصنیف وتالیف موقوف کردیجئے، مطالعہ میں گہرائی اور دقت نظر پیدا کیجئے، عموماً حضرت حکماً کسی کو کوئی بات نہیں کہتے تھے، مگر راقم پر شفقت کی وجہ سے مقدمہ لکھنے سے پہلے بھی اور مقدمہ لکھنے کے بعد بھی یہ جملہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت کے اس ارشاد کے

بعد سے ابھی تک اس نامہ سیاہ کی کوئی نئی تصنیف یا کتاب نہیں آئی جو کتابیں پہلے لکھی ہوئی تھیں جن کی تعداد ۱۵ رہے انکی طباعت کی حضرت نے اجازت دیدی تھی۔

حضرت مولانا سے حدیث کی سند اور اجازت

حضرت مولانا سے ۱۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ میں ایک روز مغرب بعد دارالعلوم دیوبند کے بعض طلبہ کے ساتھ حدیث کی اجازت لی، حضرت مولانا کا اوائل صحاح ستہ پڑھا کر سند حدیث دینے کا معمول تھا، چنانچہ اس نامہ سیاہ نے بھی اوائل کے بعد سند حدیث لی اور حضرت مولانا نے اپنے دستخط کے ساتھ صحاح ستہ کی سند عنایت فرمائی، اگر چہ اس سے قبل عالمیت کے اخیر سال عالیہ رابعہ میں حضرت مولانا سے جامع ترمذی کی سند لے چکا تھا، اور جب ندوہ کے فضیلت دوم کے طلبہ ۱۶ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ مطابق ۲۷ ستمبر ۱۹۹۹ء بروز پیر کو حضرت مولانا سے صحاح ستہ کے اوائل پڑھنے اور اجازت حدیث حاصل کرنے کے لیے رائے بریلی گئے، ان میں راقم بھی تھا، چونکہ حضرت مولانا فضیلت دوم کے طلبہ کو اپنی بعض اہم کتابوں کا بھی درس دیتے تھے، اس لیے مختلف اوقات میں حضرت مولانا نے مختلف کتابوں کے درس بھی دیئے، بعض کتابوں کی عبارت پڑھنے کی احقر کو بھی سعادت حاصل ہوئی، صحاح ستہ کا درس ۲۰ جمادی الثانی ۱۴۲۰ھ یکم اکتوبر بروز جمعہ بوقت صبح ہوا، صحاح کی عبارت خوانی میں نامہ سیاہ نے ترمذی کی عبارت پڑھی، باقی کتابوں کی دوسرے ساتھیوں نے پڑھی، اور پھر حضرت مولانا نے تمام رفقاء درس کو صحاح ستہ کی اجازت اور سند عطا فرمائی۔

ہمارے ساتھی چونکہ مختلف تخصصات کے تھے اس لیے سبھی ساتھیوں کو ان کے تخصصات کے پیش نظر جمعرات کو مقالات لکھنے کے لیے عناوین دئے گئے، احقر تخصص فی الفقہ والافتاء کے شعبہ میں تھا، اس لئے ہمیں فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات پر لکھنے

کیلئے عنوان دیا گیا، چنانچہ راقم نے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر ''مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا'' (۱) عربی میں ایک مقالہ لکھا، تمام مقالات جب پیش ہوئے تو جن کے مقالات پسند کیے گئے ان کو حضرت مولانا نے سوسو روپئے انعام دئے، چنانچہ راقم کو بھی حضرت مولانا کے دست مبارک سے اس مقالہ پر سو روپئے کا انعام ملا۔

۱۹/ جمادی الثانی بروز جمعرات بعد نماز مغرب دار عرفات میں پروگرام تھا تو حضرت مولانا نے رائے بریلی کے لوگوں کو حضرت سید احمد شہید کا پیغام سنایا اور ان کے کارناموں کی طرف رہنمائی فرمائی، گویا کہ وہ سید احمد شہید کی زبان میں حضرت مولانا کا بھی آخری پیغام تھا۔

حضرت مولانا کی وفات

حضرت مولانا کی طبیعت چونکہ ۱۸/ مارچ ۱۹۹۹ء سے علیل چل رہی تھی، کچھ افاقہ ہو گیا تھا، اب کہ رمضان خلاف معمول لکھنؤ میں گذارنے کا پروگرام تھا، جب شعبان میں سالانہ امتحان ہو رہے تھے، ایک روز حضرت مولانا نے فرمایا کہ اپنے علاقہ میں رہنا پسند کروگے یا یہاں ندوہ میں، پہلے تو احقر خاموش رہا، پھر عرض کیا کہ حضرت ابھی تو وقت ہے، بتلادوں گا، اس کے بعد چھٹی ہوئی تو حضرت مولانا نے راقم سے فرمایا کہ رمضان میں ہمارے ہی پاس رہنا، حضرت مولانا عام طور سے اس طرح حکم نہیں فرماتے تھے، اور یہ نامہ سیاہ بھی ہر سال رمضان رائے پور میں گذارتا تھا اور قرآن شریف سناتا تھا، مگر حضرت مولانا کے حکم کی بنا پر رمضان سے ایک روز قبل حضرت کی خدمت میں لکھنؤ پہنچ گیا، ہمارے ایک ساتھی مولانا معاذ احمد کاندھلوی نے قرآن شریف سنایا، مہمانوں کی کثرت تھی، حضرت مولانا کی صحبتوں اور مجلسوں اور خدمت سے فائدہ اٹھایا اور حضرت کی

(۱) یہ مقالہ مستقل کتابی شکل میں مرکز احیاء الفکر الاسلامی سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا اور پھر ''البعث الاسلامی'' لکھنؤ سے اور ''النور'' اکل کوا سے دو قسطوں میں شائع ہوا، پھر اس کا اردو ترجمہ ماہنامہ نقوش اسلام میں دو قسطوں میں شائع ہوا۔

نوازشوں کی برابر بارش ہوتی رہی، یہاں تک کہ دوسرے یا تیسرے روزہ ہی نامہ سیاہ کو عید کے کپڑوں کے لیے ۵۰۰/ روپئے عنایت فرمائے، کھانا حضرت کے ساتھ ہی ہوتا، مگر پھر حضرت مولانا کے ساتھ دسترخوان پر مہمانوں کی کثرت کی وجہ سے نامہ سیاہ عام مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانے لگا، جس پر حضرت نے فرمایا کہ اچھا افطاری تو ہمارے ساتھ ہی کیا کرو، اس طرح ۱۹/ رمضان تک حضرت مولانا اور حضرت کے اہل تعلق مہمانان لکھنؤ میں مقیم رہے، پھر ایک قافلے کے ساتھ رائے بریلی گئے، وہاں خانقاہ کا نظام حسب معمول شروع ہو گیا کہ ۲۲/ رمضان ۱۴۲۰ھ ۳۱/ دسمبر ۱۹۹۹ء کو حسب معمول تراویح مجلس ہوئی، صبح سحری کھائی، سحری کے دسترخوان پر حضرت مولانا اور راقم کے درمیان حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی تھے، پھر نماز فجر کے بعد حضرت آرام کے لیے لیٹ گئے، نامہ سیاہ نے بائیں پیر میں تیل لگا کر مالش کی، حضرت مولانا رابع صاحب حسب معمول رات میں نیند کی کیفیت معلوم کرنے آئے، حضرت نے اطمینان دلایا اور خدا کا شکر ادا کیا، صبح میں تمام معمولات پورے کئے، حجامت کے بعد غسل کیا، غسل سے فراغت کے بعد سورہ کہف پڑھنے کے لیے قرآن کریم طلب کیا، مگر خود ہی سورہ یٰسین شریف پڑھنی شروع کردی اور ''فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ عَظِيْمٍ'' پر پہنچ کر واصل بحق ہو گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

نامہ سیاہ حضرت کی خانقاہ کے اوپر والے کمرہ میں تھا، ایک ساتھی نے جاکر اطلاع دی کہ حضرت کی طبیعت زیادہ خراب ہے، دعاؤں میں مشغول ہو جاؤ، احقر دعاء میں مشغول ہو گیا، پھر صبر نہ ہوا تو فوراً نیچے آیا، تو معلوم ہوا کہ حضرت تو سفر آخرت پر جا چکے، اچانک ایسا لگا کہ سب کچھ چھن گیا یا غائب ہو گیا، اور زمین پیروں کے نیچے سے کھسک گئی، مگر حضرت انسان کی وقعت ہی کیا ہے، پانی کے بلبلہ کی طرح، اس لیے تحمل کی کوشش کی، پھر رات میں عشاء اور تراویح کے بعد حضرت کی تدفین ہوئی، اور کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کریں، اگلے ہی روز گھر آ گیا، اور یہی عالم رہا، اب بھی حالت ایسی ہے، مگر سچی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا کی

جو قدر کرنی چاہئے تھی اور جو استفادہ کرنا چاہئے تھا، وہ اپنے لاابالی پن میں نہ کرسکا، اوراس کا اندازہ بھی نہ تھا کہ حضرت مولانا اس طرح سے اچانک جدا ہوجائیں گے، اب عام طور سے اکثر حضرت مولانا خواب میں آتے رہتے ہیں، مگر جب بھی خواب میں آتے ہیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت زندہ ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا صدیقین، شہداء اور صالحین کے زمرے میں ہیں اور اپنی دینی خدمات کی بنا پر زندہ ہیں۔

ایک شاعر نے آپ کی وفات پر کہا ہے۔ ؎

بائیس ماہ رمضاں مبارک جمعہ کا دن — بعد زوال پورا ہوا با صفا کا دن
قرآن پڑھتے پڑھتے وہ خاموش ہوگیا — جاکے خدا کے سائے میں روپوش ہوگیا
گونجی خبر یہ ہوگیا ہر سمت پر ملال
سید ابوالحسن علی ندوی کا انتقال

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہی ☆

ولادت: ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۹۲۸ء - وفات: ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۰۰۵ء

تمہید

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب ایک نیک طبیعت عالم دین، ایک مدبر، بالغ نظر منتظم اور ایک دور اندیش مہتمم تھے، انہوں نے اکابرین سے کسب فیض کیا، پھر ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی، اور انہیں کے مشورہ سے ایک دینی ادارہ ''جامعہ اشرف العلوم رشیدی'' گنگوہ میں قائم کیا، جو اس وقت ایک تناور درخت اور ''اشرقت الارض بنور ربھا'' کی عملی تصویر اور تفسیر بنا ہوا چہار دانگ عالم میں اپنے فیض اور روحانی کرنوں سے ضیاء پاشی کررہا ہے، اور جو حضرت قاری صاحب کے ''باقیات صالحات'' میں ایک زندۂ جاوید کارنامہ اور بلند وبالا مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت مولانا سے دو ملاقات

حضرت قاری صاحب سے زیادہ ملاقاتیں اور قربت تو نہیں رہی، البتہ دو مرتبہ ملاقات ہونا یاد آتا ہے، مگر چونکہ وہ زمانہ طالب علمی کی یا کہئے کہ بے شعوری کے عالم کی ہیں، اس لیے ان ملاقاتوں کی اہمیت بھی نہیں، اور کیا کچھ باتیں قاری صاحب کے ساتھ ہوئیں وہ بھی معلوم نہیں، مگر بالکل نظر انداز کرنا بھی مناسب نہیں، اس لیے کچھ دھندلا، دھندلا یاد پڑتا ہے، کہ ایک مرتبہ تو جامعہ بیت العلوم پہلی مزرعہ کی زمانہ طالب علمی میں گنگوہ جانا ہوا، تو حضرت قاری صاحب کی زیارت ہوئی، اور ان کو ایک سنجیدہ، خاموش طبیعت، فکر میں غرق

☆ یہ مضمون مولانا ساجد قاسمی کی خواہش پر لکھا، جو حضرت مولانا کی سوانح حیات میں شامل ہے۔

اورستودہ صفات کا حامل آدمی محسوس کیا، دوبارہ غالباً ندوۃ العلماء لکھنؤ کے زمانہ طالب علمی میں گنگوہ میں ملاقات ہوئی، تب بھی اسی طرح ان کو پایا، البتہ اس ملاقات میں ان کے خلف الصدق مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی سے ملاقات کرنا اور کچھ عرض ومعروض کرنا بھی یاد پڑتا ہے، اس ملاقات کو ان کے خلف الصدق نے یاد رکھا- اوراس کا اظہار غالباً ۱۹۹۸ء میں جب حضرت تھانوی پر تھانہ بھون میں سیمینار منعقد ہوا، تو ایک نشست اس موقع پر دارالعلوم وقف دیو بند میں بھی ہوئی تھی، راقم اس میں حضرت مولانا برہان الدین سنبھلی استاذ حدیث وفقہ وشیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ساتھ شریک تھا، تو اس وقت اسٹیج پر مولانا خالد صاحب سے ملاقات ہوئی -مگر حضرت قاری صاحب سے اس کے بعد کوئی ملاقات ہونا یاد نہیں۔

حضرت قاری صاحب اہل ودنیا کے دلوں میں بس گئے تھے

مگر ان کی عظمت اوران کی دینی خدمات اورادارہ کی ترقی کی بناپر وہ انشاءاللہ اہل دنیا کے دلوں میں بھی بطور یادگار ضرور رہیں گے، اوراہل دین ان کے لگائے ہوئے شجر مثمر کی بناپر ان کے اعمال صالحہ میں برکت اور درجات کی بلندی کے لیے ان کو اپنی دعاؤں میں ضرور یادرکھیں گے، اوران کے جامعہ سے فیض یافتگان پر تو اخلاقاً، شرعاً اوراستحساناً بھی ان کو روحانی ٹھنڈک پہنچانا اوران کے لیے دعائیں کرنا ایک فرض معلوم ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحب کا کارنامہ

پھر حضرت قاری صاحب نے جہاں اتنا بڑا تعلیمی ادارہ قائم کیا، اوراس کو پروان چڑھایا (جس کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں تاقیامت درج ہوتا رہے گا) وہیں اس کے ساتھ اپنے فرزند مولانا خالد سیف اللہ صاحب کو دینی تعلیم سے مزین کرنا اور روحانی

تربیت کرنا اور صحیح معنوں میں اپنا جانشین بنانا بھی ایک اہم کارنامہ ہے، جو ماشاءاللہ لائق وفائق، ایک اچھے استاذ اچھے منتظم ومہتمم اورصاحب کتب ہیں۔

حضرت قاری صاحب کی ولادت اور تعلیم وتربیت

حضرت قاری صاحب کی ولادت ۲۶/صفر المظفر ۱۳۴۸ھ مطابق ۱۳/اگست ۱۹۲۸ء دوشنبہ کے دن گنگوہ کے محلّہ سرائے میں ہوئی، جو اقطاب ثلاثہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی، شاہ ابوسعید گنگوہی اور امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا محلّہ ہے، آپ کے والد ماجد حافظ حبیب احمد صاحب بڑے نیک صالح، عابد وزاہد اور ولی صفت انسان تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم گنگوہ کے مشہور استاذ حافظ عبدالرحمٰن صاحب سے حاصل کی، تیرہ سال کی عمر میں ۱۳۶۱ھ میں مظاہر علوم سہارنپور میں داخلہ لیا، مگر تین ماہ سے پہلے ہی مظاہر سے وقتی طور پر جناب قاری عبدالخالق صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان کے مدرسہ تجوید القرآن محلّہ قاضی سہارنپور میں داخلہ لے لیا، اور تین سال کی قلیل مدت میں استاذ کے تمام لہجوں کو بخوبی حاصل کرلیا، اس کے بعد ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں دوبارہ مظاہر علوم میں داخلہ لیکر کافیہ کی جماعت میں شریک ہوگئے، اور مسلسل تین سال گزارے، اس کے بعد ۱۳۶۷ھ م ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور تین سال یہاں گزار کر سند فراغ حاصل کی، حضرت مدنی سے آپ کو خصوصی قرب رہا، اور حضرت قاری طیب صاحب کی خدمت میں عصر بعد حاضر ہوتے، اوران سے استفادہ کرتے، قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے سبعہ عشرہ کی تکمیل کی۔

سلوک وطریقت

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کے زیر سایہ ذکر وسلوک کے منازل طے کیے

،اس کے بعد حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے خلیفہ حضرت مولانا سید محمود حسن صاحب نے آپ کو خلافت و اجازت عطا فرمائی۔

گنگوہ کی نشاۃ ثانیہ

حضرت قاری صاحب کی پوری زندگی گنگوہ کی علمی و دینی حلقوں کی آبیاری کرنے، وہاں کی بجھی ہوئی شمع کو روشن کرنے اور فرسودہ علمی فضا کو ازسرنو جوان بنانے میں گزری ؛ کیونکہ گنگوہ میں علمی، دینی، اصلاحی اور ادبی فضاء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے مبارک زمانے تک رہی، مگر ۱۹۰۵ء میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کا بھی وصال ہوگیا، اس کے بعد الحاد و بے دینی نے گنگوہ کی سرزمین کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا تھا، لیکن اللہ تعالی کو کچھ اور ہی منظور تھا، اس لیے اسی مبارک سرزمین سے ایک ایسی ذات کو پیدا فرمادیا، جن کو شریف احمد کہا جاتا تھا اور جنھوں نے اسم بامسمّٰی ہونے کا حق ادا کردیا تھا۔

قاری صاحب کی بعض خصوصیات وصفات

قاری صاحب کے اندر غیر معمولی تواضع وانکساری، بے نظیر حلم و بردباری، اور ایک سچی انسانیت نمایاں تھی، خدمت خلق تو گویا آپ کی طبیعت کا خمیر تھا، بچپن ہی سے اپنے اساتذہ اور مشائخ کی خدمت کرنا اوران کو ہر طرح کا آرام پہنچانا آپ کا خاص مزاج رہا اوران حضرات اہل اللہ کی تربیت اور فیض صحبت سے آپکے اندر یہ وصف اس قدر ترقی کرگیا تھا کہ دوسروں کو نفع پہنچانے میں آپ کو اپنی صحت، اپنے آرام، اپنی جان اور اپنے وقت کی بھی کوئی پرواہ نہیں ہوتی تھی، اگرچہ آپ کو کتنی ہی تکلیفوں سے گزرنا پڑے، گویا زبان حال سے یوں کہتے:

میری زندگی یہی ہے کہ ہر اک کو فیض پہنچے
میں چراغ رہ گزر ہوں مجھے شوق سے جلاؤ

قاری صاحب نے ساری زندگی دین کی آبیار میں صرف کی

قاری صاحب نے اللہ کے دین کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا تھا، آپ کی پوری زندگی آخری سانس تک "جامعہ اشرف العلوم" کے کام آئی، اپنی جوانی کا لہو ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی کی ساری امنگیں اور جوش وولولے مدرسہ کی ترقی کی راہ میں نذر کردئے، چونکہ آپ کے دل میں ایک تڑپ تھی جس نے ان کو دن رات متحرک کررکھا تھا، جوانی، بڑھاپا، سفر وحضر، صحت و بیماری غرضیکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ مدرسہ اور مہمانان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے وقف کردیا تھا: ؎

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں، میں اسی لیے نمازی
میری زندگی کا حاصل ترے غم کی پاسداری
تیرے غم کی آبرو ہے مجھے ہر خوشی سے پیاری

حضرت قاری صاحب کی وفات

اس طرح ۷۷؍سال کی عمر تک آپ نے اس عالم فانی کو اپنی روحانی کرنوں سے منور فرمایا، اور ۱۴؍مئی ۲۰۰۵ء مطابق ۶؍ربیع الاول ۱۴۲۶ھ کو دار فناء سے دار بقاء کی طرف منتقل ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون، اور جامعہ اشرف العلوم میں دفنائے دئے گئے، گویا ان کا خمیر جہاں سے اٹھا تھا، وہاں کے ہی حوالے کردیا گیا۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

قاری صاحب بہترین منتظم و مدبر تھے

حضرت قاری صاحب کی بہت سی خصوصیات ہیں، مثلاً خدمت خلق آپ کی طبیعت ثانیہ تھی، رشتہ داروں، قرابت داروں کا خیال رکھنا، آپ کا مزاج تھا، احباب و دوستوں کی رعایت بھی آپ کے یہاں خوب پائی جاتی تھی، جود وسخاوت، ہمت و شجاعت، صبر وتحمل جیسی صفات حمیدہ سے آپ متصف تھے، غرضیکہ قاری صاحب بہترین منتظم، مدبر، مفکر، متقی، دیانت دار عالم دین تھے۔

قاری صاحب کے متعلق بعض محبین علماء کے تاثرات

مولانا نورعالم خلیل امینی لکھتے ہیں کہ ’’ان کی گفتگو میں بلا کی سنجیدگی، شائستگی اور جماؤ تھا، ان کی ہر حرکت وسکون میں نظم وضبط نمایاں تھا، ان کے گردوپیش کی ہر چیز صفائی وستھرائی اور نفاست پسندی کا اعلیٰ نمونہ تھی‘‘۔

مولانا ناظم صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ ’’ان میں زندگی سے ٹکرانے، برق وبار کا رخ پھیرنے، یم بہ یم موجوں کے سیلاب کو روکے رکھنے والے طوفانوں کا مقابلہ کرنے اور نت نئے چیلنجوں سے نبرد آزمائی کی بے پناہ صلاحیت تھی، راہ میں حائل بڑے بڑے سنگ گراں کو ہٹانے کا خوبصورت سلیقہ تھا، ان میں قوت ارادی، خوداعتمادی، عزم وحوصلہ، ہمت وپامردی، ثبات واستقلال، جوش وولولہ، بلند ہمتی، عالی حوصلگی، متانت وسنجیدگی، جرأت وبے باکی، حزم ومصلحت اندیشی، صبر وتوکل، تسلیم ورضا، خشیت وخوف اور وہ تمام صفات جو قیادت ومیر کارواں کے لیے ضروری ہوتی ہیں، حق تعالیٰ شانہ نے ان میں ودیعت فرمادی تھیں۔

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کیلئے

حضرت مولانا نثارالحق صاحب ندویؒ☆

ولادت: ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۸ء- وفات: ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۷ء

حضرت مفکر اسلام کی خدمت میں چالیس سال

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کے کاتب خاص مولانا نثارالحق صاحب ندوی انتہائی خلیق، ملنسار، شگفتہ دل، نرم خو، مرنجا مرنج طبیعت کے حامل انسان تھے، انہوں نے چونکہ حضرت مفکر اسلام کی خدمت میں تقریباً چالیس سال گزارے ہیں، اور ۴۰ر کے عدد کو تربیتی اور دعوتی ماحول میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے، اس لیے مولانا موصوف نے چالیس سال کی مدت میں مفکر اسلام سے کیا کچھ سیکھا ہوگا، جہان دیدہ، ربانی عالم، امام المسلمین، مفکر اسلام، مصنف یگانہ، مؤرخ کبیر، مجدد وقت کی کیا کیا خصوصیات انہوں نے اپنائی اور اخذ کی ہوں گی، اس کا اندازہ ہر صاحب خرد ودانش لگا سکتا ہے، مفکر اسلام نے ۱۳۸۰ھ کے بعد سے ۱۴۲۰ھ تک جتنی بھی کتابیں تصنیف کیں، سب کی کتابت اور مسودہ کو مبیضہ کی شکل دینا، سب مولانا موصوف کی سعادت ہے، اس پر مستزاد حضرت مفکر اسلام کی روزآنہ کی ڈاک جس کی تعداد کبھی کبھی چالیس پچاس تک ہوجاتی تھی، اس کو لکھنے کی سعادت بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی ہے، خاص مضامین، خاص خطوط اور خاص دستاویز حضرت مفکر اسلام آپ سے ہی لکھواتے تھے، بعض مرتبہ مولانا کے سفر پر ہونے کی وجہ سے خاص تحریروں کے سلسلہ میں حضرت مفکر اسلام کو مولانا کی آمد کا انتظار بھی کرنا پڑا ہے، اور پھر مولانا موصوف کی آمد پر وہ تحریریں لکھی گئیں،

☆ یہ مضمون مولانا کی وفات کے بعد ماہنامہ ’’نقوش اسلام‘‘ کے اپریل ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

حضرت مفکر اسلام کو آپ پر انتہائی اعتماد تھا اور آپ نے بھی اس اعتماد میں زندگی بھر کوئی کمی
نہیں آنے دی، بعض مرتبہ مخصوص تحریروں کے بارے میں بعض لوگوں نے مولانا موصوف
سے پوچھنا چاہا، مگر مولانا نے یہ کہہ کر پیچھا چھڑالیا کہ مجھ کو کچھ یاد نہیں رہتا، آپ چونکہ مفکر
اسلام کے ساتھ چالیس سال تک رہے، اس لیے آپ کی یہ بات مفکر اسلام کے سلسلے میں
سند کا درجہ رکھتی ہے، آپ فرماتے تھے کہ ''مفکر اسلام کا کوئی ثانی نہیں، نہ سیرت میں، نہ
صورت میں، نہ اخلاق وکردار میں، نہ علم وعمل میں'' جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی
روایت حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں نقل کی جاتی ہے، اس لیے کہ حضرت انس
رضی اللہ عنہ آپؐ کے خادم رہے ہیں۔

تعلیم وتربیت

مولانا موصوف نے ابتدائی تعلیم مدرسہ بدریہ نگرام لکھنؤ میں حاصل کی، اور اعلیٰ تعلیم
حاصل کرنے کے لیے آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تشریف لائے، یہاں آپ کی
تعلیم مکمل ہوئی، آپ کے بعض مشہور اساتذہ میں سے ندوہ کے سابق شیخ الحدیث حضرت
مولانا شاہ حلیم عطا سلونویؒ اور حضرت مولانا محمد ناظم ندویؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی
حسنی ندویؒ اور مفتی محمد سعید صاحب اعظمیؒ ہیں۔

ندوۃ العلماء میں درس وتدریس

مولانا کا درس وتدریس کا بھی مشغلہ رہا ہے، دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کے
لیے آپ کا تقرر ۱۶؍سال کی عمر میں علامہ سید سلیمان ندوی نے کیا تھا، دارالعلوم ندوۃ
العلماء لکھنؤ میں آپ کی تدریس دو مرحلوں میں ہوئی، ایک تو ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۰ء تک، پھر
دوبارہ ۱۹۶۱ء سے ۱۹۶۵ء تک، اس طرح تقریباً ۸؍سال تک آپ نے دارالعلوم میں درس

کے فرائض انجام دئے، اس زمانہ کے ابتدائی عربی درجات کے آپ کے شاگردوں میں
حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور حضرت
مولانا ڈاکٹر تقی الدین اعظمی ندوی قابل ذکر ہیں۔

سلوک وطریقت

مولانا نثار الحق صاحب ندوی نے سلوک وطریقت کے منازل بھی طے کئے، اس سلسلہ
میں انہوں نے سب سے پہلے اپنا ہاتھ حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ کے دست حق پرست
میں دیکر ان سے بیعت کی تھی، ان کی وفات کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب
رائے پوری سے بیعت کا تعلق قائم کیا، اور حضرت رائے پوری کی وفات کے بعد تو پھر
حضرت مفکر اسلام سے بیعت ہو کر بس انہیں کے ہو کر رہ گئے تھے، پھر حضرت مفکر اسلام کا
حکم ان کی خواہش اور ان کی چاہت ہی مولانا موصوف کی چاہت وخواہش ہوتی تھی۔

اجازت وخلافت

حضرت صوفی انعام اللہ صاحب لکھنؤ کے حضرت رائے پوریؒ کے ایک خلیفہ تھے،
انہوں نے صرف حضرت مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ کو اپنا اکلوتا خلیفہ
بنایا، مولانا حمزہ صاحب نے مولانا نثار الحق صاحب کو اجازت وخلافت عطا فرمائی تھی، حضرت
مفکر اسلام کی خدمت میں رہتے ہوئے انہوں نے عامۃ الناس کی بھی بڑی خدمت کی،
ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہنچایا، اپنی جھاڑ پھونک اور روحانی دولت کے ذریعہ خلق کثیر کو نفع
پہنچایا، چونکہ مفکر اسلام تو اپنے علمی اور اہم کاموں میں مشغول رہتے تھے، اس لیے تعویذ وغیرہ
کے سلسلہ میں آنے والے لوگوں کو مولانا ہی سیراب کرتے تھے اور مولانا کے تعویذ سے
فائدہ ہوتا تھا، اور اس سلسلہ میں ان کے خاص استاذ مولانا حبیب اللہ سلطان پوریؒ تھے۔

مولانا کے معمولات

تہجد کا مولانا کا ہمیشہ کا معمول رہا، کبھی ان کی تہجد نہیں چھوٹی، ہمیشہ صبح صادق سے ۲ر گھنٹہ قبل اٹھ جاتے تھے، اور اشراق تک معمولات میں مشغول رہتے تھے، ٹہل ٹہل کر اپنے معمولات پورے کرتے تھے، اس کے بعد ہمیشہ حدیث شریف خاص طور سے مشکوۃ شریف کا مطالعہ کرتے تھے، یہ مولانا کا روزانہ کا معمول تھا۔

مولانا موصوف رحمۃ اللہ علیہ خاندانی طور پر بھی ایک اعلی نسبت سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے تعلق رکھتے تھے، اس طرح سے آپ عثمانی بھی تھے، مولانا کی ولادت بہار کے ایک علاقہ سیوان میں ۱۹۲۸ء میں ہوئی، اس طرح آپ کی عمر تقریباً ۷۹ر سال ہوئی۔

مولانا کی وفات

مولانا کی وفات ۹ر ذی الحجہ ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰ر دسمبر ۲۰۰۷ء کو لکھنؤ میں ہوئی، اور تدفین ان کے شیخ کے وطن تکیہ کلاں رائے بریلی میں ہوئی، اللہ تعالی مولانا کی بال بال مغفرت فرمائے اور درجات کو بلند فرمائے اور اپنے اعلی علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے اور راقم کو اپنے سچے لوگوں کے ساتھ شامل فرمالے۔

تو جہاں میں اوج رفعت کی نشانی بن گیا
رشک کے قابل ہوا ہے تیرے مستقبل کا حال

حضرت سید شاہ انور حسین نفیس حسینی لاہوریؒ ☆

ولادت: ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء - وفات: ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۰۰۸ء

حضرت شاہ صاحب سے واقفیت

حضرت شاہ نفیس الحسینی اللہ کے مقبول بندوں میں سے ایک تھے، ان کا تذکرہ کب کانوں میں پڑا یہ تو صحیح یاد نہیں، شاید رائے پور کے زمانہ طالب علمی ہی میں ان کا نام سنا تھا، جب وہاں سے بزرگوں سے تعلق وخط وکتابت شروع ہوئی، رائے پور کا روحانی ماحول، وہاں کی دینی فضاء انسان کی زندگی میں عمل کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور اس میں مہمیز لگاتی ہے، وہاں حضرت شاہ صاحب کے متعلق کچھ معلومات ہوئی، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ میں مزید ان کی بزرگی وروحانیت کے بارے میں معلوم ہوا۔

حضرت شاہ صاحب سے ملاقات

جب راقم سطور ۲۰۰۰ء کے وسط میں پاکستان گیا، تو واپسی کے وقت لاہور میں کچھ وقت ٹھہرنا ہوا، احقر نے موقع کو غنیمت جانا اور حضرت شاہ صاحب کا نمبر حاصل کر کے فون کیا اور حضرت شاہ صاحب کی موجودگی معلوم کرنا چاہی، چنانچہ حضرت شاہ صاحب کی قیام گاہ پر حاضری ہوئی، اور حضرت شاہ صاحب سے ملاقات ہوئی، شاہ صاحب نے استقبال کیا، اور بڑے والہانہ انداز میں ملے۔

☆ یہ مضمون حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مئی ۲۰۰۸ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔

یہ مضمون حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے مئی ۲۰۰۸ء کے شمارے کے لیے تحریر کیا تھا، جو شائع ہوا۔

شاہ صاحب کی خدمت میں سکون وطمانینت حاصل ہوئی

راقم نے جب اپنا تعارف کرایا تو بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ ''آپ میں سے رائے پور اور رائے بریلی کی بو آ رہی ہے'' مجھے بھی انس ہوا؛ بلکہ انس ہی نہیں سکون وطمانینت بھی حاصل ہوئی، جو سکون راقم کو اپنے شیخ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں ملتا تھا اور حضرت کی وفات کے بعد جو سکون راقم کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحب مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت بابرکت میں ملتا تھا، وہی سکون نامہ سیاہ کو حضرت شاہ صاحب سے ملاقات کر کے ان کی صحبت بابرکت میں حاصل ہوا، اور طبیعت خوش ہوگئی، شاہ صاحب نے بڑا اکرام کیا اور کافی باتیں کیں، حضرت مفکر اسلام کا تذکرہ ہوا تو گویا ان کو لطف آنے لگا۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی کو مفکر اسلام سب سے پہلے آپ نے لکھا

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا جو لقب عام وخاص میں ''مفکر اسلام'' مشہور ہوا، یہ سب سے پہلے حضرت شاہ صاحب نے ہی حضرت مولانا کے لیے استعمال کیا تھا جیسا کہ اس کے متعلق حضرت شاہ صاحب نے خود فرمایا کہ ''حضرت مولانا نے جب اپنی کتاب ''کاروان ایمان وعزیمت'' (جس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے جانباز مجاہدین ورفقاء کار کے ایمان افروز حالات وواقعات ہیں) پاکستان میں چھپنے کے لیے بھیجی، تو اس کے ٹائٹل پر میں نے حضرت مولانا کے نام کے ساتھ سب سے پہلے ''مفکر

اسلام'' کا لقب استعمال کیا، کہ پھر اس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ مفکر اسلام کا نام آتے ہی فوراً ذہن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اس طرح کی حضرت شاہ صاحب نے بہت سی باتیں بتلائیں''۔

حضرت شاہ صاحب نے لاہور کے تاریخی مقامات دکھانے کا انتظام کیا

اپنے ساتھ دوپہر کا کھانا کھلایا اور اپنے ایک خادم اور ڈرائیور کو راقم کے ساتھ کیا اور لاہور کے خاص تاریخی مقامات کے دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے مزار پر حاضری ہوئی اور ایصال ثواب کیا، پھر علامہ اقبالؒ کے مزار پر حاضری ہوئی اور جامع مسجد لاہور دیکھی اور بھی کئی تاریخی جگہوں پر جانا ہوا، اس طرح حضرت شاہ صاحب کی شفقتوں اور محبتوں سے لطف واندوز ہونے کا موقع ملا، اور ان کی عزت وعظمت دل ودماغ میں بیٹھ گئی، پھر دوبارہ حضرت شاہ صاحب سے ملاقات مقدر نہ ہوسکی، یہاں تک کہ وہ ۱۴۲۸ ہجری مطابق ۵؍فروری ۲۰۰۸ء کو اپنے پروردگار کے حضور میں حاضر ہوگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت شاہ کی ولادت اور تعلیم وتربیت

حضرت شاہ صاحب کی ولادت باسعادت ۱۳؍ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۱؍مارچ ۱۹۳۳ء کو گوڑیالہ ضلع سیالکوٹ میں ہوئی، ابتدائی تعلیم قصبہ کے ہائی اسکول میں حاصل کی، لائل پور (موجودہ فیصل آباد) میں گورنمنٹ کالج سے انٹرمیڈیٹ کی ڈگری حاصل کی، فن خطاطی اپنے والد ماجد خطاط القرآن سید محمد اشرف علی سے حاصل کیا، ۱۹۴۸ء میں باقاعدہ فن کتابت کا آغاز کیا، ۲۳؍ستمبر ۱۹۵۱ء کو فیصل آباد سے کریم پارک لاہور میں منتقل ہوئے۔

اصلاح نفس کے لیے مرشد کامل کی تلاش

حضرت شاہ صاحب کا گھرانہ شروع ہی سے دین اسلام کی عالمگیر حقانیت اور اس کی روحانیت کا علمبردار رہا ہے، اس لیے حضرت شاہ صاحب بھی اس روحانی غذا کے متلاشی رہے، چونکہ آپ کے نانا حضرت عبدالغنی شاہ صاحب سلسلہ قادریہ نقشبندیہ کے صاحب کرامت شیخ تھے، اس لیے شاہ صاحب کی فطرت کا خمیر بھی شریعت، روحانیت، نفاست اور محبت کے عناصر اربعہ سے گوندھا گیا تھا، طبیعت فطرۃً تصوف کی طرف مائل تھی اور اللہ نے ذوق جمالیات کے ساتھ حساس ودردمند دل کی نعمت سے نوازا تھا، اس لیے مرشد کامل تک پہنچنے کے لیے اضطراب وتشنگی روز بروز بڑھتی ہی رہی، ایک جگہ آپ خود لکھتے ہیں ''کہ ادھر ایک عرصہ سے میرے دل کا یہ حال تھا کہ اندر ہی اندر خدا طلبی کی آگ سلگ رہی تھی، بزرگوں کے تذکرے اکثر میرے زیر مطالعہ رہتے تھے، اسی طرح اپنے اس ذوق کو تسکین دیتا رہا؛ لیکن یہ پیاس کتابوں سے کہاں بجھنے والی تھی، بلکہ یہ تو کسی ''پیر مغاں'' کے انتظار میں تھی جو صراحی دل سے کچھ اس طرح پلائے کہ ہونٹوں کو خبر تک نہ ہو اور پیمانہ قلب لبریز ہو جائے، آخر کار مشیت خداوندی نے مرشد المشائخ، قطب الارشاد، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت بابرکت میں پہنچا دیا۔ (بحوالہ برگ گل صفحہ ۳۸)

حضرت رائے پوری سے خلافت واجازت

حضرت رائے پوری کی پہلی زیارت ۱۳۷۵ھ مطابق ۱۹۵۶ء میں ہوئی، اپنے شیخ طریقت کے سایہ محبت وعاطفت میں ۵۶/ سے ۶۰/ تک رہے اور سلوک وطریقت کے مدارج طے کرتے رہے، حضرت رائے پوری نے آپ کو سلیم الفطرت باصلاحیت

وبا استعداد پا کر ایک سال کے عرصے ہی میں نعمت خلافت سے سرفراز فرما دیا، اس کے بعد حضرت شاہ صاحب برصغیر میں جادہ طریقت کے مرجع خلائق بن گئے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق نے آپ سے کسب فیض شروع کر دیا، اس طرح آپ کی شخصیت مقبول ہوتی چلی گئی۔

حضرت شاہ صاحب کی خصوصیات وامتیازات

مولانا عنایت اللہ وانی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب صرف مرجع خلائق، شیخ طریقت ہی نہیں بلکہ قدیم صالح وجدید نافع کے صحیح مصداق تھے، آپ نادر زمانہ خطاط بھی تھے، اور صاحب ذوق محقق ومؤلف بھی، نفاست پسند شاعر وادیب بھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت سے انتہائی درجہ کی محبت رکھنے والے بھی، مسلمانوں کے حالات کی خبر گیری، عالمی سیاست سے واقفیت کو شجر ممنوعہ نہیں سمجھتے تھے؛ بلکہ عالمی حالات پر نہایت گہری نظر رکھتے تھے، صاحب علم ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب سیف بھی تھے، جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اور شیخ طریقت کے طور پر جہاد اسلامی میں عملاً شریک بھی رہے، علمی وتحقیقی کام کا بھی نہایت عمدہ ذوق رکھتے تھے۔

حضرت شاہ صاحب کا حسن ذوق

حضرت شاہ صاحب بذات خود بہت سی کتابوں کے مؤلف بھی ہیں اور بہت سے نادر مخطوطات اور تصنیفات کو منظر عام پر لا کر علمی وتحقیقی دنیا کے لیے بہت سی نئی راہیں کھولنے والے بھی ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام اور شخصیت سے ایک خاص مناسبت رکھتے تھے، خانقاہ کو بھی ''خانقاہ سید احمد شہید'' کے نام سے موسوم کیا اور آپ ہی کے نام سے ایک مدرسہ ''مدرسہ سید احمد شہید'' کی بنیاد رکھی، یہاں تک کہ اپنی ذاتی لائبریری اور لاہور کے اپنے عظیم الشان مکتبہ کو بھی ''مکتبہ سید احمد شہید'' کے نام سے موسوم کیا، آپ نے جو کتابیں

تالیف کیں یا جن نادر کتابوں کو اپنی نگرانی میں شائع کروایا، ان سے آپ کے حسن ذوق، اہل بیت اور تحریک شہیدین سے عشق ومحبت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، شائع کردہ کتابوں کی تعداد تقریباً ۷۱ ہے۔

خانقاہی شخصیت ومزاج کے باوجود اپنی سرپرستی میں ایک ویب سائٹ بھی تیار کرائی، جس میں ان تمام کتب کا تعارف، خبریں اور اپنی اکیڈمی سے متعلق کاموں کی تفصیلات موجود ہیں، مندرجہ ذیل ویب سائٹ پر تمام تفصیلات دیکھی جاسکتی ہیں:

www.nafeeslibrary.com www.nafeeslibrary.org

حضرت شاہ صاحب میں اولیاء اللہ کی شگفتہ یادوں کا جہاں

حضرت شاہ صاحب سے متعلق مولانا تقی عثمانی لکھتے ہیں کہ "ہمارے محترم بزرگ جناب شاہ انور حسین نفیس الحسینی کو اللہ تعالی نے باغ وبہار طبیعت عطا فرمائی ہے، ان کے قلم سے پھول کھلتے ہیں اور زبان سے پھول جھڑتے ہیں، ان کی بے مثال خطاطی بلاشبہ سرمایہ افتخار ہے اور اس نے علم وادب کی قلمرو میں ہزارہا گلزار سجائے ہیں؛ لیکن ان کے قلب پرگداز میں اکابر اولیا اللہ کی شگفتہ یادوں کا جو جہاں آباد ہے، وہ ان کی خطاطی سے زیادہ حسین دلکش اور پربہار ہے"۔ (مقدمہ شعر الفراق صفحہ ۸)

حضرت شاہ صاحب اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک تھے، ان کے حالات، صفات وکمالات اور ان کی زندگی کے شب وروز اس بات کے غماز ہیں کہ وہ مرد مجاہد، موفق من اللہ، ستودہ صفات کے حامل انسان تھے، اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اپنے اعلی علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے اور راقم آثم کو اپنے پاک لوگوں میں شامل فرما کر اپنی مرضیات کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق وہمت عطا فرمائے۔

حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیریؒ☆

ولادت: ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۹ء - وفات: ۱۴۲۹ھ مطابق ۲۰۰۸ء

بلند پایہ خطیب اور عالم دین

مولانا انظر شاہ کشمیری علیہ الرحمہ دار العلوم دیوبند کے ممتاز ترین فضلاء میں سے تھے، وہ ایک علمی خانوادے کے چشم وچراغ، تفسیر وحدیث کے بلند پایہ استاذ، سلجھے ہوئے خطیب اور معروف عالم دین تھے، اللہ تعالی نے ان کو علم وفکر کے ساتھ ساتھ بلا کی ذکاوت وذہانت بھی عطا کی تھی، ان کے خطاب کا انداز نہایت ہی البیلا اور نرالا، گفتگو کا انداز نہایت ہی سنجیدہ اور متوازن تھا، ان کی عام باتوں سے بھی پھول ہی جھڑتے تھے، بلکہ عام باتیں کیا ہوتیں ان کی زندگی کے تجربات ہوتے جو پھولوں کی لڑی کی طرح مرتب اور مسحور کن ہوتے تھے، اور سننے والا ان سے لطف اندوز ہوتا تھا، فکر وتدبر کے گہرے سمندر کی طرف اپنے خیالات کو منتقل کرتا تھا اور سوچنے وغور کرنے کی نئی راہ اختیار کرتا تھا، تحریر ان کی شگفتہ، دلکش، جاذب نظر، علمی اور ادبی پہلو لئے ہوتی، پڑھنے والا لطف لیتا اور تحریر کی چاشنی اور لذت وحلاوت محسوس کرتا اور عش عش کرتا رہ جاتا۔

بچپن میں اکابرین کی شفقتیں

مولانا انظر شاہ کشمیری عالم اسلام کی مشہور ومعروف علمی شخصیت حضرت علامہ انور شاہ کشمیری علیہ الرحمہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے تھے، اپنے والد حضرت علامہ

☆ یہ مضمون مولانا کی وفات کے بعد ماہنامہ "نقوش اسلام" کے مئی ۲۰۰۸ء کے شمارے میں اداریہ کے طور پر شائع ہوا تھا۔

انورشاہ کشمیری کی وفات کے وقت ۱۹۳۲ء میں تقریباً ۴؍سال کے تھے، والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھنے پر جنوبی افریقہ کے میاں خاندان نے آپ کی پرورش وپرداخت میں اہم حصہ لیا اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ پر دست کرم رکھا، اور بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے سبھوں نے آپ کی طرف نگاہ کرم کرنا اپنے لیے سعادت مندی ونیک بختی کی بات سمجھا، اس طرح آپ کی تعلیم وتربیت بھی بڑے اچھے انداز سے ہوئی، اکابر علماء مثلاً شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب مولانا اعزاز علی اور حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب جیسے اساطین علم وادب کی آپ کو توجہات حاصل رہیں، جس کی بنا پر آپ اپنے والد کے سچے جانشین بن گئے۔

شاہ صاحب کا علمی سفر

مولانا انظر شاہ کشمیری نے فراغت کے بعد ۱۹۲۵ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں اپنے علمی سفر کو جاری رکھا اور تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرنے میں مشغول ہوگئے اور ابتدائی درجات سے لے کر انتہائی درجات تک عندلیبان چمن کو سیراب کرنے کا آپ کو موقع ملا، اس طرح تقریباً گزشتہ ۵۵؍سال سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے بعد وقف دارالعلوم میں تفسیر وحدیث کا درس دیتے رہے، شاہ صاحب تقریباً ۳۰؍سال سے مستقل بخاری شریف کا بھی درس دے رہے تھے، ان کے شاگردوں کی تعداد بھی ہزاروں ہے، جو دینی وملی خدمات میں مصروف ہیں، شاہ صاحب اس وقت علماء دیوبند کی فہرست میں سرکردہ اور ممتاز علماء میں بھاری بھرکم علمی شخصیت شمار ہوتے تھے۔

زندگی کی مصروفیات

مولانا انظر شاہ کشمیری نے اپنی خدمات کو صرف درس وتدریس تک ہی محدود نہیں رکھا

214

بلکہ انہوں نے تصنیف وتالیف کا میدان بھی اپنایا اور اس باب میں متعدد علمی، ادبی اور اہم وقیع تصانیف یادگار چھوڑیں، اس کے ساتھ دعوت وتبلیغ اور خطابت وصحافت کو بھی اختیار کیا، اس کے لیے دنیا کے بہت سے ملکوں میں سفر کئے اور اپنے البیلے اور خطیبانہ انداز سے ہزاروں کو اپنا گرویدہ اور عاشق زار بنالیا، صحافت میں حصہ لیا تو متعدد رسائل کی اپنی ادبی تحریروں سے وقعت اور اہمیت بڑھائی اور اخیر میں چند سال سے اپنا ایک رسالہ "محدث عصر" کے نام سے نکال کرامت وملک کے مسائل پر بے لاگ تبصرہ کیا اور اپنے قارئین کو نئی راہ دکھائی، سوچنے کا ایک انداز بھی دیا اور حقائق کو ملت کے سامنے پیش فرمایا، باقیات الصالحات میں اپنے لیے صدقہ جاریہ کے طور پر اور امت کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت کے لیے ایک ادارہ "معہد الانور" کے نام سے قائم کیا جو قدیم وجدید کے سنگم کے ساتھ روبہ عمل اور ترقی کی راہ پر گامزن ہے، اس کے ساتھ اپنی سیاسی بصیرت کی بنا پر وہ کانگریس اترپردیش کے نائب صدر کے عہدے پر بھی فائز رہے اور دوسرے کئی اہم ملی اداروں کے صدر و سرپرست بھی رہے۔

شاہ صاحب کی صحت اور وفات

شاہ صاحب زندگی بھر تندرست اور صحت مند رہے اور انہوں نے اپنی صحت کے لئے انتہائی احتیاط وپرہیز کا معاملہ کیا اور صحت کے اصولوں پر عمل کیا، اس لیے وہ روز آنہ فجر کے بعد ٹہلنے کے عادی تھے، موسم کوئی بھی ہو مگر ان کے نظام اور اصول میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، ایک عرصہ سے وہ بیمار تھے، ان کے جگر اور گردوں نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، اور وہ مالک حقیقی کی طرف سے بلاوے کے منتظر تھے، چنانچہ انھوں نے ۲۶؍اپریل کی صبح ۱۰؍بجکر ۲۰؍منٹ پر داعی اجل کو لبیک کہا اور اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہوگئے۔

جنازہ دیوبند لایا گیا، اور عشاء کی نماز کے بعد ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں مزار انور

میں اپنے والد محترم کے پہلو میں سپرد خاک کر دیئے گئے اور ملت اسلامیہ ہندیہ ہمیشہ ہمیش کے لیے ایک علمی چشمے سے محروم ہوگئی، اللہ تعالی امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں شاہ صاحب کی حاضری

راقم سطور نے -سن وتاریخ تو یاد نہیں- طالب علمی کے زمانہ میں مدرسہ عالیہ عرفانیہ لکھنؤ میں مولانا کا ایک بیان سنا، بیان کے بعد مولانا کے ساتھ مجلس میں بیٹھنے کا بھی اتفاق ہوا، اس کے بعد ۶ر دسمبر ۲۰۰۶ء میں مولانا کو اپنے ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں تشریف لانے کی دعوت بھی دی، چنانچہ مولانا اپنے ایک وفد کے ساتھ تشریف لائے اور جامعہ فاطمہ الزہراء للبنات میں ''جامع ترمذی'' کا افتتاح کرایا اور پرمغز خطاب کیا، اس کے بعد جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ میں حدیث کی ایک کتاب ''تہذیب الاخلاق'' کا افتتاح فرمایا اور جامع خطاب فرمایا، پھر کھانا کھا کر مندرجہ ذیل تأثرات لکھ کر تشریف لے گئے۔

شاہ صاحب کے مرکز سے متعلق تأثرات

آج مورخہ ۳ر ذی قعدہ ۱۴۲۶ھ کو مکرمی جناب مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ اللہ ناظم مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور کے زیر اہتمام ''جامعۃ فاطمۃ الزہراء للبنات'' اور ''جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ'' میں حاضری ہوئی، دونوں درسگاہوں میں حدیث شریف کے اسباق کے افتتاح کے موقع پر احقر نے حدیث، علم حدیث اور اس کی اہمیت وافادیت کے حوالے سے گفتگو کی۔

ماشاء اللہ دونوں ہی درسگاہوں کی عمارتیں سلیقہ کی ہیں، صفائی ستھرائی کا بھی عمدہ نظام

نظر آیا، بنات کی درس گاہ میں عالمیت تک کی تعلیم ہو رہی ہے، جب کہ لڑکوں کی درسگاہ میں عربی پنجم تک کی تعلیم کا نظم ہے، یہ دونوں درسگاہیں جواں سال فاضل عزیز مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی کے انتظام میں مصروف کار ہیں، حق تعالی دونوں درسگاہوں کو مقبولیت عامہ سے سرفراز کرے اور انہیں دنیا وآخرت دونوں جگہ بانیان واساتذہ، محبین وبہی خواہاں کے لیے سرخ روئی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

انظر شاہ کشمیری

ماہنامہ نقوش اسلام کی پہلی اشاعت پر شاہ صاحب کا پیغام

جب راقم نے مارچ ۲۰۰۶ء میں مرکز سے ایک موقر علمی رسالہ نکالنے کا عزم کیا تو شاہ صاحب سے رسالہ کے لیے پیغام لکھنے کی درخواست کی، چنانچہ شاہ صاحب نے ازراہ شفقت مندرجہ ذیل پیغام ارسال فرمایا:

عزیز القدر مولانا محمد مسعود عزیزی سلمہ اللہ تعالی

بنام ''نقوش اسلام'' دینی، علمی، ادبی، اصلاحی وفکری مجلّہ کا اجراء مبارک ہو

لاریب! حفاظت واشاعت اسلام کا ایک اہم ذریعہ رسائل وکتب کی ترتیب وتالیف اور نشر واشاعت ہے، اس وقت ہندوستان کے دینی وعلمی اداروں سے سیکڑوں رسائل شائع ہو رہے ہیں، ان اداروں کی تعریف وتعارف بھی، خدمت اسلام بھی، نسل نو کی تربیت وتیاری کا کام بھی، تاکہ اسلام کی علمی وتحریری وراثتیں نہ صرف زندہ بلکہ ''فی ثوب جدید'' کا مصداق ہو کر نئے فکر وذہن کے لیے حیات افزا اور روح افزا ثابت ہوں۔

خدا کا فضل ہے کہ آپ کا ادارہ روبہ ترقی ہے، تعلیمی وتربیتی معیار پر توجہ اولین ضرورت اور لازمی فریضہ، مگر جولانی قلم کہیں پھیکی پڑ گئی تو اسلام کے آفاقی پیغام سے بڑی حد تک دنیا بالخصوص اردو داں طبقہ محروم رہ جائے گا۔

لیکن یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ رسائل نکالنا وہ بھی صحت مند مضامین اور دینی وعلمی مقالات پر مشتمل، جوئے شیر لانے سے زیادہ مشکل کام ہے، آپ جواں سال ہیں، فعال محنتی اور باصلاحیت بھی پھر رسالہ کی پشت پر ایک مستحکم ادارہ بھی ہے، اس لیے امید کی جانی چاہئے کہ آپ کا رسالہ ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا نمایاں رسائل میں ایک منفرد مقام حاصل کرلے گا، راقم سطور دست بدعاء ہے کہ حق تعالی تمام تر اسباب ووسائل بہم پہنچائے اور رسالہ دن دوگنی رات چوگنی ترقیات کی منزلیں طے کرے۔ آمین!

انظر شاہ کشمیری

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوریؒ☆

ولادت: ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء - وفات: ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۰۱۰ء

تمہید

اللہ تعالی نے دنیا میں دینی تحریکوں، دینی اداروں اور انجمنوں کو اسلام کی اشاعت وحفاظت کا ذریعہ بنا رکھا ہے، اور یہ نظام قرن اول سے ہی چلا آرہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ اکثر ہر پیش رو اپنے سلف کا صحیح خلف نہیں ہو پاتا، اس لیے کہ جس قدر خیر القرون سے بعد اور دوری ہوتی جائے گی، اسی قدر امت کے رجال کار میں انحطاط اور تنزل ہوتا جائے گا، اور یہ بھی منشاء الٰہی کے مطابق ہے۔

دارالعلوم دیوبند ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل ہے، جس کی عظمت وعزت اور جس کا احترام وعقیدت ہر صحیح راسخ العقیدہ مومن کے دل میں ہے، یہ اور اس طرح کے ادارے اسلامی افکار ونظریات اور آسمانی تعلیمات وہدایات کی نشر واشاعت کے ہیڈ کوارٹر یا پاور ہاؤس ہوتے ہیں، اور چونکہ یہ بظاہر اسلام کی بقاء کے ضامن ہوتے ہیں، اس لیے جن کے ہاتھوں میں ان جیسے اداروں کی باگ ڈور ہوتی ہیں وہ خود بہت سعید، پاکباز، پاک طینت اور انسانیت کی کشتی کے ملاح اور اصطلاحی زبان میں وارثین انبیاء ہوتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند جس کی تاریخ درخشاں، جس کا ماضی شاندار، جس کا حال تابناک اور جس کا مستقبل مشرق وروشن ہے، اس کو اللہ تعالی نے ہر زمانے میں اچھا اہتمام کرنے والے، اس کی ذمہ داریوں کو نبھانے والے، اس کے کاموں کو چار چاند لگانیوالے، اس کے مشن کو آگے بڑھانے والے اور اس کے پیغام اور آواز کو چہار دانگ عالم میں پہنچانے

☆ یہ مضمون مولانا کی وفات کے بعد ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے جنوری ۲۰۱۰ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

والے نفوس قدسیہ اور اصحاب عزیمت افراد عطا فرمائے ہیں، جن کی عظمتوں اور جن کے تقدس کی قسمیں کھائی جاسکتی ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کی کشتی کے کامیاب ملاح

دارالعلوم دیوبند جس کے میر کارواں ومہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری اپنی اعلیٰ خصوصیات وصفات، اپنے اخلاق وکردار، اپنے انتظام وانصرام، اپنے حسن تدبیر وحسن تفکر اور اپنی بیدار مغزی اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے، انہوں نے دارالعلوم دیوبند کو چمکانے، اس کی تعمیر وترقی میں، اس کے پیغام ومشن کو عام کرنے میں، اس کے انتظام وانصرام کو بہتر کرنے میں جس اعلیٰ صلاحیت کا نمونہ پیش فرمایا ہے، یہ ناکارہ سمجھتا ہے کہ یہ سب منجاب اللہ، ان کے موفق من اللہ اور موہوب من اللہ ہونے کی دلیل ہے، بظاہر وہ نہ درس وتدریس کے آدمی تھے، نہ تقریر وتحریر کے، نہ تزکیہ واحسان کے، نہ مجلس ودیوان کے اور نہ اپنی ذات میں ایک انجمن کے، عوام تو عوام بعض دارالعلوم کے ملازمین بھی ان کو گونگا مہتمم کہتے تھے، مگر قربان جائیے مرغوب الرحمٰن کے مرغوبیت پر، محبوبیت پر، مرعوبیت پر، تدین پر، تقوی وطہارت پر، امانت ودیانت پر، صداقت وشجاعت پر جود وسخا پر، متانت وسنجیدگی پر، عظمت پر، تقدس پر، احترام پر اور ان کی اس مقبولیت پر کہ وہ ۲۸/سال دارالعلوم جیسے ہمہ گیر ادارے کے اہتمام پر فائز رہے اور بظاہر کچھ باصلاحیت نہ ہوکر بھی باصلاحیتوں کی کشتی کو پار لگانیوالے کامیاب ملاح قرار پائے۔

تعلیم وتربیت

حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب ۱۹۱۴ء میں بجنور کے ایک متمول اور رئیس خاندان میں پیدا ہوئے تھے، ابتدائی تعلیم انہوں نے بجنور کے مدرسہ رحیمیہ میں حاصل کی،

مگر اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور یہاں انہوں نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب امروہوی اور فقیہ الامت مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی جیسے سلاطین علم وادب سے علم حاصل کیا اور ۱۹۳۲ء میں دارالعلوم سے فراغت کے بعد کچھ وقت کے لیے تعلیمی انقطاع رہا، اس کے بعد انہوں نے پھر دارالعلوم کے شعبہ افتاء میں داخل ہوکر فقہ وافتاء میں تخصص کیا۔

دارالعلوم کا اہتمام

چونکہ وہ خاندانی اعتبار سے زمیندار اور رئیس تھے، اس لیے زیادہ تر وقت گھریلو کاموں میں صرف ہوا، ان کے والد حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوری دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، اور دارالعلوم سے ان کا خاندانی تعلق تھا، اس لیے ۱۹۶۲ء میں ان کو دارالعلوم کی شوری کا رکن منتخب کیا گیا، اور انہوں نے شوری میں اپنی پابندی سے حاضری، اور اپنے وقیع واہم مشورے اور اصابت رائے کی بناپر اپنی صلاحیت، اپنے فہم وتدبر، اپنے تقوی وورع اپنی بیدار مغزی وتیقظ اور کردار وعمل کا ایسا اثر چھوڑا کہ جب دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ضعیف ہوگئے تو ۱۹۸۱ء میں ان کو حضرت قاری صاحب کا معاون بنایا گیا، اس کے بعد ۱۹۸۲ء میں مجلس شوری نے مستقل آپ کو دارالعلوم کے اہتمام کے منصب پر فائز کردیا، جس پر آپ تادم واپسیں فائز رہے۔

آپ کے دور اہتمام میں دارالعلوم کی ترقی

دارالعلوم دیوبند نے آپ کے ۲۸/سالہ دور میں جو ترقی کی، وہ سب آپ کے نامہ اعمال میں ہے، اور دارالعلوم دیوبند کے ساتھ خود آپ کی زندگی کا ایک سنہرا باب ہے،

تعمیری اعتبار سے جو ترقی ہے وہ جدید عمارات کی شکل میں سب کے سامنے ہے، مثلاً شیخ الہند، شیخ الاسلام اور حکیم الامت جیسے اکابرین کی طرف منسوب عمارتیں، اور دارالعلوم کی پرشکوہ مسجد ''جامع رشید'' جو قابل دید ہے، لائبریری کی آٹھ منزلہ عظیم الشان عمارت کا سنگ بنیاد آپ کے دور میں رکھا گیا، دارجدید کی قدیم عمارت کی تجدید وتوسیع بھی آپ کے دور کا اہم کارنامہ ہے، آپ کے ابتدائی دور میں دارالعلوم کا سالانہ بجٹ ایک کروڑ سے بھی کم تھا، آج تیرہ چودہ کروڑ روپئے ہے۔

تعلیمی اعتبار سے جو ترقی ہے، اس میں بہت سے نئے شعبوں کا افتتاح اور قیام عمل میں آیا، نصاب تعلیم میں کسی قدر عصری تقاضوں کے پیش نظر ہم آہنگی کی گئی، شعبہ انگلش، شعبہ کمپیوٹر قائم ہوا، شیخ الہند اکیڈمی اور دیگر تخصصات کے شعبے آپ ہی کے دور اہتمام میں قائم ہوئے، ابتدائی درجات کی تعلیم کا نظام بہت ٹھوس اور مضبوط بنایا گیا، جس کے خاطر خواہ نتائج سامنے آئے، رابطہ مدارس اسلامیہ مستقل ایک شعبہ قائم کیا گیا، غرضیکہ آپ کے دور میں دارالعلوم نے ہر اعتبار سے ترقی کی راہیں اختیار کیں، اور دارالعلوم کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوا، آپ کے دور کی سب سے اہم خصوصیت یہ رہی کہ کوئی شورش برپا نہیں ہوئی، کوئی اسٹرائک نہیں ہوا۔

مہتمم صاحب کی خصوصیات

جن حالات میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو مہتمم بنایا گیا، وہ انتہائی خطرناک اور آزمائش کے حالات تھے، مگر جس جوانمردی، پامردی، اخلاص وتوکل او راعتماد علی اللہ کے ساتھ وہ اپنی ذمہ داریوں کو نبھاتے رہے، اس سے خود آپ کے اور دارالعلوم کے وقار میں اضافہ ہوا، آپ کی جہاں بہت ساری خصوصیات ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کبھی بھی دارالعلوم کو نقصان اور خسارہ آپ کی ذات سے نہیں پہنچا، کیونکہ

آپ نے دارالعلوم کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، جب آپ دارالعلوم کی شوریٰ کے رکن تھے، تو ہر شوریٰ واجلاس کے موقع پر اپنے اہل تعلق کے یہاں ٹھہرتے اور کھاتے، مہمان خانہ استعمال نہ کرتے، اور جب مہتمم بنائے گئے تب بھی دارالعلوم کا کوئی سامان اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا، یہاں تک کہ جس کمرہ میں قیام رہتا تھا، اس کا اور بجلی کا ماہ بماہ کرایہ دفتر محاسبی کو جمع کراتے تھے، مہتمم تو بہت اور ایک سے ایک ملیں گے، مگر ان صفات کا حامل شاید و باید، بس اللہ ہی جس کو نواز دے۔

مہتمم صاحب انتہائی زیرک، دوراندیش مفکر تھے

حضرت مولانا کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جس بات کو کہتے تھے پورے تیقظ واتقان کے ساتھ، پورے استقلال اور جوانمردی کے ساتھ، اس میں کوئی لچک نہیں ہوتی تھی، ہر معاملہ میں ان کی رائے اور احتیاط قابل تعریف ہوتی تھی، انٹرنیشنل ایشوز پر بھی ان کی باتیں میڈیا کے ذریعہ عوام تک پہنچتی رہتی تھیں، لیکن کبھی کسی نے ان کی بات پر انگلی نہیں اٹھائی، انہوں نے کسی کو تنقید کا موقع نہیں دیا، اس لیے کہ حالات حاضرہ کے مسائل پر ان کی نظر گہری تھی اور وہ انتہائی زیرک، دوراندیش، مدبر اور مفکر انسان تھے، غرضیکہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بہت سی خصوصیات کے حامل عالم دین تھے۔

مہتمم صاحب کی بیدار مغزی

ایک مرتبہ غالباً فروری ۲۰۰۷ء کی ۳ر یا ۴ر تاریخ میں جنوبی افریقہ کے ایک مہمان حاجی موسیٰ اسماعیل درسوت کے ساتھ دارالعلوم کے دفتر اہتمام میں حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کا موقع ملا، اتفاق سے اس وقت ایک غیر ملکی انگریز حضرت مہتمم صاحب سے سوالات کر کے انٹرویو لے رہا تھا، وہ پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ اس کے ہر سوال کا

جواب اطمینان بخش دے رہے تھے، اور جناب عادل صدیقی صاحب ترجمانی کررہے تھے، اس وقت اندازہ ہوا کہ لوگ حضرت مہتمم صاحب کو گونگا کہتے ہیں، یہ گونگے نہیں بلکہ یہ دارالعلوم کے بیدار مغز مدبر، مفکر اور دوراندیش مرشد ومربی ہیں۔

آپ رئیس العلماء والفقہاء تھے

ہم مانتے ہیں کہ وہ نہ لکھتے تھے، نہ تقریر کرتے تھے، مگر کتنے مصنفین، محدثین، مقررین، مفسرین، بحرالعلوم اور امام المعقولات والمنقولات ان سے روحانی طاقت وقوت اور اسپرٹ حاصل کرتے تھے، اس لیے کہ وہ دارالعلوم کے مہتمم تھے، دارالعلوم کے میر کارواں تھے، باقی جتنے تھے اور جس درجہ کے بھی ہوں، سب ان کے تابع تھے، اس لیے ان کو چاہے مہتمم دارالعلوم کہیں یا رئیس العلماء، ابو العلماء کہیں یا مشرف العلماء، یا امیر العلماء والمحدثین والفقہاء جو چاہیں کہہ سکتے ہیں، ان کے اندر جو صفات وخصوصیات تھیں وہ کم لوگوں میں ہوتی ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب کی وفات

مگر چونکہ اس دنیا کا ایک نظام ہے، جو یہاں آیا وہ جانے ہی کے لیے آیا ہے، اور جس نے یہاں کچھ کیا اس کی مزدوری اس کو آخرت میں ملنی ہے، اس لیے اسی راہ کو اختیار کرتے ہوئے حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے بھی یکم محرم ۱۴۳۲ھ مطابق ۸؍دسمبر ۲۰۱۰ء صبح کے وقت اپنے وطن بجنور میں سفر آخرت اختیار کرلیا، اور قمری ماہ وسال کے حساب سے تقریباً سو سال اور شمسی حساب سے چھیانوے سال اس عارضی وطن میں زندگی گزار کر چلے گئے، اور اسی دن شب میں دیوبند میں مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی، باقیات الصالحات میں علماء دیوبند اور دارالعلوم دیوبند

اور ہر اہل تعلق مسلمان کو چھوڑا۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کو غریق رحمت کرے، اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ کے ساتھ ان پاک روحوں کے ساتھ حشر فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مظاہری☆

ولادت: ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۹ء- وفات: ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

مولانا محمد اسلم صاحب کی زندگی جہد مسلسل کی تصویر تھی

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب مظاہری ایک بڑے عالم دین، قوم وملت کے ہمدرد، بلند پایہ مفکر اور زبردست خطیب، اعلیٰ قسم کے منتظم، مدبر، کامیاب مدرس اور سنجیدہ سوچ کے حامل مربی اور داعی تھے، ان کی زندگی جہد مسلسل کی تصویر تھی، وہ دین کی نشر واشاعت اور اس کے پھیلاؤ کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت مشغول رہتے تھے، ان کی زندگی میں جمود وتعطل اور ٹھہراؤ نہیں تھا، وہ ہمیشہ رواں دواں اور اپنے مشن وفکر کو عام کرنے میں کوشاں تھے، ان کے یہاں زندگی کے کسی موڑ پر، زندگی کی کسی منزل پر رکنا معمول میں نہیں تھا، مولانا علم وعمل کے بحر ناپیدا کنار تھے، وہ جب تقریر کرتے تھے تو ان کے منھ سے ہدایت کے پھول جھڑتے تھے، ان کا خطاب پر وقار باعظمت مرتب اور منظم ہوتا تھا، سادگی میں پھولوں کی لڑی کو الفاظ کا جامہ پہنا کر موتیوں سے ایسے سجاتے تھے کہ سامعین سنتے اور سر دھنتے تھے اور عش عش کرتے رہ جاتے تھے، مولانا کی ان اچھوتی اور البیلی تقریروں کی ۸/جلدیں ''خطبات اسلم'' کے اسلم کے نام سے چھپ چکی ہیں۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت

مولانا کی کتاب زندگی کا ورق ۲۱/دسمبر ۱۹۳۹ء میں ضلع سہارنپور کے ایک گاؤں مرزا

☆یہ مضمون ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے خصوصی نمبر بیاد ''مولانا محمد اسلم'' بابت جون ۲۰۱۲ء کیلئے اداریہ کے طور پر لکھا گیا تھا۔

پور میں کھلا، آپ کے والد ماجد جناب مولانا حکیم عبدالمجید صاحب تھے، جنہوں نے مخلوق خدا کی خدمت کو اپنی زندگی کا سب سے اہم مشن بنایا، اور اس میدان میں خدمت خلق کرکے ایک اہم فریضہ انجام دیا اور اپنے بیٹے کی تعلیم وتربیت کا بہترین نظم قائم کیا، چنانچہ مولانا نے گاؤں میں ابتدائی تعلیم حاصل کرکے جامعہ کاشف العلوم میں داخلہ لیا، یہاں کی تعلیم مکمل کرکے جامعہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور وہاں کبار اساتذہ سے خوشہ چینی کرکے تعلیم مکمل کی، اور ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں فراغت حاصل کی، اس کے بعد جامعہ کاشف العلوم میں درس وتدریس شروع کردیا۔

اکابرین کا آپ پر اعتماد

درس وتدریس کے ساتھ آپ کا اکابر اہل اللہ سے بھی گہرا رابطہ اور تعلق رہا، اور اصلاح وتربیت کا سلسلہ بھی شروع کردیا، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب خلیفہ حضرت تھانوی وسابق ناظم مظاہر علوم سہارنپور فرماتے تھے کہ ''تم بیٹے بھی ہو اور پوتے بھی ہو'' اس طرح آپ کے حسن انتظام اور کارکردگی کو دیکھتے ہوئے جامعہ کاشف العلوم کے سابق مہتمم حضرت مولانا شریف احمد صاحب نے فرمایا کہ ''ملاجی قریب لگو، کام سیکھو، سلف جاتے ہیں خلف آتے ہیں'' یہ اکابر کا آخری درجہ کا اعتماد ہے، جو آپ پر کیا گیا ہے، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ نے آپ کو بیٹا اور پوتا بنا کر محبت اور تعلق کے سلسلہ میں تمام ظاہری حدود ختم کردئے اور اقربیت کے اعلیٰ مقام پر پہنچنے کی سند آپ کو دی، اور حضرت مولانا شریف صاحب کے ارشاد گرامی سے آپ کی دوررس نگاہوں کا انتخاب بہت ہی قابل صد افتخار اور لائق حیرت واستعجاب ہے کہ انہوں نے قریب کرکے بتلانا چاہا کہ ہمارے جانے کا وقت قریب ہے، اب تم ہی اس ناؤ کے ملاح قرار پاؤگے، حضرت مولانا اسلم صاحب اپنے بڑوں کے اس اعتماد پر صد فیصد کھرے اترے، بلکہ ان کی توقعات سے کچھ زیادہ ہی کرد کھایا۔

جامعہ کاشف العلوم کے مہتمم منتخب

چنانچہ حضرت مولانا شریف صاحب کے انتقال کے بعد آپ جامعہ کے مہتمم بنائے گئے اور تادم واپسیں آپ نے جامعہ کو تعلیمی اعتبار سے، تعمیری اعتبار سے، رقبہ کے اعتبار سے اور میدان کار کے اعتبار سے ہر طرح سے ترقی دی، اور اس کو ایک ممتاز تعلیمی ادارہ بنادیا، چونکہ آپ نے جامعہ کی ذمہ داری کے ساتھ سلوک وطریقت کے منازل بھی حضرت مفتی مظفر حسین صاحبؒ کے زیر سایہ طے کئے، اس لئے دور اندیش مرشد نے آپ کے باطن کی تکمیل کے بعد آپ کو خرقہ خلافت سے بھی نوازا، گویا کہ اللہ تعالی نے آپ کی ذات کو علم ظاہر کے ساتھ علم باطن کی دولت گرانمایہ سے بھی سرفراز فرمادیا اور آپ نے ہر دولائن سے خدمت خلق کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اس طرح آپ نے روحانی مریضوں کی بھی شفایابی کی کوشش کی اور اس کے لئے مستقل روزانہ عصر کے بعد اصلاحی مجلس قائم ہوا کرتی تھی، جس میں بزرگوں کے ملفوظات وغیرہ ہوا کرتے تھے، یہاں تک کہ جس روز وصال ہوا اس روز بھی آپ نے اپنی مجلس سجا رکھی تھی کہ اسی درمیان عارضہ لاحق ہوا کہ پھر جانبر نہ ہو سکے۔

آپ کی متعدد خصوصیات

حضرت مولانا محمد اسلم صاحب کو اللہ تعالی نے متعدد خصوصیات سے نوازا تھا، ان کے اندر تواضع وانکساری، سادگی وبے تکلفی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور ہر آدمی کے ساتھ ایسے ہی بے تکلفی اور سادگی سے پیش آتے تھے، جس کی وجہ سے مہمان نوازی کی صفت خود بخود ابھر کر سامنے آجاتی تھی اور وہ ہر آنے والے کے لئے جلدی سے چائے منگاتے اور اگر کھانے کا وقت ہوتا تو سامنے ہوٹل سے کھانا منگا کر پیش کرتے، یہ رویہ ان کا اہل

تعلق اور اجنبی سبھی کے ساتھ تھا، اپنے خوردوں کے ساتھ بھی اسی انداز سے پیش آتے تھے، مدرسین کا بھی خیال کرتے تھے، طلبہ کے لئے بھی شفقت کا برتاؤ کرتے تھے، راقم سطور کو بھی ان سے کئی مرتبہ ملاقات کا موقع ملا ہے، طالب علمی کے زمانے میں بھی اور بعد میں بھی، طالب علمی کے زمانہ میں چھٹمل پور سے گزرتے ہوئے جامعہ میں حاضری ہوئی تو مولانا نے شفقتوں سے نوازا، ایک مرتبہ ۱۰رمحرم ۱۴۱۷ھ میں راقم حاضر ہوا، اپنی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' جو اسی وقت چھپ کر آئی تھی پیش کی، مولانا خوش ہوئے اور اپنی کتاب ''خطبات اسلم'' کی پہلی جلد جو نئی نئی چھپی تھی، پیش کی، کئی مرتبہ ان کے خطبات سننے کا بھی موقع ملا، ماشاء اللہ کیا زبردست خطابت تھی، آواز ٹاٹن تھی، جس میں کوئی جھول لچک اور کھڑکھڑاہٹ بالکل محسوس نہیں ہوتی تھی، معلوم ہوتا کہ کوئی شعلہ بیانی کررہا ہے، جو پھول بن کر گررہے ہیں، متانت اور سنجیدگی اور وقار کے ساتھ زبان سے موتی بکھیرتے تھے اور ایک سماں بندھ جاتا تھا، سامعین اس کے گواہ ہونگے۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی میں حاضری

فراغت کے بعد ۳۱/مارچ ۲۰۰۱ء میں راقم نے اپنے یہاں مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے سنگ بنیاد کی تقریب کی، جس میں مولانا کو مدعو کیا تھا، مولانا بروقت بلاتکلف حاضر ہوگئے، یہ ان کی اپنے چھوٹوں پر شفقت کی انتہائی اور اعلی مثال تھی۔

اہل تعلق اور چھوٹوں کے ساتھ مولانا کا رویہ

ہمارے دوست مولانا رسال الدین حقانی جو مولانا کے خصوصی خادم اور اہل تعلق رہے ہیں، انہوں نے بتلایا کہ مولانا صرف مہتمم نہیں تھے، بلکہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ان کی ضرورتوں میں بھی کام آتے تھے اور اپنے اہل تعلق کو رقموں سے بھی نوازتے تھے اور اس کا

بل بنام محمد اسلم بناتے تھے، کوئی مدرس یا اہل تعلق حج پر جاتا، اس کے احوال معلوم کرتے اوراس کی اہلیہ کے بارے میں معلوم کرتے، یہاں تک کہ اس کو پچاس ہزارروپیہ دیتے کہ اپنی اہلیہ کو بھی لے جاؤ، مزید انہوں نے بتلایا کہ مجھ کو رقم کی ضرورت پڑی تو حضرت نے دوماہ کے لئے ساٹھ ہزارروپئے دیدیئے اور پھر میں نے دوسال میں ادا کئے مزید انہوں نے بتلایا کہ میں مولانا کے ساتھ ممبئی گیا تو مولانا سمندر کے کنارے پر مجھے گھمانے کے لئے لے گئے، میرے لئے ٹکٹ خرید کر مجھ کو دیا کہ لوگھوم کر آؤ اور خود تسبیح لے کر اللہ! اللہ کرنے بیٹھ گئے، واقعی کیا شفقت کی باتیں ہیں۔

مولانا اسم بامسمیٰ تھے

ہمارے ساتھی مولانا عزیز اللہ نے بیان کیا کہ ہماری والدہ کی طبیعت خراب تھی خود گاڑی لے کر ہمارے ساتھ میرٹھ گئے اور ڈاکٹروں سے مشورہ ملاقات اور ہاسپٹلوں کی چھان بین میں ساتھ رہے، کون ہے جو اس مشینری اور مشغولیت کے دور میں کسی کے دکھ درد میں کام آوے، یہ صرف مولانا موصوف کی ہی ذات ہے جس کو اللہ نے "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" کے مادے سے اسم تفضیل کے طور پر اسلم بنایا تھا، جو خود اسم بامسمیٰ اور دوسروں کے لئے امن کا پیامبر تھا، مولانا کی خصوصیات اور صفات کو اس مختصر سی تحریر میں پیش کرنا بڑا مشکل کام ہے، بس مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، اور مؤید من اللہ تھے، اور جتنا وقت اپنے رب کی طرف سے لے کر آئے تھے اس کو پوری دلجمعی اور انہماک کے ساتھ دینی کاموں میں مشغول رکھا، اور اللہ کے دین کی سربلندی میں لگ کر پوری زندگی مشغول رہ کر آخر وہیں پہنچے جہاں کی ہر مومن کو تمنا ہوتی ہے، چنانچہ یکم اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ۸/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ بروز اتوار عصر بعد مجلس اصلاح قائم کئے ہوئے تھے، اسی وقت بی پی ہائی ہوا، اور مرض وفات شروع

ہوگیا، یہاں تک کہ رات میں ۱۱/بجکر ۳۵/منٹ پر جاں بحق ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون

آپ کے انتقال کی اطلاع

صبح فجر کے وقت ۵:۲۴ پر مولانا حبیب اللہ قاسمی کا فون آیا کہ رات میں حضرت مولانا اسلم صاحب کا انتقال ہوگیا، اور نماز جنازہ ایک بجے ہے، چنانچہ ایک بجے آپ کے بیٹے مولانا محمد آصف ندوی کی قیادت میں نماز جنازہ ہوئی، لوگوں کا ایک جم غفیر تھا، ایک صاحب کے اندازے کے مطابق دس ہزار سے زیادہ آدمی تھے، تمام مدارس کے ذمہ داران، اساتذہ طلبہ اور عوام کی بھاری تعداد موجود تھی، جس کو بذریعہ مائک کنٹرول کیا جارہا تھا، اور ہدایات کی جارہی تھیں، اس طرح حضرت مولانا اسلم صاحب ہمیشہ ہمیش کیلئے اپنے چاہنے والوں سے جدا ہوگئے، اللہ تعالی مولانا کو غریق رحمت کرے۔

حضرت الحاج حافظ محمد یامین صاحبؒ ☆

ولادت: ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء - وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۲ء

بزرگان دین نے ملت اسلامیہ کی ضرورتوں کو محسوس کیا

اللہ تعالیٰ کا ایک نظام ہے کہ اس نے ہر زمانے میں اور ہر جگہ ایسے نفوس قدسیہ، اصحاب قلوب، مقبولین بارگاہ الٰہی، ناشرین رشد وہدایت، مصلحین، متقین، ذاکرین، عابدین اور زاہدین پیدا فرمائے ہیں، جنہوں نے وقت کی نزاکت کو سمجھا، حالات حاضرہ کے تقاضوں کو دیکھا، ملت اسلامیہ کی ضرورتوں کو محسوس کیا، اور انسانیت کی ڈانواڈول کشتی کو ہمیشہ کنارے پر لگانے کی کوشش کی، بلا لحاظ مذہب وملت پوری انسانیت کا درد اپنے اندر سمالیا، اور پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھا، ایک اللہ کی طرف دعوت دی، بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی امکانی حد تک کوشش کی، اور اس سلسلہ میں ان کو موسم کا نشیب وفراز، حالات کا زیر وبم اور ماحول کا کوئی اثر متاثر نہ کرسکا، وہ اپنی دھن، اپنی لگن اور جدوجہد میں اس طرح مصروف رہے جیسا کہ ان کی زندگی کا یہ اہم فریضہ اور وظیفہ ہو، جس کو انہوں نے اپنے ذمہ لازم سمجھ لیا تھا۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی جناب حضرت الحاج حافظ محمد یامین صاحب کی شخصیت ہے، جنہوں نے اپنے اوصاف کریمانہ، اخلاق فاضلانہ، صفات عالیہ، حالات

☆ یہ مضمون حضرت حافظ صاحب کے فرزند کی فرمائش پر تحریر کیا گیا تھا، جنہوں نے حضرت حافظ صاحب پر مستقل کتاب تیار کی ہے۔

رفیعہ، افکار عظیمہ، انداز دلبرانہ، کردار قاہرانہ اور اقوال عارفانہ سے نہ جانے کتنے خوابیدہ دلوں کو بیدار کیا، کتنے گم گشتہ راہ کو منزل کا پتہ بتلایا اور کتنے دکھے دلوں کو سہارا دیا اور اپنی آہ سحر گاہی، نالہ نیم شبی، فکر مندی سے کتنے قلوب کو منور اور روشن کیا۔

حافظ صاحب کی ولادت اور والد ماجد

اس بابرکت اور ہر دلعزیز شخصیت کی ولادت موضع چھاپور ضلع ہریدوار میں میاں جی بشیر احمد صاحب کے گھر میں ۱۲؍ربیع الاول ۱۳۶۹ہجری مطابق یکم جنوری ۱۹۵۰ء میں ہوئی، آپ کے والد ماجد نے امامت کے فرائض انجام دئے، جن کی طبیعت میں نیکی اور صلاح اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کا جذبہ اور ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرنے کا ولولہ اور ذوق تھا، اور آپ واقعی اپنے اسم بامسمیٰ ہونے کی بنا پر اچھائیوں کی بشارت دینے والے اور خیر خواہ انسان شمار ہوتے تھے، آپ کی ان خصوصیات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا نیک اور صالح فرزند عطا کیا جس نے اپنی گونا گوں خصوصیات وکمالات کی بنا پر بہت سے نفوس کے قلوب کو جیت لیا اور بہت سوں کے لئے آپ کی زندگی مشعل راہ بن گئی۔

تعلیم وتربیت اور امامت کے فرائض

اس محبوب ومقبول شخصیت نے ابتدائی تعلیم مدرسہ جامع العلوم چولی میں حاصل کی، اور حفظ قرآن شریف اور تعلیم کی تکمیل شیخ پورہ قدیم کے مدرسہ میں کی، اور وہیں سے فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد چاند پور کی مسجد میں تقریباً ۶؍سال امامت کی، اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں ڈھالہ چورہ تشریف لائے، اور ایک طویل عرصے تک یہاں کی مسجد میں امامت کے فرائض بحسن وخوبی انجام دئے۔

بیعت وسلوک اور اجازت وخلافت

اسی زمانے میں علاقہ کے معروف بزرگ عارف باللہ حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب نانکوی سے وابستہ ہوگئے، اور سلوک وطریقت کے منازل ان کی سرپرستی میں طے کئے، عارف شیخ نے جب آپ کے سلوک کی تکمیل کو محسوس کیا تو ۱۴۱۶ھ میں خرقہ خلافت سے نوازا، اور بندگان خدا کی اصلاح وہدایت کے عظیم الشان کام پر مامور فرمایا، جس پر آپ تادم واپسیں کاربند رہے، اور نہ معلوم کتنے لوگوں کی اصلاح وہدایت کا فریضہ انجام دیا، اور لوگوں کو اللہ کا راستہ دکھایا۔

ایک ادارے کا قیام

پھر نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے لئے ایک دینی ادارے کے قیام کا ارادہ کیا اور ۱۹۹۵ء میں مدرسہ نافع العلوم کے نام سے ڈھالہ چورہ میں ایک دینی ادارے کی داغ بیل ڈالدی، جہاں چار کمرے تھے، پھر ۲۰۰۲ء میں لب سڑک پر چار بیگہ اراضی خریدی، جس پر مدرسہ کی نئی عمارت تعمیر کی، جو ۱۷ کمروں پر مشتمل ہے، دو درس گاہ بھی الگ سے بنائی، دومنزلہ مسجد بنائی، جو علاقہ کی جامع مسجد شمار ہوتی ہے، تعلیم حفظ وناظرہ کی ہے، جس میں سینکڑوں طلبہ مقیم رہ کر دینی وعصری تعلیم حاصل کرتے ہیں، اس طرح گویا صدقہ جاریہ کے طور پر جہاں آپ نے عوام کی اصلاح وتربیت کے سلسلہ میں اپنی جدوجہد کو جاری رکھا، وہیں نسل نو کی تعلیم وتربیت اور ان میں دینی بقا کے لئے ایک دینی ادارے کا قیام بھی کیا، اور زندگی بھر دینی مشن میں اپنے آپ کو مصروف رکھا۔

علالت اور وفات

یہاں تک کہ رمضان ۱۴۳۴ھ میں طبیعت ناساز ہوگئی، علاج ومعالجہ کا کام بھی خوب

ہوا، مگر: ؎

الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا

بالآخر ۴ر شوال ۱۴۳۴ھ کو رات میں ۱۱ر بجے واصل بحق ہوگئے، نماز جنازہ آپ خلف الرشید جناب قاری محمد ارشاد صاحب نے پڑھائی، اور تدفین عمل میں آئی، پسماندگان میں ہزاروں مریدین اور طلبہ کے ساتھ چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں چھوڑیں، اللہ تعالیٰ سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور حضرت حافظ صاحب کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حافظ صاحب کی بعض خصوصیات

حضرت حافظ صاحب اپنی بلند صفات، اعلی اخلاق، عظیم کردار، ملنساری، عاجزی وانکساری اور تواضع جیسی صفات حمیدہ کی بنا پر ایک ایسا خلا چھوڑ گئے جس کا پورا ہونا آسان نہیں، مگر اللہ کا یہ ایسا نظام ہے کہ جو اس دنیا میں آیا اس کو ایک نہ ایک دن اپنے رب سے انعامات حاصل کرنے کیلئے سفر آخرت اختیار کرنا پڑتا ہے، چنانچہ آپ نے بھی یہی راہ اختیار کی، فرشتوں نے آپ کا استقبال اس طرح کیا ہوگا "یٰاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ" افسوس کہ ایسی اہم روحانی شخصیت سے ملاقات واستفادہ کا موقع نہ مل سکا، یہ سطور لکھ کر حضرت حافظ صاحب کی خدمت میں ادنی سا خراج عقیدت پیش کیا جارہا ہے کہ شاید یہ روحانی ملاقات کے قائم مقام ہوسکے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور، اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا ☆

ولادت: ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء - وفات: ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰۱۲ء

سرزمین کفرستان پر ایک شمع فروزاں

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا اللہ کے ایک باتوفیق بندے، خاموش طبیعت داعی، سرزمین کفرستان پر ایک شمع فروزاں، مینارہ نور، منبع علم دین اور ناشر رشد وہدایت تھے، انہوں نے بچپن سے ہی تعلیم وتربیت کی طرف توجہ دی، اور ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی علوم کی تحقیق اور تحصیل کے لئے وقت کی مشہور شخصیت قطب عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب کاندھلوی کی خدمت بابرکت میں حاضری دی، جن سے پہلے علم حدیث کی دولت حاصل کی، جو گویا کہ باطنی علوم کی تحصیل اور تکمیل کے لئے تمہید تھی۔

حضرت شیخ کے یہاں آپ کا مقام

اس طرح حضرت شیخ کے یہاں ایک عام شاگرد سے خاص شاگرد اور ایک عام کاتب سے خاص کاتب اور خاص خادم کا مقام حاصل کرلیا، پھر سلوک وطریقت کا راستہ بھی بحسن وخوبی طے کرلیا، جس سے حضرت شیخ نے اہتمام سے آپ کو مجاز بیعت بنالیا اور خرقہ خلافت سے سرفراز فرمایا، یوں راہ سلوک میں بھی اقرب اور اخص ہونے کا مقام حاصل کرلیا، یہاں تک کہ حضرت شیخ کو آپ سے راحت محسوس ہونے لگی، جس کا اظہار حضرت شیخ نے اس طرح فرمایا کہ ''عبدالرحیم تجھ سے روحانی راحت ملتی ہے''۔

☆ یہ مضمون ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے خصوصی شمارہ بیاد مولانا عبدالرحیم متالا کے لئے اداریہ کے طور پر لکھا تھا، جو ان کی سوانح نقوش حیات میں بھی شامل ہے، اب یہاں کتاب کا جزء بنایا جارہا ہے۔

سلوک وطریقت کی تکمیل

اقربیت کے مقام کے بعد ظاہر ہے پھر آزمائش بھی آتی ہے، اور فرض منصبی کو ادا کرنے کے لئے صحابہ کی سنت بھی ادا کرنی پڑتی ہے، کہ صحابہ کرام کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا انس ومحبت اور تعلق تھا، کائنات کے کسی انسان کو اتنا نہیں ہوسکتا، مگر اس خاص اور گہرے تعلق کی کسوٹی آزمائش ہوتی ہے، اسی لئے صحابہ کرام نے مکہ کی طرح مدینہ کو بھی چھوڑا، اور اشاعت دین کے لئے دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچ گئے، اور یہ دعوتی عمل اور دور دراز کے سفر حضور کے زمانے ہی میں شروع ہوگئے تھے، اسی طرح حضرت شیخ نے بھی جب دیکھ لیا، کہ عبدالرحیم نے سلوک کے منازل طے کرلئے ہیں۔

زامبیا میں دین کی شمع روشن کرنیکا حکم

تو آزمائش کی بھٹی میں ڈالنے کے لئے حکم ہوا اور فرض منصبی کو ادا کرنے کا ارشاد ہوا کہ زامبیا کے لق ودق ویرانے میں جاکر دین کی شمع روشن کرو، سیاہ فام لوگوں کو جاکر دین مبین کی دعوت دو، اور ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرو، اور جہالت وتاریکی کے ملک میں علم کی روشنی کے دیپ جلاؤ، چونکہ حضرت عبدالرحیم نے ''کلمیت فی ید الغسال'' کا پاٹھ پڑھ لیا تھا، اس لئے زامبیا کے ایک غیر ترقی یافتہ دور افتادہ علاقے چپاٹا میں پہنچ کر ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھ دی، اور معہد الرشید الاسلامی اس کا نام رکھا، اس طرح حضرت شیخ نے مولانا عبدالرحیم کو افریقہ کی سرزمین زامبیا کے لئے منتخب فرمایا، اور ان کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا یوسف متالا صاحب کو برطانیہ کی سرزمین پر علم کی شمع روشن کرنے کے لئے مقرر فرمایا، اور دونوں کو ایک خاص رقم بھی عنایت فرمائی، اور دونوں کے اداروں کو اپنے قدوم میمنت سے بھی مشرف فرمایا۔

مولانا نے اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت چیپاٹا کے جھاڑ جھنکار صاف کرنے میں لگادی

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نے اپنی علمی قابلیت وصلاحیت کے باوجود حضرت شیخ کے حکم پر ایسے بیابان جنگل میں جانے کو پسند کیا، اور اپنی اعلیٰ علمی صلاحیت کو وہاں کے جھاڑ جھنکار کو صاف کرنے میں ختم کردیا، اور ایسا شجرہ طیبہ لگایا کہ ”اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ“ کا منظر محسوس ہونے لگا، مولانا نے جس دور میں وہاں جاکر کام شروع کیا، وہ انتہائی پرخار تھا بلکہ ایک چٹیل میدان تھا، جہاں پر ہر طرف سیاہی، تاریکی اور جہالت کے بادل منڈلا رہے تھے، اور پڑھے لکھے علمی آدمی کا جی لگنا بہت دشوار تھا، مگر اس ہمت کے جیالے نے یہ سب اللہ کی خوشنودی اور اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں برداشت کیا اور اخیر زندگی تک شیخ کے حکم کو نبھادیا، اور وہیں کی خاک میں آسودہ ہوگئے۔

مولانا کے ادارے کا افریقہ میں فیض

اس طرح بفضل خدا وہاں جو تعلیمی کام شروع کیا تھا، اس کا فیض افریقہ کے بہت سے ملکوں خاص طور سے زامبیا اور اس کے آس پاس کے ملکوں میں خوب پھیلا ہوا ہے، مولانا نے سیاہ فام نسل کے طلبہ کو جہاں دین اور علم دین سکھایا، قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم دی، وہیں ان کو اردو زبان بھی سکھائی، جو اس وقت برصغیر ہندوپاک ہی کی نہیں بلکہ دنیا میں عربی، انگریزی کے ساتھ تیسرے نمبر کی زیادہ بولی جانے والی زبان ہے اور عربی کے بعد جس میں دین کا سب سے زیادہ سرمایہ موجود ہے۔

مولانا کی پیدائش اور آبائی وطن وخاندانی حالات

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کی پیدائش یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۴ رمئی

۱۹۴۴ء بروز بدھ موضع ورٹھی میں ہوئی، آپ کے آبائی وطن، خاندان اور ابتدائی حالات سے متعلق آپ کے چھوٹے بھائی مولانا یوسف صاحب متالا تحریر فرماتے ہیں کہ ”ہمارا خاندان ورٹھی ضلع سورت میں صدیوں سے مقیم ہے، اور زراعت پیشہ ہے، مگر ہمارے دادا محترم اور والد صاحب نے زمین بٹائی پر دے کر تجارت کا پیشہ اختیار کیا، اور دادا مرحوم نے جنوبی افریقہ کا سفر کیا، کئی سال وہاں مقیم رہے، اور عرصہ دراز کے بعد وطن واپس لوٹے اور چند روز بعد ہی ورٹھی میں انتقال فرمایا، دادا صاحب نے اکلوتے بیٹے کو اولاد میں پیچھے چھوڑا، والد صاحب نے اپنی والدہ کی آغوش تربیت میں یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور جوانی کو پہنچ کر تجارت شروع کردی، اور ہتھورن کے ایک مخیّر خاندان میں پہلا نکاح ہوا، اللہ نے ایک لڑکا عطا فرمایا، نام محمد علی تجویز فرمایا، پہلی اہلیہ کا چند سال ہی میں انتقال ہوگیا، تب دوسرا نکاح ہماری والدہ آمنہ بنت محمد بن اسماعیل ڈیسائی سے ہوا۔

ہمارے نانا کے آباء واجداد دریائے تاپتی کے کنارے پر کھلوڈ نامی قصبہ میں آباد تھے، وہاں اس خاندان کی زمین پر بنائی ہوئی کنارہ والی مسجد اب تک موجود ہے، کسی وجہ سے یہ خاندان نانی نرولی منتقل ہوگیا، جو اس زمانہ میں تقریباً جنگل ہی تھا، یہاں زراعت کا پیشہ اختیار کیا، اور دینی اعتبار سے نہ صرف گاؤں میں بلکہ اطراف میں یہ خاندان بالخصوص ہمارے نانا جان دینی حلقہ میں مشہور تھے، اس لئے آپ ہی کا دولت کدہ یہاں آنے والے علماء ومشائخ کے لئے مہمان خانہ ہوتا تھا۔

والدہ محترمہ سے نکاح کے بعد والدہ کی دینداری کا اثر والد صاحب پر بھی آہستہ آہستہ پڑنا شروع ہوا، یہاں تک کہ والد صاحب مولانا عبدالغفور (۱) بنگالی مہاجر مکی سے بیعت ہوگئے اور ذکر وشغل شروع کیا، ادھر نکاح کے بعد پانچ چھ سال تک کوئی اولاد نہیں ہوئی، اسی اثناء میں موسی سہاگ (۲) کے سلسلہ کے ایک بزرگ تشریف لائے، والد صاحب نے اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی، آپ نے والدہ کے لئے انگوٹھی دے کر ایک

لڑکے کی بشارت دی اور ہونے والے لڑکے کے لئے علم وصلاح وغیرہ اوصاف سے
متصف ہونے کی خوشخبری سنائی ،سال بھر کے بعد وہ بزرگ دوبارہ تشریف لائے ،تو اس
سے پہلے مولانا عبدالرحیم صاحب کا تولد ہو چکا تھا، انہیں دیکھ کر مسرور ہوئے ، دعائیں
دیں اور دوسری انگوٹھی دے کر ایک دوسرے لڑکے کی اسی طرح بشارت دی۔

والد صاحب نے جب سے ذکر وشغل شروع کیا تھا، آہستہ آہستہ ان کی طبیعت پر ذکر کا
اثر بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ والد صاحب پر جذبی کیفیت کا غلبہ ہونے لگا اور اسی کیفیت
میں والدہ صاحبہ سے فرماتے کہ: ”میں نے ترک دنیا کا ارادہ کرلیا ہے آپ اپنے گھر چلی
جاؤ“ خاندان کے بڑوں نے ہر طرح سمجھانے کی کوششیں کی، بالآخر انہوں نے طلاق نامہ
پر دستخط کروالئے کہ کہیں یہ حالت جنون میں تبدیل ہوگئی تو بیوی عمر بھر کے لئے معلق رہ
جائے گی، اور طلاق کی عدت وضع حمل تھی، چنانچہ طلاق کے چند روز بعد ہی ننھیال نانی نرولی
میں ہمارے نانا کے یہاں میری یکم محرم الحرام ۱۳۶۶ھ پیر کی شب میں ولادت ہوئی۔

جب عمر تقریباً آٹھ سال ہوئی تو جنوبی افریقہ میں ہماری خالہ گیارہ بچوں کو چھوڑ کر
حالت زچگی میں انتقال کر گئیں، ان کی جگہ خالو نے والدہ سے نکاح کیا اور والدہ افریقہ چلی
گئیں، اور نانا نانی نے (بھائی صاحب کی اور) میری پرورش کی، چند سال بعد ان دونوں کا
سایہ بھی سر سے اٹھ گیا، ان کے بعد خالہ نے پرورش کی اور پرورش کا حق ادا کردیا“۔

مولانا کے والد محترم جناب سلیمان سیٹھ صاحب تھے، جن کا انتقال مئی ۱۹۶۸ء میں
ورتھی میں ہوا، اور والدہ مرحومہ ۲۷/مئی ۲۰۰۹ء میں انتقال کر گئیں، نماز جنازہ
مولانا عبدالرحیم صاحب نے پڑھائی اور تدفین جنوبی افریقہ کے شہر اسٹینگر میں ہوئی۔

مولانا سے تعارف وملاقات

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب کا نام غالباً ۱۹۸۸ء میں سنا تھا، جب وہ ہندوستان
آئے تھے اور راقم درجہ حفظ میں پڑھتا تھا، پھر ۲۰۰۴ء سے زامبیا کا سفر ہونے لگا، تو مولانا

کے ادارہ معہد الرشید میں حاضری ہوتی رہی، مگر مولانا سے ملاقات نہ ہوتی، اس لئے کہ وہ
طویل قیام کے لئے کینیڈا میں مقیم تھے، پہلی ملاقات مولانا سے غالباً ۲۰۰۶ء یا ۲۰۰۷ء میں
جنوبی افریقہ کے ایک شہر اسکورٹ میں ہوئی، جہاں وہ اپنی والدہ سے ملاقات کے لئے
گئے ہوئے تھے، مولانا کا نمبر حاصل کر کے ان سے فون پر بات ہوئی، انہوں نے اگلے
روز ملاقات کا وقت دیا، چنانچہ اگلے روز دوپہر میں مولانا سے ملاقات کے لئے اسکورٹ
پہنچ گیا، مولانا غالباً راقم سے غائبانہ طور پر میری بعض کتابوں کی وجہ سے واقف تھے، اس
لئے مانوس ہوئے ، اور اچھی خاصی باتیں کیں، اور مولانا کے ساتھ دوپہر کا کھانا
کھایا، پھر مولانا نے دعوت دی کہ زامبیا آیئے، مولانا کی شخصیت کے بارے میں تھوڑا سا
کچھ علم تھا، اور ان سے انسیت سی بھی تھی، اس لئے راقم نے اپنی اس خواہش کا بھی اظہار کیا
کہ راقم آپ کے حالات لکھنا چاہتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ وہاں تشریف لایئے، اور
ایک مختصر سی رقم اپنی طرف سے اور دوسری اپنی والدہ کی طرف سے عنایت کی۔

مولانا کی توجہات اور عنایتیں

اس کے بعد غالباً ۲۰۰۹ء کے رمضان میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سے زامبیا
میں ملاقات ہوئی ، ہم چونکہ چپاٹا میں ایک شب ہی ٹھہرے تھے ، اس لئے مولانا سے
ملاقات کے بعد پھر لوسا کا پہنچ کر مولانا سے فون پر زیادہ رابطہ ہوا، اور ان کی توجہات اپنی
طرف ہوئیں، پھر ۲۰۱۰ء میں بھی مختصر سی ملاقات ہوئی کہ جس روز ہم لوگ چپاٹا پہنچے، اسی
روز مولانا عمرہ کے سفر سے تھکے ہارے واپس آئے تھے، تو سلام ومصافحہ کے علاوہ کوئی
بات نہیں ہوئی تھی، ۲۰۱۱ء کے رمضان میں حضرت کی خدمت میں تین روز قیام رہا اور
حضرت سے اکتساب فیض کیا اور خانقاہ خلیلیہ کے معمولات میں شرکت کی ، حضرت بھی
خوش ہوئے اور ان کی طرف سے تقاضا رہا کہ اور قیام کریں، مگر یہ کہہ کر کہ راقم مئی جون

میں جنوبی افریقہ کا سفر کرتا ہے،اس وقت ایک ہفتے کے لئے حاضر ہوگا اور آپ کی سوانح
حیات بھی لکھے گا،مگر ابھی تک بیچ میں زامبیا کے سفر کی نوبت نہیں آئی،۲۰۱۲ء کے رمضان
میں بھی دو تین دن ہی ٹھہرنا ہوا،حضرت اصرار کرتے رہے،راقم نے عرض کیا کہ چونکہ
ہندوستان واپسی کا فلاں تاریخ کا ٹکٹ بنا ہوا ہے،اور بکنگ ہے،اس لئے جانا ضروری
ہے،اس پر فرمانے لگے کہ یہ تو تم پہلے ہی ٹکٹ کو اس انداز پر کرا کے لاتے ہو،اور بار بار اس
کا بھی حوالہ دیا کہ آپ تو کہتے تھے کہ پھر مستقل آ کر ٹھہروں گا،بعض دوسرے احباب سے
بھی یہ شکایت کی کہ یہ تو کہتے تھے کہ پھر مستقل آ کے رہوں گا،چونکہ امسال پختہ پروگرام تھا
کہ ضرور حاضر ہوں گا،اس لئے میں نے عرض کیا،کہ اب کی بار زبان سے کچھ نہیں کہتا،
بلکہ عملاً حاضر ہو کے دکھاؤں گا،اس لئے جب بھی بات آئی تو زبانی وعدہ نہ کر کے یہ ہی
کہا کہ انشاء اللہ عملاً کر کے دکھلاؤں گا،مگر اللہ تعالیٰ کو کچھ اور منظور تھا۔

مولانا کی خصوصی شفقتیں

بہر حال حضرت کی شفقتیں اس قدر ہوگئی تھیں کہ ہر طرح سے خیال فرماتے،احباب
اور اہل تعلق کو فون کرتے،جس سے وہ خوب تعاون کرتے،خود بھی ادارے کے لئے خاص
رقم کا انتظام کرتے،دو سال قبل ہندوستان تشریف لائے تھے،ایک خاص رقم ہمارے
ادارے کیلئے لیکر آئے اور بھائی محمد عمر کے ذریعہ سے پہنچائی،گذشتہ سال بھی ایک رقم
مولانا قاری عابد صاحب کے ذریعہ پہنچائی،اور اہلیہ کے لئے کپڑے اور ایک خاص رقم
بھیجی،اور ابھی ہندوستان کے سفر کا پروگرام تھا،جس میں مظفر آباد بھی آنے کا وعدہ تھا،
حضرت مولانا کے جمع کردہ حضرت شیخ کے درسی افادات جو ”سراج القاری لحل صحیح
البخاری“ کے نام سے شائع ہو رہے ہیں،اس کی پہلی جلد،پھر دوسری،تیسری اور چوتھی جلد
پر بھی الگ الگ ”نقوش اسلام“ میں تعارف شائع ہوا،جس کی زیادہ کاپیاں شائع کر کے

اہل علم حضرات تک پہنچائی گئیں،تو مولانا نے اس کے لئے الگ سے رقم عنایت فرمائی،
جتنی جلدیں شائع ہوئیں حضرت کے مرید خاص جناب الحاج محمد عمر صاحب نے ہر جلد کئی
سو کی تعداد میں میرے پاس بھجوائی اور راقم نے مختلف مدارس میں اور مدارس کے طلبہ دورہ
حدیث کو پہنچائیں،حضرت کی ان شفقتوں اور تعلق اور محبت کی وجہ سے مارچ ۲۰۱۱ء سے
حضرت مولانا کو ماہنامہ ”نقوش اسلام“ کا سرپرست بھی منتخب کیا تھا۔

مولانا کی بعض اہم خصوصیات

ہر بزرگ کی الگ الگ صفات ہوتی ہیں،مگر حضرت مولانا کی بہت سی صفات میں
سے ایک صفت یہ تھی کہ وہ اہل تعلق کا بہت لحاظ کرتے تھے اور جو اہل مدارس وہاں پہنچتے
تھے،ان کو حقیر نہیں سمجھتے تھے،نہیں تو آج کل بعض اہل علم اور مشائخ ہی نہیں بلکہ بعض مرتبہ
تو بعض اہل مدارس بھی جب معلوم ہو جائے کہ آنیوالا چندہ والا ہے،مدرسہ والا ہے،تو اس
کو حقیر سمجھتے ہیں،اور حقیر نہ بھی سمجھیں تو زیادہ خاطر میں نہیں لاتے،اس کی طرف توجہ اور
اس کا تعاون کرنا تو دور کی بات ہے۔

اہل مدارس کا تعاون

اس صفت میں راقم نے اپنے شیخ و مرشد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی
ندوی نور اللہ مرقدہ کو ممتاز پایا تھا،جو ہر آنے والے کی قدر کرتے تھے،خاص طور سے دینی
کاموں کی نسبت پر جو بھی آتے تھے،اسی طرح سے مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کو بھی
اس صفت سے متصف پایا کہ مولانا اہل مدارس کا خاص خیال فرماتے تھے،ان کا ہر ممکن
تعاون کرتے تھے،ان کے مدرسہ میں بعض سیاسی مجبوریوں کی وجہ سے سفراء کا قیام ممنوع
ہے،مگر وہ پھر بھی نبھانے کی کوشش کرتے تھے،اور جو بھی سفیر پہنچتا،اس کا کچھ نہ کچھ تعاون

ضرور فرماتے، یعنی حیرت ہوتی ہے کہ وہ شیخ ہونے کے باوجود لینے والے حضرت ہی نہیں
بلکہ دینے والے حضرت تھے، وہ ہندوستان میں بعض مشائخ کو خصوصی رقمیں بھیجتے تھے،
بعض بزرگوں کی خدمت میں راقم کے ذریعہ بھی اچھی خاصی رقمیں ہدیہ میں بھیجی ہیں، ہم تو
اپنی ضرورت اور تعلق کی وجہ سے کبھی کبھی حضرت کو فون کرتے تھے، مگر بعض مرتبہ خود حضرت
بھی فون ملوا کر بات کرتے تھے۔

اہل دنیا سے مستغنی اور معمولات کے پابند

ایک صفت حضرت مولانا میں اور محسوس ہوئی وہ یہ کہ وہ مستغنی تھے، گویا کہ ان کو لوگوں
سے مل کے وحشت ہوتی تھی، وہ اپنے معمولات کے پابند تھے، معمولات میں ذرہ برابر
بھی فرق نہیں آتا تھا، نوافل اور کثرت تلاوت قرآن کریم میں مشغول رہتے تھے۔

بات صاف کرتے تھے، صاف سیدھی بات ہی کو پسند کرتے، کسی سوال کے جواب
میں بات کے تکرار اور ہیرا پھیری کو ناپسند فرماتے تھے، اور اس پر فوراً نکیر کرتے تھے، چونکہ
ہم لوگوں کا زیادہ تر واسطہ رمضان ہی میں پڑا ہے، اس لئے ہم نے تو ان کو اپنے معمولات
سے ہٹ کر کسی دوسری مصروفیت میں کبھی نہیں دیکھا۔

اپنے معہد کو للہ کے مد سے چلایا

انہوں نے اپنے معہد کو چلانے میں ایک چیز کا خاص طور سے اہتمام کیا ہے کہ اپنے
مدرسہ میں زکوۃ کی مد انہوں نے نہیں لی، صرف ''للہ'' عطیہ کے مد میں انہوں نے اپنے
ادارے کی تعمیرات بھی کیں، اور سالانہ خرچ جو اچھا خاصا ہے وہ بھی ہمیشہ ''للہ'' سے چلایا
ہے، ورنہ تو آج کل تجار کا بھی زیادہ تر مزاج زکوۃ دینے کا ہے، مگر حضرت کی کرامت ہی
کہئے کہ ایسے آزمائش کے پرآشوب و پرفتن دور میں انہوں نے اپنے معہد کو ''للہ'' کے

ذریعہ سے چلایا، قرآن کریم کی یہ آیت "وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ، وَيَرْزُقْهُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ" ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے، بہرحال حضرت کی کن کن صفات کو
بیان کیا جائے۔

وہ اللہ کے ولی اور سرزمین افریقہ کے امام تھے

وہ تو اللہ کے ایک ولی اور اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، اور گویا کہ سرزمین افریقہ
کے لئے چاہے ان کو امام کہا جائے یا مصلح کہا جائے، یا مجدد کہا جائے، ہر ایک لقب ان
کے لئے موزوں ہے، وہ بے ضرر اور مخلص انسان تھے، اللہ تعالی نے ان کو حضرت شیخ کی
دعا کی برکت سے حج وعمرہ کے بھی بار بار توفیق دی اور انہوں نے بھی اس نعمت عظمی سے
خوب فائدہ اٹھایا، اللہ تعالی ان کو غریق رحمت کرے۔

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ ☆

ولادت: ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء – وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء

تمہید

حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی اللہ تعالی کے خاص موفق بندوں بلکہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک تھے، انہوں نے اپنے عمل اور کردار سے لاکھوں لوگوں کے دلوں کو جیتا اور ہزاروں کی ہدایت واصلاح کا ذریعہ بنے، اور اپنے قول وعمل میں تضاد کو کبھی جگہ نہیں دی، وہ بے لوث خادم دین، خادم قوم اور رہبر انسانیت تھے، انہوں نے اپنی شب وروز کی زندگی اسی فکر وتڑپ میں گزاردی، جو ان کو اپنے جدامجد حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب ومفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے ورثے میں ملی تھی، کہ کس طرح سے ملت کی کشتی جو بھنور میں پھنسی ہے یا پھنسنا چاہتی ہے، پار لگ جائے، بھٹکی ہوئی انسانیت کیسے اللہ کی طرف آ جائے، اور کیسے بے ایمان لوگوں کے اندر ایمان آ جائے، اور وہ سدا کی جہنم کی آگ سے بچ جائیں، ان کو عوام کی بھی فکر تھی، ان کو نوجوانوں کی بھی فکر تھی، نئی نسل کی بھی فکر تھی، یہاں تک کہ طبقہ خاص اور علماء کی بھی فکر تھی، نوجوان طبقہ اور نئے علماء کی وہ ایسی فکری، روحانی تربیت کرتے تھے جس سے ان کے اندر علمی وفکری اور دعوتی تڑپ پیدا ہو جاتی تھی، ان کے ساتھ ہر وقت طلباء اور علماء کا ایک جم غفیر چلتا تھا، اور یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ ان کے یہاں مداہنت اور لچک نہیں تھی، جس بات کو وہ غلط سمجھتے تھے یا ان کو جہاں فکری انحراف معلوم ہوتا تھا تو وہ برداشت نہیں کرتے تھے، اور بلا خوف وملامت فوراً اس کی اصلاح کرتے تھے، اور سننے والا کبھی بدظن نہیں

☆ یہ مضمون حضرت مولانا کے انتقال پر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مارچ/اپریل/مئی ۲۰۱۳ء میں بطور اداریہ کے لکھا گیا تھا۔

ہوتا تھا، وہ اپنی انسلٹ یا سبکی محسوس نہیں کرتا تھا، بلکہ جتنی زیادہ ڈانٹ پڑتی، وہ گرویدہ ہوتا جاتا تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے لئے کہتے تھے، ان کو کسی سے بغض نہیں تھا، اگر کسی سے تھا وہ للہ تھا، مگر اس کی شاید ایک آدھ ہی مثال ہو، ورنہ تو وہ سب کے ساتھ محبت وہمدردی سے پیش آتے تھے اور سب کو خدا کا کنبہ سمجھتے تھے۔

مولانا آدم گر تھے

مولانا کی ادائیں، ان کا کردار، انکا اخلاق، ان کی شفقت، ان کی محبت، ملت کے تئیں ان کی ہمدردی، ان کا غم اور ان کی فکر وتڑپ یہ سب دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے، اللہ تعالی نے بھی ان کو ایسا ملکہ، ایسی فہم اور رجال شناسی اور رجال سازی کی صفت عطا فرمائی تھی کہ وہ چن چن کے ایسے آفتاب وماہتاب اپنے اردگرد جمع کرتے تھے جو کہکشاؤں کا ایک نورانی، علمی اور فکری جھرمٹ معلوم ہوتا ہے، وہ خود مصنف نہیں تھے، مگر جو ان کے پاس لگتا تھا وہ مصنف بن جاتا تھا، مؤرخ بن جاتا تھا، قلمکار بن جاتا تھا، مضمون نگار بن جاتا تھا، دین کی تڑپ اپنے اندر لے لیتا تھا، ایک نئے مدرسہ کی فکر اس کے اندر سما جاتی تھی، ایک نئی تربیت گاہ کا جذبہ اس کے اندر ابھر جاتا تھا، بلکہ اس کے اندر کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا تھا، معلوم نہیں مولانا ایسی توجہ ڈالتے تھے، ایسی سادگی سے بیٹری چارج کرتے تھے کہ جو ایک مرتبہ مولانا کے پاس آ گیا وہ گرویدہ ہو جاتا تھا، ہم نے آج تک نہیں سنا کہ کوئی آدمی مولانا عبداللہ حسنی سے ملا ہو، یا ان کی مجلس میں شریک ہوا ہو، یا اس نے مولانا سے ملاقات کی ہو اور وہ بدظن ہو گیا ہو، یا اس کو مولانا سے نفرت ہو گئی ہو۔

مولانا کی شخصیت میں کشش تھی

مولانا جب ہمارے علاقہ میں آتے تھے تو وہ لوگ جن کا تعلق نہیں، وہ بھی یہ چاہتے کہ

مولانا کو اپنے مدرسہ میں لے جائیں، مولانا کو اپنے گھر لے جائیں، اپنی دکان میں لے جائیں، اپنی فیکٹری میں یا اپنے کارخانے میں لے جائیں، اور مولانا کے مبارک قدم رکھوائیں، ایسی کشش اللہ تعالی نے ان کی ذات میں، ان کی بات میں، ان کے کردار میں، ان کی گفتگو میں رکھی تھی کہ لوگ کھینچے چلے آتے تھے۔

مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے

مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، ایسی انجمن جس سے ہر طبقہ کے لوگ فائدہ اٹھاتے تھے، ہر مکتبۂ فکر کا آدمی جن سے مل کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا، اور وہ اپنے چھوٹوں پر بھی شفقت کا معاملہ کرتے تھے، چھوٹوں سے بھی ملنے کے وقت معانقہ کرتے تھے، بڑوں کے ساتھ اکرام سے پیش آتے، مولانا نے غیر مسلموں میں جو پیام انسانیت، اور دعوت الی اللہ کا کام کیا، اس کی برکت سے ہزاروں غیر مسلم مشرف باسلام ہوئے، مگر اس سلسلہ میں انہوں نے کبھی کوئی پرچار، کبھی کوئی تشہیری مہم یا پروپیگنڈہ نہیں کیا، بڑی خاموشی کے ساتھ بڑی حکمت سے ایسے انداز پر کام کیا، کہ بعض مرتبہ قریبی لوگ بھی حیرت میں پڑ جاتے، انہوں نے اپنی دعوتی جدوجہد سے جہاں بہت سے غیر مسلموں کو بفضل الٰہی ایمان کی دولت سے سرفراز فرمایا، وہیں بہت سے نومسلموں، نوجوانوں اور علماء کا دعوتی مزاج بنایا اور انہوں نے آپ کے نقش قدم پر چل کر دعوت کے میدان کو آگے بڑھایا، بہت سے طلبہ آپ کے پاس رہے، انہوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق کسب فیض کیا، کسی نے تصنیف وتالیف کا میدان سنبھالا، کسی نے دعوت کا، کسی نے درس وتدریس کا، کسی نے غیروں میں دعوت کا اور کسی نے اپنوں میں دعوت کا محاذ قائم کیا، آپ کے پاس رہنے والوں یا آپ سے تعلق رکھنے والوں میں شاید ہی کوئی محروم رہا ہو، کتنے ایسے ہیں کہ آپ کی برکت سے انہوں نے بڑے بڑے دینی ادارے قائم کردیئے، انجمنیں قائم کردیں، جمعیات قائم کردیں، رفاہی

ادارے قائم کردیئے، لڑکوں کی تعلیم وتربیت کے ادارے قائم کردیئے، لڑکیوں کی تعلیم وتربیت کے لئے الگ سے مدارس قائم کردیئے، اور آپ نے ان کا ہر طرح سے دامے درمے، قدمے سخنے تعاون کیا، اس طرح ہندوستان کے مختلف صوبوں کے مختلف علاقوں میں ندوے کے نہج اور فکر کے مطابق ادارے قائم کرادئے، اسلامیہ اسکول اور انگلش میڈیم اسکول تک قائم کرادئے، اس میدان میں اللہ تعالی نے آپ کا خاص انتخاب کیا تھا، جس کو فضل الٰہی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، آپ کی ان کی خصوصیات وخدمات کی بنا پر آپ کی مقبولیت ومحبوبیت روز بروز بڑھ رہی تھی، بقول مولانا عبدالعزیز بھٹکلی کے اس وقت ندوۃ العلماء میں آپ کی شخصیت ایسی تھی جن سے اساتذہ وطلبہ احتراماً ڈرتے تھے، انتظامیہ سے تو لوگ قانوناً ڈرتے ہی ہیں، مگر مولانا سے احتراماً ڈرتے تھے۔

راقم سطور پر مولانا کی شفقتیں

راقم سطور پر مولانا کی شفقتیں طالب علمی کے زمانے سے ہی رہی ہیں، یہ ناکارہ جب دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھتا تھا، مولانا سے ملاقاتیں شروع کیں، اور مولانا کی مجلسوں میں دفتر ''الرائد'' میں یا مہمان خانہ میں مولانا سے ملاقات کرتا اور مصافحہ تو روزانہ ہی کرتا، اس طرح مولانا سے روز بروز تعلق بڑھتا گیا، اور مولانا بھی شفقت فرمانے لگے، پھر مولانا کو بعض مضامین عربی میں لکھ کر دکھاتا، مولانا ٹھیک کرتے، اصلاح کرتے، اور وقت دیتے، ایک مرتبہ ایک اخبار سے ایک مضمون کا ترجمہ کرکے دکھایا، مولانا خوش ہوئے، اور فرمایا اب آپ کو کچھ عربی لکھنی آگئی ہے، اس جملے سے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے، اور پھر مولانا کی اصلاح سے بعض مضامین ''الرائد'' میں بھی چھپے، پھر مولانا کا ایک مضمون الرائد میں ''الضالون عن الطریق'' کے عنوان سے چھپا تھا، راقم نے اس کا اردو میں ترجمہ ''گم گشتہ راہ'' کے نام سے کیا، تو مولانا بہت خوش ہوئے، اور حیرت میں

پڑ گئے، اور فرمایا صحیح اور مناسب ترجمہ کیا، اسی طرح مولانا اردو کے مطالعہ کے سلسلہ میں رہنمائی کرتے کہ مولانا عبدالماجد دریابادی کو پڑھئے، مولانا شبلی نعمانی کو پڑھئے، علامہ سید سلیمان ندوی کو پڑھئے، حضرت مولانا کو پڑھئے، ایک مرتبہ فرمایا کہ ماہر القادریؒ کے تبصرے پڑھئے، شاید مولانا نے پڑھ لیا تھا کہ آگے چل کر تمہیں تبصرے بھی لکھنے ہیں، اس لئے اس کتاب کا مطالعہ کرایا، چنانچہ دس سال سے راقم ''نقوش اسلام'' میں کتابوں پر تبصرے لکھ رہا ہے۔

مولانا راقم کی تحریروں کو ٹھیک کرتے تھے

پھر جب راقم نے اپنے شیخ حضرت الحاج شاہ حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری کے حالات پر کتاب لکھنی شروع کی تو جتنا مسودہ روزانہ لکھتا، وہ مولانا کو پیش کر دیتا، مولانا اس کو چیک کر کے اور تصحیح کر کے دیتے، پھر وہ مسودہ کاتب کے حوالے کر دیا جاتا، پوری کتاب مولانا نے چیک کی، اس کے بعد کتابت ہوئی، یہ میری ایسی کتاب ہے، جس کو راقم پوری ایک ساتھ لکھ کر پڑھ نہ سکا، بلکہ جس قدر مضمون تیار ہوتا، وہ مولانا کی نظر ثانی کے بعد کتابت کے لئے دیا جاتا رہا، اس طرح کتابت کے بعد پوری کتاب ایک ساتھ دیکھنے کا موقع ملا، کتاب کی تکمیل کے بعد مولانا نے اس پر اپنی تقریظ بھی تحریر فرمائی، اس طرح مولانا راقم کی تحریروں سے بہت خوش ہوتے اور قدر فرماتے، بلکہ بعض مرتبہ اپنی مجلس میں راقم کا ذکر کرتے کہ دیکھئے یہ طالب علم سہارنپور کا ہے، ایسا ہے ویسا ہے، اور مصنف ہے اور کبھی سامنے سے گزر رہوتا تو پاس بیٹھنے والوں کو اشاروں سے بھی بتاتے۔

مولانا کے ساتھ بارہ بنکی کا ایک سفر

ایک مرتبہ اسی زمانے میں مولانا نے راقم اور بعض دوسرے ساتھیوں کو لیکر بلہیرہ (بارہ

بنکی) کا سفر کیا، راقم نے اپنی ڈائری میں اس سفر کی روداد اس طرح لکھی تھی:

۲/نومبر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۹/جمادی الثانیہ ۱۴۱۷ھ بروز سنیچر ۱۲/بجے مولانا عبداللہ حسنی ندوی کی معیت میں ایک قافلہ کے ساتھ بلہیرہ بارہ بنکی پہنچے، قافلہ راقم، علی میاں، معاذ، اطہر اور میزبان مولوی شاہد ندوی بارہ بنکوی اور مولانا عبداللہ صاحب پر مشتمل تھا، وہاں پہلے ناشتہ کیا، پھر کھانا کھایا، مدرسہ معین الاسلام میں نماز ظہر پڑھی، عصر تک قیام رہا، عصر کی نماز مسجد سیدنا بلال میں پڑھی، مولانا عبداللہ صاحب نے بیان کیا، پھر ناشتہ کیا، مغرب اسی مسجد میں پڑھ کر مدرسہ پہنچے، وہاں شعر وشاعری کی مجلس شروع ہوگئی، بدعت کے واقعات شروع ہوگئے، پھر آٹھ بجے وہاں سے روانہ ہو کر ۱۰/بجے لکھنؤ پہنچے۔

مولانا نے راقم کی کتاب سیرت مولانا یحییٰ کاندھلوی پر تمہید لکھ کر افتتاح کیا

مولانا راقم کے مربی و مشفق بھی رہے، اور مجھ جیسے ہزاروں کے مربی و مشفق رہے، دفتر الرائد میں ہم طلبہ کو چائے بھی پلاتے، کبھی گھر پر امین آباد بھی دعوت دیتے، حیات عبدالرشید کے بعد ندوہ میں راقم نے ۱۹۹۸ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی کے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلوی کی سیرت پر کتاب لکھی، تو اس کتاب کا افتتاح حضرت مولانا عبداللہ حسنی نے اپنی مندرجہ ذیل تمہید لکھ کر کیا:

ہمارے ملک ہندوستان پر اللہ تعالی کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اس میں بعض وہ مبارک خانوادے آکر مقیم ہوئے، جن کے افراد اور شخصیات نے اپنی علمی، دینی، روحانی اور انسانی خدمات سے اس ملک کو چار چاند لگادئے، اور جن کی وجہ سے ہندوستان کا شہرہ دور، دور تک جا پہنچا، انہی خانوادوں میں ایک نہایت ہی مبارک اور باتوفیق خاندان کاندھلہ کے شیوخ کا ہے، جو ایک ایسے سدابہار اور پرثمر درخت کی مانند ہے جو

برابر پورے ہندوستان کو اپنے ٹھنڈے سائے اور شیریں پھل سے شاد اور آباد کئے ہوئے ہے۔

اس خانہ ہمہ آفتاب کے ایک ایک فرزند نے دین وایمان اور قرآن وسنت کی جس طرح خدمت کی ہے، دعوت وعزیمت کی راہ سے جو محنتیں اور کوششیں کی ہیں اور اللہ نے جو مقبولیت ومحبوبیت عطا فرمائی ہے، اس کی نظیر شاید ہی کوئی دوسرا خانوادہ پیش کر سکے، حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی اور اخیر میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی جماعت تبلیغ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اس کی درخشاں مثالیں ہیں۔

انہی آخرالذکر، محدث یگانہ، برکۃ العصر حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد کی ذات گرامی حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحب کاندھلوی اس سلسلۂ طلائے ناب کی اہم کڑی ہیں، اگرچہ ان کو وہ شہرت حاصل نہ ہوسکی جو ان کے صاحبزادے گرامی قدر حضرت شیخ الحدیث کو یا برادر اصغر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کو حاصل ہوئی، لیکن کسی کی عدم شہرت سے شخصیت کی اہمیت اور عظمت کم نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے ان کو اجتہادی ذہن اور غیر معمولی ذکاوت عطا فرمائی تھی، اس پر علمی شوق اور محنت نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا، جس کے آثار ظاہر ہونے لگے، پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری نے قطب الارشاد، حامیٔ سنت، ماحی بدعت، محدث وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پہنچادیا۔

مولانا نے حضرت گنگوہی کے یہاں بارہ سال استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا اور حضرت کے علمی نکات اور علوم ومعارف کے موتی اپنے کشکول میں چنتے رہے، جو آج بھی اہل فقہ ونظر اور علماء کا مرکز توجہ بنے ہوئے ہیں، اور برابر علوم وکتاب وسنت کے طالب ان سے استفادہ کررہے ہیں، انہی خصوصیات کو دیکھ کر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری

نے مظاہر علوم میں درس حدیث کے لئے انکا انتخاب کیا، اور اس طرح حدیث شریف کا متواتر (آخر عمر تک) کئی سال درس دیتے رہے، ضرورت تھی کہ اس غیر معمولی شخصیت کے تعلیمی وتربیتی طریقہ کار اور اس کے ان اوصاف وکمالات اور حالات کو سامنے لایا جائے، جو تعلیم وتدریس کے علاوہ خدمت خلق، حسن سلوک وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور جس سے آپ کی مکمل سوانح حیات اور اکابر زمانہ ومشائخ روزگار کے ساتھ تعلقات کا نقشہ سامنے آئے، چنانچہ زیر نظر کتاب ''سیرت حضرت مولانا محمد یحیٰی کاندھلوی'' کی تالیف سے اس قرض کے ادا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، جو برسوں سے چلا آرہا تھا، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور امت کے لئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

مولانا کے تعارف پر ایک صاحب کا ملاقات کیلئے آنا

اس تمہید کے اخیر میں حاشیہ میں مولانا کا مختصر تعارف کرا گیا ہے، اس تعارف کو پڑھ کر ایک صاحب جو سہارنپور آئے ہوئے تھے، وہ مولانا سے ملنے کے لئے ندوہ گئے، تو مولانا نے بتلایا کہ فلاں صاحب تمہارے لکھے ہوئے تعارف کو پڑھ کر ملاقات کے لئے آئے ہیں، اس سے بہت خوشی ہوئی۔

اس کے بعد مولانا کی نوازشیں

اس زمانے میں راقم نے عربی میں ''ریاض البیان فی تجوید القرآن'' لکھی، جب کتاب پوری ہوگئی، مولانا کو دکھائی، مولانا بہت خوش ہوئے، راقم کو اس میں انتساب لکھنا تھا، میں نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ ہی لکھا دیجئے، چنانچہ برجستہ مولانا نے انتساب لکھوایا، جو بہت اچھا ہے، طبیعت خوش ہوگئی، بالکل مزاج اور طبیعت کے مطابق، پھر جب ندوہ میں قادیانیت کے خلاف کانفرنس ہوئی تو بیرون ملک کے مہمانوں کی خدمت کرنے

والوں میں مولانا نے راقم کا نام بھی شامل کیا اور کانفرنس کی رپورٹ تیار کرنے کے لئے بھی فرمایا، اسی زمانے میں مولانا کے یہاں برادرم ''محمد'' کی ولادت ہوئی، جس کے عقیقہ میں بھی مولانا نے خاص اہل تعلق طلبہ کو دعوت دی، تو راقم کو بھی دعوت دی تھی، پھر فضیلت کے آخری سال میں راقم نے ''الامامة فی الصلاة مسائلها و احکامها'' کے نام سے جو مقالہ لکھا، وہ مولانا کے اشراف میں ہی تیار کیا، مولانا برابر رہنمائی کرتے رہے، اور جتنا تیار ہوتا، اس کو دیکھتے رہتے، یہ سب شفقتیں اور عنایتیں اس وقت کی ہیں، جب یہ ناکارہ ندوہ میں طالب علم تھا۔

شیخی ومرشدی حضرت مفکر اسلام کی وفات کے بعد مولانا کے نام ایک خط لکھا

ندوہ سے فراغت کے بعد اور شیخی ومرشدی مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب کے ۲۲؍رمضان ۱۴۲۰ھ میں انتقال کے بعد ذی قعدہ میں مولانا کو مندرجہ ذیل تفصیلی خط لکھا، جس میں حال دل تحریر کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شفیق ومشفق المخدوم المعظم حضرت الاستاذ مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی

زیدت معالیکم ومحاسنکم وعمت فیوضکم وبرکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعدہٗ! الحمد للہ یہاں ہر طرح عافیت ہے، اس روز ۲۵؍رمضان کو گھر پہنچ کر ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اجالے سے اچانک اندھیرے میں آ گیا ہوں، ذہن ودماغ کے سوتے اچانک بند ہوگئے ہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا، کیا کروں، آپ لوگوں کا جو حال ہوا ہوگا، وہ اضعافاً مضاعفہ ہوگا، مگر اس نامہ سیاہ کی ندوہ میں رہتے ہوئے یہ کیفیت تھی (جس

کا آج پہلی مرتبہ اظہار کر رہا ہوں کہ) جس روز حضرت کی دن میں زیارت نہ کرسکتا تھا، تو نیند نہیں آ سکتی تھی، پھر رات کو بھی اگر موقع نہ ملا تو دس گیارہ بجے یا تو مہمان خانہ کے دروازہ سے ذرا کیواڑ کھول کر زیارت کر کے سکون حاصل کرتا، اگر اس کا بھی موقعہ نہ ہوتا تو مہمان خانہ کا طواف کر کے قلبی سکون حاصل کرتا اور جا کر سو جاتا، ذہن ودماغ میں بھی نئی نئی باتیں آتی تھیں، عزائم ومنصوبے بھی بلند تھے، بہت کچھ کرنے کا ارادہ تھا، مگر سب ذہن سے کافور ہو گیا، گھر پر والدین سکون دلاتے، ڈھارس بندھاتے، مسجد جاتا نماز پڑھ کر واپس آ جاتا، کسی چیز میں طبیعت نہیں لگتی، خیال آتا رہا کہ آپ کو اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب کو دل کا حال لکھوں، یا فون کروں، مگر

دل ودماغ اور دست وقلم اس سے قاصر تھے، یہ پوری آپ بیتی لکھ رہا ہوں، اس میں تصنع اور بناوٹ نہیں، جن لوگوں کا حضرت سے تعلق تھا، یا حضرت کے پاس رہے ان کا یہی حال ہوا ہوگا، جب کہ میں نے بعض ایسے لوگوں کا حال دیکھا، جنہوں نے حضرت کی زیارت تک نہیں کی، مگر وہ بھی اس حادثہ کو برداشت نہ کرسکے، مگر مرضی الٰہی کے سامنے کسی کو چارہ نہیں، میں رائے بریلی تھا، میری والدہ نے کئی وقت تک کھانا نہیں کھایا اور بھی نہ معلوم کن لوگوں کا کیا کیا حال اور کیفیت ہوئی ہوگی۔ ''واللہ ولی المتقین''

نصف شوال گزرنے کے بعد ہمت کر کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، تاکہ دل کو سکون ملے اور ہمت ملے، چنانچہ شیخ نے ہمت بندھائی، کچھ سکون واطمینان ملا، مگر دل کی انگیٹھی اب بھی سرد ہے، کوئی ہمت اپنے اندر محسوس نہیں کر رہا ہوں، البتہ کچھ نقل وحرکت شروع کی، اب اخیر شوال میں دو چار جگہ سفر بھی کیا، ادھر ۲۵؍شوال تک لکھنؤ حاضری کا ارادہ تھا، آپ سے مشورہ بھی کرنا تھا، مگر اس سے بھی قاصر رہا، اور مولانا مکرم صاحب اور حضرت مفتی صاحب کے ساتھ بھی کئی مرتبہ لکھنؤ کا اور رائے بریلی کا پروگرام بنا، بالآخر وہ لوگ جا کر آ گئے، اور یہ ناکارہ جوں کا توں وہیں رہا، ادھر

مولانا الیاس صاحب اپنے مدرسے میں پرزور کوشش کرنے لگے، مجھ کو بھی کہا کہ میں نے حضرت مولانا علی میاں صاحب سے اجازت حاصل کرلی تھی، اور آپ کے سامنے بات ہوئی تھی اور والد صاحب سے بھی اس سلسلے میں گفتگو کی، میں ایک دو روز کے لئے وہاں گیا، تو مایوسی کی حالت میں رہا، علمی وسائل اور علمی ماحول کی کمی کا احساس ہوا، پھر یہ خیال کرکے کہ دیکھئے ایک سال تجربہ کرلیا جائے اور اعزازی طور پر ایک سال کے لئے قبول کرلیا، انہوں نے راقم کی تحریض پر عربی میں ایک فصلیہ مجلّہ کے اجراء کا بھی عزم کرلیا ہے، جس کا پہلا شمارہ انشاء اللہ محرم میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حالات پر خصوصی نمبر ہوگا، نیز دارالافتاء کے قیام کا بھی منشور ہے، غرض اس طرح کے پلاننگ اور منصوبوں میں کافی وقت گزر گیا، یہاں تک کہ مرقومہ لف رقیمہ بھی تقریباً بیس دن سے لکھا ہوا رکھا تھا، ترسیل کی نوبت اب آئی ہے، اللہ ہی رحم فرمائے، ابھی اگلے ہفتہ میں انشاء اللہ حاضری کا عزم مصمم ہے، آپ کو معلوم ہے کہ یہ نامہ سیاہ لکھنے کے معاملے میں بڑا چست ومستعد ہے، ڈاک کے سلسلہ میں بھی بہت متحرک، مگر شاید یہ میری زندگی کا پہلا موقعہ ہے کہ میں خط کا ارادہ کررہا ہوں، اور لکھنے کی ہمت نہیں ہوتی، آج عزم بالجزم کرکے قلم ہاتھ میں لے کر ''کیف ما اتفق'' غیر مرتب باتیں جو ذہن میں آتی رہیں زینت قرطاس کرتا رہا:

گر قبول افتد زہے عز وشرف

اب بھی خط بند کرنے کو طبیعت نہیں چاہ رہی ہے، مگر لکھوں بھی تو کیا:

دل کا دریا نطق کی وادی میں بہہ سکتا نہیں
آدمی محسوس کرسکتا ہے، کہہ سکتا نہیں

یہ خط کوئی رسمی نہیں بلکہ محسوس کررہا ہوں کہ نصف ملاقات ہی سہی، مگر انشاء اللہ باعث فرحت وسکون ہوگا، اللہ تعالی آپ حضرات کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے، خصوصی دعا فرمائیں، مشورہ عنایت فرمائیں اور اپنی نصیحت اور یادگار تحریر سے محظوظ

فرمائیں، دعا فرمائیں کہ وہی کام کروں، جو اس وقت کرتا جب حضرت زندہ ہوتے، جب تک میری اضطرابی حالت رہی، ۲۰؍شوال تک حضرت کی روزانہ خواب میں زیارت ہوتی رہی، ابھی کئی روز سے نہیں ہوئی، کئی بار یہ احساس ہوا کہ حضرت دوبارہ زندہ ہوگئے ہیں، بعض لوگوں سے خواب میں ہی پوچھا کہ حضرت کیسے زندہ ہوگئے، مگر چھ سات روز سے یہ سلسلہ منقطع ہے، اللہ تعالی بار بار زیارت کرائے، غفر اللہ لہ ورفع درجاتہ فی جنات النعیم۔

امید ہے کہ جواب سے محظوظ فرما کر حوصلہ افزائی فرمائیں گے، خدا کرے جلدی سے ملاقات ہو۔ والسلام

۱۴؍ذی لقعدہ ۱۴۲۰ھ　　　　محمد مسعود عزیزی ندوی
۲۱؍فروری ۲۰۰۰ء

مولانا کی طرف سے اس خط کا جواب

اس خط کا جواب مولانا نے بڑا تسلی بخش دیا:

عزیزی مولوی مسعود عزیزی سلمہ اللہ تعالی ونفعہ بہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا ملفوف پہنچا تھا، جس سے آپ کی کیفیات کا علم ہوا، حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی رحلت کے بعد متوسلین پر مختلف اثرات وکیفیات کا ظاہر ہونا فطری بات ہے، لیکن اس کے ساتھ اس بات پر شکر کے جذبات بھی ہونے چاہئے کہ حضرت حق عز وجل نے جناب والا کی خدمت میں ایک مدت تک رہنے کی سعادت بخشی اور حضرت خوش رہے، اور آپ کی مؤلفات پر مقدمات کے ذریعہ خوشی ومسرت کا اظہار فرماتے رہے، آپ تو بڑے نصیب والے ہیں، اس لئے ہمت اور استقامت کے ساتھ سابقہ کاموں کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، اور اس کے ساتھ حضرت کی ذات اور مؤلفات کے لئے بھی کچھ نہ کچھ ضرور

کرتے رہنا چاہئے۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ ماحول اور جگہ کے بدل جانے کے سبب سے بھی یہ کیفیت ہے، اس لئے اگر وقت نکال کر کبھی کبھی یہاں بھی آ جایا کریں تو انشاء اللہ بہت مفید ہوگا۔

باقی حالات بدستور بلکہ لائق شکر ہیں، مولانا الیاس صاحب کو سلام کہہ دیں، دعاؤں میں یاد رکھیں، بشرط سہولت حضرت مولانا مکرم صاحب اور مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب کو سلام اور دعا کی درخواست کردیں۔ والسلام

دعاگو

۲۲/۱/۱۴۲۱ھ　　عبداللہ حسنی ندوی

مولانا کی غریب خانہ پر حاضری اور راقم کے مولانا کے ساتھ بعض اسفار

غالباً مئی یا جون کے شروع میں مولانا کا سہارنپور کا سفر ہوا، اس وقت غریب خانہ پر بھی حاضری ہوئی، راقم کی شادی یعنی رخصتی کی تیاری چل رہی تھی، مولانا نے گھر آتے ہی فرمایا کہ اچھا شادی کی تیاری چل رہی ہے، اس کے بعد ۲۰۰۰ء کے وسط میں مولانا کے ساتھ ہریانہ پنجاب کے مختلف علاقوں کا بھی سفر ہوا، بوڑیہ ضلع یمنا نگر مولانا کے ساتھ جانا ہوا، پھر تاجیوالا جمنا کے کنارے جہاں پر خانہ بدوش لوگ خیمہ زن ہیں، ان کی بستی میں بھی دعوتی سلسلے میں جانا ہوا، پھر مالیرکوٹلہ وغیرہ مختلف مقامات پر جانا ہوا، انبالہ شہر میں بھی قیام رہا، ایک مرتبہ سہارنپور سے مولانا کے ساتھ لکھنؤ کا بھی سفر ہوا۔

مولانا ہمارے ادارے کے شروع ہی سے صدر رہے

پھر رمضان میں رائے بریلی مولانا کی خدمت میں حاضری ہوئی، ادارے کا قیام ہوا،

236

تو اس سلسلہ میں پہلے ہی دن سے مولانا سے مشورے ہوتے رہے، اور مولانا ہی مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے صدر بنائے گئے، اور آپ ہی کی رہنمائی اور مشوروں سے تمام مسائل حل ہوتے، کوئی بھی بات پیش آتی، اچھی یا بری، یا کوئی معاملہ پیش آتا، مولانا کو فون کرتے اور معاملہ کا حل پاتے اور قلبی سکون بھی حاصل کرتے، کتنی ہی طبیعت بوجھل ہوتی، پریشانی ہوتی، مولانا سے بات کرتے، تسلی مل جاتی، اور طبیعت میں انشراح وانبساط پیدا ہوجاتا، گویا کہ روحانی غذا اور سکون مل جاتا۔

مرکز کے سنگ بنیاد کی تقریب اور مولانا کا خوش ہونا

۳۱/ مارچ ۲۰۰۱ء کو جب مرکز کا سنگ بنیاد ہوا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب تشریف لائے، گھر پر قیام رہا، جلسہ گاہ میں حضرت مولانا رابع صاحب بیان فرما رہے تھے، ہم اسٹیج سے نیچے کھڑے سن رہے تھے، مولانا عبداللہ صاحب بھی نیچے ہی کھڑے تھے، مولانا کو بہت کہا کہ اسٹیج پر تشریف لے چلیں، مگر معلوم نہیں مولانا نیچے کھڑے ہوکر سننے ہی میں خوشی محسوس کررہے تھے، جیسا کہ انہیں کا پودا لگایا جارہا ہے۔

مولانا راقم کی کامیابیوں اور ترقی سے خوش ہوتے تھے

چند ماہ کے بعد جب پانچ کمروں کی تعمیر ہوگئی، تو مولانا تشریف لائے، بہت خوش ہوئے، چلتے وقت راقم کی کمر کو تھپکی دی، اور خوشی میں میرے سر پر ہاتھ رکھ کر سینے سے لگایا اور جس شفقت ومسرت کا کا اظہار کرنا چاہا، اس کے بیان کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں، بخدا میری کامیابیوں اور ترقیوں سے یا تو میری والدہ خوش ہوتی تھی یا مولانا عبداللہ حسنی خوش ہوتے تھے، وہ راقم کی ہر ترقی وکامیابی کو دیکھ کر ایسے خوش ہوتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں، مولانا میرے باقاعدہ استاذ نہیں تھے، مگر ان کی توجہات اور شفقتیں استاد

سے زیادہ تھیں، بعض مرتبہ خیال بھی آتا تھا کہ مولانا ہمارے استاذ ضابطہ میں نہ بن سکے، شاید مولانا کو بھی یہ خیال آتا ہو، واللہ اعلم، مگر اس نسبت کو قائم رکھنے کے لئے رمضان ۱۴۲۰ھ میں احقر نے حضرت مفکر اسلام کی بعض عربی کتابوں کی قرأت کی اور آپ کو سنائیں، تاکہ آپ استاذ بھی بن جائیں، مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کی توجہات اور عنایات استاذوں سے بڑھ کر رہیں۔

مرکز کے قیام کے بعد سب سے پہلے آپ کی تحریر

مرکز کے قیام کے بعد سب سے پہلے آپ ہی نے مندرجہ ذیل تحریر عنایت فرمائی: ''یہ دور بڑا پرآشوب ہے، نئے نئے فتنے سر اٹھا رہے ہیں، اہل زیغ وضلال کی بن آئی ہے، یہ جدید ترین وسائل سے لیس ہیں، اپنے غلط عقیدے اور منحرفانہ افکار کو پوری طاقت کے ساتھ پھیلا رہے ہیں، ان کے مقابلہ میں صحیح العقیدہ، راسخ العلم اور صحت مند فکر کے حامل علماء کی بہت کمی ہے، اگر ہیں بھی تو وہ یا تو گوشہ گیر ہیں یا کوتاہ قلمی کا شکار، ضرورت ہے کہ ہمارے نوجوان اہل قلم اور اہل فکر میدان عمل میں قدم رکھیں اور اس سیلاب بلاخیز کا مقابلہ کریں اور جو کچھ ان کی حوصلہ مند طبیعتوں اور پرعزم ارادوں سے ہوسکے کوتاہی نہ کریں''۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہمارے ایک باہمت، حوصلہ مند نوجوان فاضل مولوی مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ اللہ تعالی ونفع بہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے، اور اپنے بزرگوں کے مشورہ اور سرپرستی میں ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' مظفرآباد سہارنپور کی داغ بیل ڈال دی ہے، جس کیلئے اللہ کے ایک بندے نے ایک قطعہ آراضی بھی وقف کردیا ہے، جن بلند مقاصد کو لے کر انہوں نے کام شروع کیا ہے، اللہ تعالی اس میں ان کی غیب سے مدد فرمائے اور اہل خیر کو توفیق دے کہ ان کا ہر طرح تعاون کریں، یہ وقت کا تقاضہ بھی ہے، اور وقت

کا جہاد بھی: ''اللّٰهم وفقنا لما تحبه وترضاه وهو نعم المولى ونعم النصير''۔

مخلص

عبداللہ حسنی ندوی
استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۱/۱۱/۱۴۲۱ھ
۶/۲/۲۰۰۱ء

اس کے بعد عربی میں یہ تحریر عنایت فرمائی:

تزكية وتوصية

وبعد: فيسرني أن أقوم بالتعريف للمركز الإسلامي المدعو ''مركز احياء الفكر الاسلامي'' الواقع في مظفرآباد، مديرية سهارنفور بالولاية الشمالية-الهند، فإنه مركز إسلامي ومعهد علمي أهلي يقوم بخدمة التربية الإسلامية بالتعليم والتوجيه، أنشىء على الفكرة الإسلامية الصحيحة للمحافظة على العلوم الإسلامية ولتربية النش الإسلامي الناهض على الدين والسيرة الحسنة، ويشرف هذا المركز على جامعة الامام ابي الحسن الاسلامية للبنين وجامعة فاطمة الزهراء للبنات كذلك، وله مجال أوسع من مجال التعليم، فهو يشرف على أعمال الدعوة والإرشاد، وإنشاء كتاتيب، وتنظيم الجهود الدعوية والاصلاحية، ونشر كتيبات حول المعلومات الأساسية للدين، وذلك بجنب التعليم الديني مع المعارف المدنية الضرورية، وكل ذلك بتنسيق ونظم لائقين، والرئيس المؤسس للمركز هو الشباب الصالح الأخ محمدمسعود العزيزي الندوي وهو من أخص تلاميذ سماحة العلامة الشيخ السيد أبي الحسن علي الحسني الندوي رحمه الله تعالى، وكان يستشيره ويستنير برأية في حياته، فهو بحاجة كبيرة في عمله الخيري المفيد هذا إلى تعاون

أهل الخير، أرجو أن ينال الأخ من أهل الغيرة الإسلامية والشعور الإسلامي النبيل عطفهم وتعاونهم، والجزاء عندالله تعالى.

١٤٢٧/٧/٧هـ — الداعي
٢٠٠٦/٨/٣م — عبدالله الحسنى الندوى
استاد الحديث الشريف بجامعة ندوة العلماء لكناؤ

جس کا ترجمہ یہ ہے: مجھے یہ تحریر کرتے ہوئے مسرت ہورہی ہے کہ مرکز احیاء الفکرالاسلامی مظفرآباد ضلع سہارنپور ایک دینی، دعوتی اور علمی مرکز ہے، جو تعلیم وارشاد کے ذریعہ اسلامی تربیت کی خدمت انجام دے رہا ہے، اس کا قیام صحیح اسلامی فکر پر عمل میں آیا ہے تاکہ اسلامی علوم کی حفاظت اور نئی نسل کی اسلامی سیرت اور دین کے مطابق تربیت کی جاسکے، اس کے تحت جامعۃ الامام ابی الحسن الاسلامیہ اور جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات دو تعلیمی ادارے چل رہے ہیں، اس مرکز کا میدان بہت وسیع ہے، وہ دعوت وارشاد و مکاتب کے قیام اور دعوتی واصلاحی سرگرمیوں اور دین کی بنیادی معلومات کے متعلق اسلامی رسائل وپمفلٹ کی اشاعت کے سلسلہ میں بھی سرگرم ہے، اور یہ سب دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تقاضوں اور ضروریات کو بھی منظم اور سلیقہ کے ساتھ پورا کررہا ہے، مرکز کے بانی وناظم ایک صالح نوجوان مولوی محمد مسعود عزیزی ندوی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مخصوص ترین تلامذہ میں سے ہیں، وہ حضرت مولانا کی رائے ومشوروں سے ان کی زندگی میں تمام کام انجام دیتے تھے، وہ اس وقت اپنے اس مفید اور رفاہی کام میں اہل خیر حضرات کے تعاون کے زیادہ مستحق ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ غیور مسلمانوں اور اسلامی شعور کے حامل لوگوں کی عنایت وتوجہ اور تعاون کو حاصل کریں گے، اور اللہ تعالی ہی بدلہ دینے والا ہے۔

داعی
۱۴۲۷/۷/۷ھ — عبداللہ حسنی ندوی
۲۰۰۶/۸/۳ء — استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مرکز کے قیام کے بعد مولانا کا مادی تعاون

مرکز کے قیام کے شروع میں مولانا کا مادی تعاون بھی حاصل ہوا، وہ اس طرح کہ حضرت مفکر اسلام کی طرف سے پچیس ہزار کی ایک رقم بھی عنایت فرمائی، جو ایک خاص مصرف میں استعمال کی گئی، خط وکتابت بھی مولانا سے رہی، مگر چونکہ فون کا زمانہ ہے، اس لئے زیادہ تر مسائل ملاقات یا فون پر حل ہوتے تھے، خط وکتابت کی نوبت کم ہی آئی، اس لئے مولانا کے ایک دو خط ہی محفوظ ہیں۔

مولانا سے خط وکتابت

ایک مرتبہ مدرسہ کی ترقی اور کارکردگی سے مولانا کو بذریعہ فیکس مطلع کیا، جس کا یہ جواب آیا:

محبّ عزیز ومکرم حفظہ اللہ ونفع بہ...... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
آپ کا فیکس پہنچ گیا، پھر ٹیلیفون سے بات بھی ہوگئی، اس لئے خط کی ضرورت نہیں تھی، لیکن رسید کے طور پر یہ چند سطریں ارسال کی جارہی ہیں، الحمدللہ کام اب چل پڑا، اللہ تعالی برکت عطا فرمائے، اخلاص اور صحیح محنت کی توفیق بخشے، آپ جب آئیں گے، تو بالمشافہ بات ہوجائے گی، باقی حالات بدستور ہیں۔ والسلام

دعا گو
۱۴۲۵/۶/۱۱ھ — عبداللہ حسنی ندوی

راقم کی کتاب افکار دل پر مولانا کی تقریظ

شوال ۱۴۳۱ھ کے شروع میں راقم رائے بریلی حاضر ہوا، وہاں مولانا نے راقم کی کتاب ''افکار دل'' پر مندرجہ ذیل تقریظ تحریر فرمائی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہمارا یہ دور فتنوں کا ہے، حدیثوں میں اس کی پیشین گوئیاں بہت ہیں، جن کا ظہور جا بجا ہو رہا ہے، سمجھنے والے سمجھ رہے ہیں اور اللہ کی توفیق سے محفوظ ہیں، اور مبتلا ہونے والے مبتلا ہوتے جا رہے ہیں، خاص طور سے ہمارا نوجوان طبقہ جس کے اندر سطحیت اور انفعالیت بہت بڑھی ہوئی ہے، جس کی وجہ سے وہ اس کا شکار زیادہ ہو رہے، اللہ تعالی ان کی حفاظت فرمائے۔

خوشی کی بات ہے کہ ان فتنوں سے بچانے اور فکری بے راہ روی سے محفوظ رکھنے کی جو کوششیں کی جا رہی ہیں، ان میں ہمارے نوجوان فاضل، صاحب قلم عزیز گرامی مولوی مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی بھی ہیں، جنھوں نے نوجوانوں کی مجلسیں سجا کر ان کو مختلف موضوعات پر تحریر و تقریر کے ذریعہ حقیقت آشنا بنانے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالی ان کی صحیح رہنمائی فرمائے اور صحیح رہنمائی کرنے کی توفیق دے، ان کی مختلف تقریروں کا یہ مجموعہ ''افکار دل'' جو اشاعت پذیر ہونے جا رہا ہے، اللہ تعالی اس کے نفع کو عام کرے اور قبول فرمائے اور مزید توفیق سے نوازے۔

۵ر شوال ۱۴۳۱ھ — عبد اللہ حسنی ندوی

۱۵ر ستمبر ۲۰۱۰ء بروز بدھ — استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مولانا نے راقم کی کتاب تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب پر تمہید لکھ کر افتتاح کیا

اسی دن راقم کی دوسری کتاب ''تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری'' کے لئے یہ تمہید لکھ کر اس کا افتتاح کیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ الطاھرین وصحبہ الغر المیامین وعلی من تبعھم بإحسان إلی یوم الدین:

''اللہ تعالی کا بڑا کرم اور احسان اس آخری دور والوں پر یہ ہے کہ اس مالک ومختار نے ان کو ایسی کتاب عطا فرمائی، جو آج تک بھی اپنی نور افشانی اور ضیاء پاشی کے ساتھ موجود ہے، اور دوسری طرف اس کے حامل اشخاص کا تسلسل قائم ہے، جس کی وجہ سے یہ آخری دین اپنی پوری توانائی اور قوت کے ساتھ باقی اور نسل انسانی کی رہنمائی کے لیے کامل پیغام اور مکمل نمونہ رکھتا ہے۔

ان برگزیدہ ہستیوں میں مغربی یوپی کی معروف ومشہور شخصیت جن کی روحانیت وبزرگی، للّٰہیت واخلاص اور بے نفسی وتواضع تمام بزرگوں میں معروف ومسلم رہی ہے، اور جن کے فیض سے بڑے بڑے بزرگ مستفید ہوئے جن کا نام نامی شیخ المشائخ، قدوۃ الاتقیاء حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم رائے پوری ہے، اب جب کہ یہ حضرات دنیا میں نہیں ہیں، ان کے فیض کو عام کرنے کے لیے ضرورت تھی کہ ان کے سوانح اور حالات زندگی قلمبند کئے جائیں، اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اب حضرت شاہ صاحب کی مستقل سوانح لکھی جا رہی ہے تا کہ اس میخانہ سے وہ حضرات بھی جرعہ نوشی کر سکیں جو براہ راست استفادہ سے محروم رہے ہیں، اللہ تعالی قبول فرمائے'' یہ کتاب خانقاہ رائے پور سے چھپی ہے، اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا، ایک ایڈیشن کراچی سے بھی شائع ہوا۔

مولانا کی غریب خانہ پر حاضری

مولانا عبد اللہ صاحب کا جب بھی علاقہ میں آنا ہوتا، تو ہمارے یہاں ضرور تشریف لاتے، چاہے تھوڑی دیر کے لئے ہی کیوں نہ ہو، اس طرح سال میں ایک دو مرتبہ تو آنا

ہوہی جاتا، ادھر کئی سالوں سے راقم نے یہ درخواست کررکھی تھی کہ ایک شب کا قیام بلاشرکت غیرے چاہئے، جب بھی کہتا تو فرماتے کہ ابھی ٹائم نہیں، بعض مرتبہ یہ بھی خیال آتا کہ عجیب بات ہے، ہمارے سے تعلق بھی ہے اور پھر شب کا قیام نہیں دے رہے، اور طرح طرح کے وسوسے ذہن میں آتے اور یہ بھی درخواست کررکھی تھی کہ میرے بچوں کی بسم اللہ بھی کرادیجئے! مگر امسال رمضان سے قبل جب مدرسہ میں چھٹی ہوچکی تھی، ۱۶ر شعبان ۱۴۳۴ھ کو معلوم ہوا کہ مولانا چھتمل پور تشریف لارہے ہیں، مولانا کو فون کیا اور معلوم کرنا چاہا، مولانا نے بتلایا ہم چھتمل پور آرہے ہیں، ملاقات کی اجازت چاہی، فرمایا کہ ضرور، جیسے ہی ہم لوگ چھتمل پور جامعہ کاشف العلوم میں حاضر ہوئے، خود ہی فرمانے لگے کہ تمہارے یہاں لیٹے وبیٹھنے کی جگہ ہے، میں نے عرض کیا بالکل ہے، بعض حضرات نے کہا کہ ہمارے یہاں ٹھہر جائیے، تو مولانا نے خود ہی جواب دیا کہ ان کا کئی سال سے وعدہ ہے، ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔

مولانا کی غریب خانہ پر حاضری اور راقم کے بچوں کی بسم اللہ

مغرب سے قبل مرکز پہنچ گئے، مولانا کے ساتھ نومسلم عبداللہ بھائی، مولانا نجیب الحسن صدیقی اور مولانا نور محمد ندوی ہماچلی تھے، رات میں قیام رہا، صبح کو گھر پر ناشتہ کے بعد میرے بچوں امامہ عزیزی اور عبداللہ عزیزی کی بسم اللہ کرائی اور پھر دعا کرائی، اور دونوں بچوں کو سوسو روپئے انعام کے دیئے، اس طرح مولانا نے ایک تمنا اور خواہش کو بے طلب اور بے گماں بنا کر اور بھی لذیذ بنا دیا اور ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل فرمادی، جس کا ظاہری فائدہ تو ہمیں یہ محسوس ہوا کہ ہمارے مرکز کے سامنے جو سڑک ہے، اس پر گند رہتا تھا، اسی دن سے الحمد للہ اس پر گند نہیں ہے، یہ تو ظاہری فائدہ محسوس ہوا، باطنی کیا فائدہ ہوا ہوگا، یہ تو اہل باطن ہی جانے، بہر حال حضرت مولانا عبداللہ حسنی کی

شفقتیں اور محبتیں "لاتعدو لاتحصی" ہیں، اللہ تعالی آپ کو اپنی شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے۔

مولانا کی ولادت باسعادت اور تعلیم وتربیت

مولانا کی پیدائش ۲۹ر جنوری ۱۹۵۷ء میں ہوئی، اور تعلیم کی تکمیل ندوۃ العلماء میں ہوئی، اور ۱۹۷۸ء سے ندوہ میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، مولانا فرماتے تھے جس روز ہم درجے میں پہلی مرتبہ پڑھانے گئے تو چونکہ طلبہ عمر میں ہمارے سے بڑے تھے، تو ہماری ٹانگیں کانپ رہی تھیں، مگر پھر اللہ تعالی کے فضل سے کبھی کوئی پریشانی نہیں آئی، ندوہ میں مختلف فنون کی کتابیں پڑھائیں اور حدیث کی خاص طور سے، اس لئے استاد حدیث سے معروف ہوئے "الرائد" کے بھی مدیر تحریر رہے، اوراس کے اداریئے ایک خاص انداز میں تحریر فرماتے، جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تحریر کا اقتباس ضرور ہوتا، جس سے اپنی بات کو قوی اور مدلل کرتے تھے۔

حضرت مفکر اسلام کی خدمت اور اجازت وخلافت

جس سال حضرت کی وفات ہوئی، حضرت کی خوب خدمت کی، خاص طور سے جب حضرت مفکر اسلام وضو فرماتے، وضو کے عمل میں برابر شریک رہتے، بلکہ پیر تو خاص طور سے آپ ہی دھلواتے تھے، اور حضرت بھی پیر کسی اور سے دھلوانا پسند نہ کرتے، آٹھ نو مہینے پوری پابندی سے آپ نے یہ خدمت انجام دی، اور پھر مفکر اسلام نے آپ کو اجازت بیعت عطا فرمائی اور چند آنے والے لوگوں کو بیعت کرنے کی ہدایت فرمائی، راقم اس وقت موجود تھا، اس لئے راقم کی ڈائری میں اس طرح مذکور ہے:

"آج ۵ر رمضان ۱۴۲۰ء مطابق ۱۴ر دسمبر ۱۹۹۹ء بروز منگل بعد نماز ظہر مہمان خانہ

میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی نے مولانا عبداللہ حسنی ندوی کو بیعت
اجازت مرحمت فرمائی، اللہ تعالی استقامت نصیب فرمائے، اور زیادہ سے زیادہ دعوت
وارشاد اور اصلاح امت کا کام ان سے لے لے، آمین' اس طرح اللہ تعالی نے علم ظاہر
کے ساتھ علم باطن سے بھی آپ کو نواز دیا تھا، اس کے بعد تو مولانا عبداللہ صاحب اپنی
تقریر وتحریر میں حضرت کی باتوں کو جو نقل فرماتے تو جوش میں نام لینے کے بجائے یہ فرماتے
کہ ہمارے حضرت مولانا نے یہ فرمایا، یہ اتنا عام ہوگیا تھا کہ بعض نئی جگہ بھی جہاں پہلے
سے کوئی تذکرہ نہ ہوتا وہاں بھی اسی انداز میں فرمادیتے کہ ہمارے حضرت مولانا نے یہ
فرمایا، یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالی نے مولانا کی زبان اور باتوں میں بلا کی تاثیر پیدا فرمادی تھی
جو اثر کئے بغیر نہیں رہتی تھی۔

مولانا کی علالت اور راقم کا خواب

امسال عید کے بعد سے ہی مولانا کی طبیعت خراب تھی، بلکہ وہ زبردست مسحور تھے،
جس کی وجہ سے دوسری بیماریاں شروع ہوگئیں، مگر مولانا کی استقامت اور عزیمت دیکھئے
کہ اخیر تک صبر وشکر کے ساتھ رہے، زبان پر شکوہ شکایت کی بات تک نہ آئی، راقم کو ایک
خواب آیا جس میں حضرت مفکر اسلام کو دیکھا کہ حضرت تکلیف محسوس کررہے ہیں، یہ
خواب تفصیل سے لکھ کر مرشدی ومولائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو لکھ بھیجا،
جس کا جواب حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل آیا:

عزیز مکرم مولوی مسعود عزیزی ندوی صاحب سلمکم اللہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، آپ کا خط جو کچھ دنوں قبل آیا تھا، میں مصروف تھا،
جواب فوراً نہ لکھ سکا، پھر آپ آئے ملاقات ہوئی، آپ نے خط کا ذکر کیا، میرا ذہن اس

وقت خواب کے تذکرہ کی طرف نہیں گیا، میں نے خط پہنچنے کا صرف تذکرہ کیا، خواب کے
سلسلہ میں آپ جواب چاہتے ہوں گے، خواب دراصل اشارے ہوتے ہیں، وہ اصل چیز
نہیں ہوتے، حضرت مولانا کی تکلیف آپ نے خواب میں دیکھی، وہ بزرگ شخص تھے،
وہاں ماشاء اللہ آرام سے ہوں گے، تکلیف اور رونا دراصل وہاں سے تعلق نہیں رکھتا، وہ
اس دنیا سے تعلق رکھتا ہے، گذشتہ دنوں میں ان کے عزیز پوتے مولوی عبداللہ حسنی سلمہ پر
دشمنوں نے ایسا سحر کردیا تھا کہ وہ سخت تکلیف میں خاصی مدت سے مبتلا ہیں، جن کی فکر ہم
سب کو تھی، ہم سب کے دل ان کی تکلیف کو محسوس کرتے تھے، یہی اثر مولانا پر پڑ رہا ہوگا،
جو ان کے اظہار تکلیف سے خواب میں نظر آیا، خواب اس لحاظ سے اچھا ہے، اس سے
مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے پوتے مولوی عبداللہ حسنی سے تعلق ظاہر ہوتا ہے، اللہ تعالی اپنے
فضل سے نوازے۔ والسلام

مخلص

محمد رابع حسنی ندوی — ۱۴۳۴/۲/۹ھ

ندوۃ العلماء لکھنؤ — ۲۰۱۲/۱۲/۲۴ء

مولانا عبداللہ حسنی صابر وشاکر تھے

عیدالاضحیٰ سے قبل لکھنؤ سے ایک ساتھی کا فون آیا کہ مولانا عبداللہ حسنی ندوی کی طبیعت
زیادہ خراب ہے، ان کو علاج کے لئے ممبئی لیجایا گیا ہے، میں نے فوراً فون ملایا، مولانا سے
بات کی، میں نے عرض کیا کہ حضرت معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے، فرمایا کہ طبیعت
زیادہ خراب نہیں، لوگوں نے شہرت زیادہ کردی، پھر عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر کاندھلہ میں
حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے یہاں مولانا سے ملاقات ہوئی، طبیعت
معلوم کی، معلوم تو ہورہا تھا کہ طبیعت ٹھیک نہیں، اور مولانا پریشان ہیں، مگر شکایت ان کی

زبان پر اس وقت بھی معلوم نہ ہوئی، پھر انتقال سے کچھ دن پہلے مغرب بعد مولانا کو فون کیا، تو مولانا کی آواز میں زبردست اضمحلال تھا، اتنی مدھم اور کمزور آواز جب سنی، تو دل بھر آیا، اور مولانا سے سلام کر کے اور خیریت پوچھ کے کچھ بات نہ کر سکا کیونکہ اپنے پر قابو نہ رہا کہ فون بند کر دیا، اس لئے کہ اس سے پہلے ایسی کمزور اور مایوس کن آواز نہیں سنی تھی، اس وقت بہت خطرہ محسوس کیا، مگر پھر بھی انداز نہ تھا کہ یہ نعمت اتنی جلدی چھن جائے گی، اگرچہ اللہ کا نظام متعین ہے، مگر ظاہر میں بندوں کے حساب سے یہ واقعہ خلاف توقع تھا۔

مولانا کی وفات

چنانچہ ۳۰؍جنوری ۲۰۱۳ء بدھ کو یہ روح فرسا خبر ملی کہ جس حادثہ کا خدشہ تھا وہ پیش آ گیا، اور حضرت مولانا عبداللہ حسنی ندوی اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، کچھ سمجھ میں نہ آیا، تھوڑا صبر سے کام لیکر فوراً تمام طلبہ واساتذہ کو مسجد میں جمع کر کے قرآن شریف ختم کرایا، پھر ایصال ثواب کیا گیا، اس کے بعد تعزیتی مجلس منعقد کر کے مولانا کی خصوصیات وامتیازات پر کچھ روشنی ڈالی گئی، رائے بریلی کیلئے ٹکٹ فوراً نہ مل سکا، جمعہ کے دن کا ملا۔

مولانا کے قبر پر حاضری

۲؍فروری سنیچر کی صبح رائے بریلی پہنچنا ہوا، اور مولانا کی قبر پر حاضری ہوئی، ایصال ثواب کیا، مرشدی ومولائی حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب سے ملاقات ہوئی، مولانا واضح صاحب، مولانا بلال صاحب اور مولانا محمود حسنی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی اور تحریری طور پر تعزیت مسنونہ پیش کی، اگرچہ تعزیت کے تو خود ہی محتاج ہیں کہ مولانا سید عبداللہ حسنی صاحب جیسا مربی تو ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گا، پھر اسی روز شام کو نوچندی

سے واپسی ہوگئی۔

مولانا کے حالات پر نقوش اسلام کا خصوصی نمبر

حضرت مولانا عبداللہ صاحب حسنی ندوی صاحب چونکہ "مرکز احیاء الفکر الاسلامی" کے صدر اور راقم کے محسن ومربی اور "نقوش اسلام" کی مجلس مشاورت کے رکن رکین تھے، اس لئے مولانا کے حالات پر "نقوش اسلام" کا خصوصی شمارہ نکال کر ان کی خدمت میں ادنی سا خراج عقیدت پیش کیا ہے، اصل خراج عقیدت تو یہ ہے کہ مولانا جس مشن، جس فکر اور جس پیغام کو لیکر چل رہے تھے اس کو آگے بڑھایا جائے، اور اس سلسلہ میں پیش قدمی کی جائے، اور مولانا کے کاموں کو زندہ رکھا جائے، چنانچہ عملاً مولانا کے تمام کاموں کی دیکھ ریکھ اور نگرانی مولانا کے برادر اصغر استاذ محترم مولانا سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی کے سپرد کی گئی ہے، اس طرح وہ صحیح معنی میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے جانشین قرار پائے، اللہ تعالی موصوف کی نصرت ومدد فرمائے، اور ان کا سایہ تادیر قائم فرمائے، اللہ تعالی حضرت مولانا عبداللہ صاحب حسنی ندوی کے درجات کو بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اصغر صاحبؒ☆

ولادت: ۱۳۳۹ھ مطابق ۱۹۲۱ء - وفات: ۱۴۳۴ھ مطابق ۲۰۱۳ء

حضرت مولانا بہت ہی مخلص اور جفاکش تھے

حضرت مولانا محمد اصغر صاحب ایک شریف النفس، نیک طبیعت، نیک خصال، اللہ کے برگزیدہ بندے تھے، انہوں نے اپنی زندگی اللہ ورسول کے فرامین اور اسلامی تعلیمات کے عام کرنے اور طالبان علوم نبوت کو سیراب کرنے میں گزار دی، وہ مرنجا مرنج طبیعت کے ساتھ بے ہمہ ایسے تھے کہ باہمہ ہو گئے تھے، وہ خوددار بھی تھے، بامروت باوقار اور بارعب بھی، ان کے انداز رفتار وگفتار میں بلا کی تواضع تھی، مزاج میں سادگی تھی، دینی وعلمی باتوں میں تیقظ اور بیداری تھی، وہ بہت ہی مخلص، جفاکش اور اپنے کام سے کام رکھنے والے تھے۔

مولانا کی پیدائش اور تعلیم وتربیت اور تدریس

حضرت مولانا کی کتاب زندگی کا ورق ۲۱ر شعبان ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰ر اپریل ۱۹۲۱ء جمعہ کے دن مجاہد پور ضلع سہارنپور میں کھلا، ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی، پھر قرآن مجید اور عربی کی ثانوی اور متوسطات تک کی تعلیم جامعہ اسلامیہ ریڑھی میں حاصل کی اور اعلی تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، اور ۱۳۶۱ھ میں فراغت حاصل کی، فراغت کے بعد سے مادر علمی ہی میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا جو ۲۷ر سال پر ممتد رہا اور جامعہ کے ایک چھوٹے سے استاد سے شیخ الحدیث کے منصب جلیل تک پہنچے اور درس

☆ یہ مضمون حضرت مولانا محمد اصغر حسین صاحب کی وفات کے بعد ان کے بیٹے مولانا عبدالخالق صاحب کی خواہش پر لکھا، جو حضرت کی سوانح میں بھی شامل ہے۔

نظامی کی تمام ہی کتابوں کا درس دیا، ساتھ ہی میں موضع تاجپورہ کی جامع مسجد میں مسلسل ساٹھ سال تک امامت وخطابت کے فرائض انجام دئے۔

والد صاحب سے خاص تعلق اور بے تکلفی تھی

والد صاحب حافظ عبدالستار عزیزی چونکہ جامعہ اسلامیہ میں چھ سات سال تک مدرس ریاضی کی حیثیت سے رہے، تو وہاں سابق مہتمم مولانا محمد عمر صاحب مجاہد پوری کے علاوہ جن حضرات سے خاص بے تکلفی تھی، ان میں مولانا محمد اصغر صاحب بھی تھے۔

مولانا کی بعض خصوصیات

والد صاحب مولانا کی بعض عجیب خصوصیات نقل کرتے ہیں کہ مولانا کی یہ عادت اور خصلت بہت کے تجربہ میں ہوگی کہ وہ سلام کرنے میں پہل کرتے تھے، سامنے والے کو سلام کرنے کا موقع ہی نہیں دیتے، ایسی چستی اور پھرتی سے سلام کرنے میں سبقت کرتے تھے، کہ سامنے والا سوچتا ہی رہ جاتا تھا اور مولانا کا یہ معمول سب کے ساتھ تھا، جس کو جانتے تھے اس کے ساتھ بھی اور جس کو نہیں جانتے تھے اس کے ساتھ بھی، دوسرے مولانا راستے کے کنارے چلتے تھے، نگاہیں نیچی رہتی تھیں، والد صاحب یہ بھی بتلاتے ہیں کہ ان کی چونکہ مجھ سے بے تکلفی تھی، اس لئے اگر کبھی چائے کا تقاضہ ہوتا تو وہ ایک چھوٹی سی پرچی لکھ کے بھیج دیا کرتے تھے، اور میرے علاوہ کسی سے چائے پینا پسند نہیں کرتے تھے، یہ ان کے خاص تعلق کی بات تھی، شروع میں چونکہ وہ بعض انتظامی امور میں بھی شریک رہتے تھے، والد صاحب فرماتے ہیں کہ جب میرا ریڑھی میں تقرر ہوا، تو جیسا کہ طرفین سے شرطیں لگائی جاتی ہیں، میں چونکہ داڑھی کٹواتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ میں داڑھی کٹواؤں گا، اس پر مولانا اصغر صاحب نے فرمایا کہ آپ دن میں چاہے دس مرتبہ داڑھی

کٹوانا، ہمیں تو آپ سے ریاضی پڑھوانا ہے، والد صاحب فرماتے ہیں کہ ان کے ان کلمات میں ایسا جادو اور ایسی تاثیر تھی کہ میں نے اسی وقت عہد کرلیا تھا کہ اب انشاء اللہ داڑھی نہیں کٹاؤں گا، یہ اور اسی طرح کی بہت سی خصوصیات مولانا میں اللہ تعالی نے ودیعت فرمائی تھیں۔

راقم کی حضرت سے ملاقات

مولانا سے راقم کی بھی کئی مرتبہ ملاقات ہوئی، ایک مرتبہ غالبًا ۲۰۰۱ء میں حضرت کے داماد قاری جمشید علی کے گھر جانا ہوا، تو اس وقت حضرت کے دولت خانہ پر حاضری ہوئی، حضرت تو بیمار تھے، چائے پینا کچھ یاد پڑتا ہے۔

مولانا بہت متواضع تھے

مولانا جس ادارے میں شیخ الحدیث تھے وہ برادری کا بڑا مدرسہ ہے، مگر انہوں نے جس خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ بغیر کسی نام ونمود اور شہرت کے پون صدی قال اللہ وقال الرسول کرتے گزاردی، یہ خاصان خدا ہی کا معاملہ ہے اور اللہ کے برگزیدہ اور منتخب بندوں کا شیوہ ہے کہ انہوں نے "من تواضع للّٰہ رفعه اللّٰہ" کی عملی تصویر اور تفسیر بن کرامت کو دکھادیا، ان کے ہزار ہا شاگرد ملک اور بیرون ملک دین وایمان کی خدمات انجام دے رہے ہیں، جو ان کے لئے صدقہ جاریہ ہے، اور ان کے باقیات صالحات میں شمار ہونے کے لائق ہے۔

مولانا کی مقبولیت اور وفات

اللہ تعالی نے ان کو جو مقبولیت اور محبوبیت دی تھی اس کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے

کہ ۲۶؍جنوری ۲۰۱۳ء بروز سنیچر ان کی نماز جنازہ ہوئی، اس میں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر تھا، مشاہدین کا کہنا ہے کہ لاکھوں آدمی ہوں گے، اللہ تعالی نے ان کو اولاد بھی نیک صالح دی، جن میں بہت برکت ہوئی کہ خاندان کے افراد کی تعداد سو سے متجاوز ہوگئی جن میں ۲۹؍حافظ اور ۱۰؍عالم دین ہیں، اللہ تعالی مولانا کو غریق رحمت کرے اور درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

❁❁❁❁

حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلویؒ☆

ولادت: ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء - وفات: ۱۴۳۵ھ مطابق ۲۰۱۴ء

مولانا کی وفات

یہ بات صحیح ہے کہ ہر چیز کے جانے کے بعد اس کی قدر اور اہمیت معلوم ہوتی ہے، حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب کاندھلوی کا معاملہ کچھ ایسا ہی ہوا، وہ کس مقام کے حامل تھے، ان کے معمولات کیا تھے، کس طرح وہ بچپن سے زندگی گزار رہے تھے، تلاوت کلام پاک کے وہ کس قدر عاشق اور اپنے معمولات کے کس قدر پابند تھے، اس کا کم لوگوں کو اندازہ تھا، چونکہ وہ اپنی دعوتی اور تبلیغی مشغولیتوں میں مصروف تھے اور اپنے بھاری بھرکم جسم کی وجہ سے زیادہ تر دہلی ہی میں قیام پذیر ہوتے تھے، کسی کو خیال بھی نہیں تھا کہ وہ اس طرح ایک دم سے جدا ہو جائیں گے، وفات سے تقریباً ایک ماہ قبل وہ خود سہارنپور حضرت مولانا طلحہ صاحب کی تیمارداری کے لئے تشریف لائے تھے، ان کو کیا کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ تیمارداری کرنے والا خود ایک ماہ کے بعد سفر آخرت پر روانہ ہو جائے گا، چنانچہ حضرت مولانا زبیر صاحب ۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۸/ مارچ ۲۰۱۴ء منگل کے روز دہلی کے رام منوہر لوہیا ہسپتال میں اس دارفانی سے کوچ کر گئے۔

مولانا ولی کامل تھے

راقم اس وقت جنوبی افریقہ کے شہر دربن میں تھا، ان کے لئے دعائیں کیں اور ان سے ایک ماہ قبل کا مصافحہ اور ملاقات یاد آ گئی اور اس بات پر یقین کامل ہو گیا کہ انسان کی حقیقت

☆ یہ مضمون پاکستان کے ایک عالم دین کی خواہش پر لکھا گیا تھا جنہوں نے مولانا زبیر صاحب پر ایک کتاب ترتیب دی تھی۔

یہ ہے کہ کچھ پتہ نہیں کس وقت اس کا چراغ گل ہو جائے، حضرت مولانا کے متعلق نئی نئی معلومات موبائل کے ذریعہ سے معلوم ہوتی رہیں، اور اس جوہر گرانمایہ شخصیت کے سلسلہ میں عجیب عجیب معلومات اور واقعات معلوم ہوئے اور یہ یقین ہو گیا کہ وہ تو ولی کامل تھے۔

مولانا کی پیدائش اور تعلیم و تربیت

مولانا زبیر الحسن صاحب کی پیدائش ۱۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۶۹ھ مطابق ۳۰/ مارچ ۱۹۵۰ء کو کاندھلہ میں ہوئی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری نے بسم اللہ کرائی، ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی، پھر ۱۵/ شوال ۱۳۸۵ھ مطابق ۶/ فروری ۱۹۶۶ء میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا، اور دورہ حدیث تک کی تعلیم مکمل کی، اور ۱۳۹۰ھ میں سند فراغ حاصل کی۔

سلوک و طریقت اور اجازت و خلافت

اس کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی سے بیعت ہو گئے، اور سلوک و طریقت کے منازل طے کرنے شروع کر دئے، یہاں تک کہ حضرت شیخ نے آپ کو ۳/ ربیع الاول ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۰/ فروری ۱۹۷۸ء میں مدینہ منورہ میں اجازت بیعت عطا فرمائی، اس کے بعد خود آپ کے والد ماجد حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی نے بھی اجازت بیعت مرحمت فرمائی، مزید مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ نے بھی آپ کو ۱۳/ جون ۱۹۹۹ء میں خلافت عطا فرمائی۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد درس و تدریس اور دعوت کے کام کی فکر

مظاہر علوم سے فراغت کے بعد مرکز کے مدرسہ کاشف العلوم میں درس و تدریس کا

سلسلہ شروع فرمادیا، ۲۵رشوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۱۵رجنوری ۱۹۶۹ء میں حضرت شیخ کی نواسی مولانا حکیم محمد الیاس صاحب کی بیٹی سے آپ کا عقد مسنون ہوا، جن کے بطن سے چھ اولاد ہوئیں، آپ نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی وہاں رات دن دعوت وتبلیغ کا چرچا تھا، اسی ماحول میں آپ پروان چڑھے، اسی لئے آپ کے رگ وپے میں ہر وقت دعوت وتبلیغ کی فکر رچ بس گئی تھی۔

راقم کے نام مولانا کا ایک خط

حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی وفات پر راقم نے ایک خط لکھا تھا، جس کا جواب حضرت مولانا زبیر صاحب نے تحریر فرمایا، اس میں بھی دعوت کے کام کی فکر کا ذکر ہے، خط مندرجہ ذیل ہے:

۱۶ررمضان المبارک ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۶رجنوری ۱۹۹۷ء

مکرم بندہ محمد مسعود صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہوکر کاشف احوال ہوا، اللہ تعالی آپ کو دارین کی ترقیات سے نوازے اور مقاصد خیر میں کامیابی عطاء فرمائے، آمین۔

امید ہے کہ اپنی تعلیمی مصروفیت کے ساتھ آپ کی دعوت کے کام میں اہتمام سے شرکت ہورہی ہوگی، اللہ تعالی آپ کو عامل قرآن، سنت کا علمبردار اور دین کا داعی بنائے، آمین فقط۔ والسلام

بندہ زبیر الحسن غفرلہ

آپ پوری زندگی دعوت وتبلیغ سے وابستہ رہے

چنانچہ آپ اپنی پوری زندگی دعوت وتبلیغ سے وابستہ رہے، اس کے لئے اپنے آپ کو

وقف کردیا، اور دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ہندو اور بیرون ہند کے مختلف ملکوں کے متعدد سفر کئے، یہ فکر اور یہ سوچ آپ کو وراثت میں ملی تھی، کیونکہ آپ کے والد نے پوری زندگی دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں ختم کردی، اور اسی راہ میں جان جان آفریں کے سپرد کردی، مولانا زبیر صاحب ایک نیک طبیعت، بزرگ صفت، متحمل مزاج، سنجیدہ، متین، دینی فکر میں ڈوبے ہوئے عالم دین اور داعی تھے، آپ کی طبیعت کا خاموش سمندر دینی اوردعوتی فکر کے سلسلہ میں زبردست سیل رواں تھا، جو ایک خلق کثیر کو فیضاب کررہا تھا، اللہ تعالی آپ کو اس کا بہترین اجر عطا فرمائے۔

مولانا سے آخری ملاقات

حضرت مولانا زبیر الحسن صاحب سے آخری ملاقات ومصافحہ جیسا کہ عرض کیا کہ وفات سے ایک ماہ قبل کچے گھر میں حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے پاس ہوا، جب کہ وہ حضرت مولانا طلحہ صاحب کی تیمارداری کی لئے سہارنپور آئے ہوئے تھے۔

مولانا ذاکر وشاغل اور کثیر التلاوۃ تھے

حضرت مولانا زبیر صاحب ایک ذاکر وشاغل اور کثیر التلاوۃ انسان تھے، ان کی جوانی ہی کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ جب حضرت شیخ نے ایک رمضان مرکز میں گزارا، تو آخری دن حضرت مولانا انعام الحسن صاحب نے ایک پرچہ حضرت شیخ کو پیش کیا، جس میں لکھا ہوا تھا کہ زبیر نے امسال رمضان میں ۶۰رقرآن شریف پڑھے، یہ ان کے بچپن کا واقعہ ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بچپن سے ہی ان کی طبیعت میں نیکی وصلاح اور بزرگی تھی:

بالائے سرش زہوشمندی
می تافت ستارۂ بلندی

اس دنیا میں جو بھی آیا ہے، اس کو اپنے رب سے انعام پانے کے لئے ایک نہ ایک دن اس دنیا کو خیر باد کہنا ہوتا ہے، اسی لئے یہی راہ حضرت مولانا زبیر صاحب کو بھی اختیار کرنی پڑی، اور وہ بھی اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے، اللہ تعالی ان کے درجات کو قبول فرمائے، اور ہم لوگوں کو اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا عبدالباری بھٹکلی ندویؒ☆

ولادت: ۱۳۱۸ھ مطابق ۱۹۶۱ء - وفات: ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

مولانا عبدالباری ندوی کی وفات

۱۷رفروری ۲۰۱۶ء کو فیس بک کے ذریعہ معلوم ہوا کہ آج ابھی ابھی جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے مہتمم، جامع مسجد بھٹکل کے امام وخطیب، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے خلیفہ مجاز اور جنوبی ہند کے ہر دلعزیز عالم دین مولانا عبدالباری ندوی کی وفات ہوگئی، ایک دم یقین بھی نہ آیا، مگر حضرت انسان کی حقیقت ہی کیا ہے، پانی کے بلبلہ کی طرح، کس وقت پھوٹ جائے، کچھ پتہ نہیں، اس لئے یقین کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا، کچھ دنوں سے یہ تو خبریں موصول ہو رہی تھیں کہ مولانا عبدالباری صاحب کسی مہلک مرض میں مبتلا ہیں، زیر علاج ہیں، مگر اس حقیقت کے بارے میں علم نہیں تھا کہ ابھی وہ چلے ہی جائیں گے گو کہ اس حقیقت یعنی موت کی حقیقت سے کسی کو رستگاری نہیں، کس وقت آجائے اور آدمی کو جانا پڑ جائے، بہر حال اس دنیا میں جو بھی آیا ہے وہ جانے کے لئے ہی آیا ہے، اس لئے اس دنیا کو ہر آدمی کا چھوڑنا ایک امر یقینی ہے، مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے پر افسوس ہوتا ہے، اور وہ اپنے پیچھے ایک ایسا خلا چھوڑ جاتے ہیں جس کا پر ہونا آسان نظر نہیں آتا، اسی طرح کی کچھ خصوصیات اور صفات مولانا عبدالباری ندوی کے اندر تھیں، اللہ تعالی نے ان کو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ باطنی صفات سے بھی نوازا تھا۔

☆ یہ مضمون مولانا ناصر اکرمی ندوی کی خواہش پر ماہنامہ ''طیبات'' کے خصوصی نمبر بیاد حضرت مولانا عبدالباری ندوی بابت مارچ/اپریل ۲۰۱۶ء کے لئے لکھا تھا۔

مولانا سے پہلی ملاقات

مولانا عبدالباری سے پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب ۲۴/ ۲۵رفروری ۲۰۰۷ء کومولانا ابوالحسن علی ندوی اسلامک اکیڈمی بھٹکل کے زیر اہتمام آل انڈیا مسلم منیجمنٹ اسکولس وکالجز کے ذمہ داروں کا دوروزہ کل ہند سمینار منعقد ہوا تھا، اور راقم کا مولانا محمد الیاس صاحب ندوی کی دعوت پر اس پروگرام میں شرکت کے لئے جانا ہوا تھا، اس وقت مولانا عبدالباری صاحب سے ملاقات ہوئی تھی ، میں ان کی ملاقات سے متأثر ہوا تھا، بھٹکل سے واپسی پر جب راقم نے سفرنامہ لکھا تو اس میں چار جگہ پر مولانا کا تذکرہ آیا، وہ اس طرح سے کہ ۲۳رفروری ۲۰۰۷ء کو جامع مسجد بھٹکل میں نماز جمعہ ادا کرنے کا موقع ملا، اس کے بارے میں سفرنامہ میں تحریر ہے:

''جمعہ کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھنے کا نظم کیا گیا تھا، یہ جامع مسجد ۸۵۱ھ میں تعمیر کی گئی تھی، چنانچہ وہاں ہم نے مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کی، خطبہ میں مولانا موصوف نے واقعہ ہجرت کو بیان کیا اور جمعہ کی نماز کے بعد اس کا اردو میں ترجمہ پیش کیا، ہجرت کے واقعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غار کے اندر ہونے اور مشرکین کے آنے سے پہلے مکڑی کے جالا بننے اور کبوتری کے انڈے دینے اور پھر اس کے بعد سراقہ ابن مالک بن جعشم کی سواری کے پاؤں زمین میں دھنسنے کے واقعہ سے یہ نکتہ بیان کیا کہ اللہ تعالی دعوت وتبلیغ کا کام کرنے والوں کی ایسے ہی حفاظت کرتا ہے اور وہ لوگ کسی بھی موقع پر ضائع نہیں ہوتے، نماز جمعہ کے بعد مولانا سے مصافحہ وملاقات اور تعارف ہوا، مولانا ''نقوش اسلام'' کے واسطے سے اس نامہ سیاہ سے غائبانہ واقف تھے، اس لیے ملاقات میں اجنبیت کا احساس نہیں ہوا''۔

مولانا نے جامعہ اسلامیہ کا تعارف کرایا

ایک جگہ ذکر آیا کہ ''مغرب کی نماز کے بعد ایک چائے کی مجلس ہوئی، جس میں مولانا عبدالباری ندوی مہتمم جامعہ اسلامیہ نے جامعہ اسلامیہ بھٹکل کا مختصر تعارف کرایا، جس میں خاص طور پر انہوں نے یہ بتلایا کہ ابتداءً یہ جامعہ ایک طالب علم اور ایک استاذ سے ۱۹۶۲ء میں شروع ہوا، اور پھر ۱۹۷۴ء میں مستقل اس کا سنگ بنیاد جامعہ آباد میں کر کے اس کی عمارت تعمیر ہوئی، جس پر اس جگہ یہ جامعہ موجود ہے اور یہ ۲۲/ ایکڑ زمین ہے، اس ادارے کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے مولانا نے بتلایا کہ یہاں پر ۹۵رفیصد طلبہ بھٹکل کے اور باقی پانچ فیصد اطراف بھٹکل کے ہیں اور تمام طلبہ کھاتے پیتے گھرانوں کے ہیں، اس لیے تمام ہی طلبہ خوراکی فیس جمع کرتے ہیں، نیز یہ بھی بتلایا کہ فقہ شافعی یہاں کا امتیاز ہے، اور بھی اس سلسلے کی مولانا نے بہت سی باتیں بتلائیں''۔

مولانا بڑے متواضع اور سادہ انسان تھے

ایک جگہ جامعہ اسلامیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا کا ذکر آیا: ''اور مہتمم مولانا عبدالباری صاحب ندوی بڑے متواضع وعلمی اور سادہ انسان ہیں ، وہ بہت ہی محبت واخلاص سے پیش آئے اور اعلی اخلاق کا مظاہرہ کیا، جامعہ کے بارے میں ان سے تبادلہ خیال بھی ہوا، اس دوران انہوں نے جامعہ کی بہت سی خصوصیات بیان کیں''۔

بھٹکل کے علماء کی خصوصیات

مولانا عبدالباری صاحب ندوی سے مستقل ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے راقم نے لکھا تھا کہ: ''۲۷رفروری کی صبح ناشتہ کے بعد جامعہ اسلامیہ کے مہتمم مولانا عبدالباری

ندوی صاحب سے ان کے دفتر میں ملاقات کی اور بہت سی باتوں کے متعلق تبادلہ خیال ہوا، انہوں نے بھٹکل اور وہاں کے علماء کی بعض ایسی خصوصیات بیان کیں، جو دوسری جگہ کمیاب ہیں، ایک دوسرے کا لحاظ، آپس میں اتحاد واتفاق، ایک دوسرے کا اکرام، اپنی ذمہ داری کا احساس اور کام کرنے کا جذبہ اسی طرح بعض اوراہم باتیں بتلائیں، دیکھنے سے ان سب باتوں کا یقین بھی ہوا، مولانا کو راقم نے بعض اپنی کتابیں پیش کیں، جس پر مولانا خوش ہوئے اور بعض جامعہ اور ابنائے جامعہ کی کتابیں بھی عنایت کیں اور ایک عطر کی شیشی پیش کی''۔

مولانا عبدالباری کی ہمارے مرکز میں حاضری

یہ تأثرات ہیں مولانا سے پہلی ملاقات کے، اس کے ایک ماہ بعد ۲۳/ مارچ ۲۰۰۷ء کو ہمارے ادارے مرکز احیاء الفکرالاسلامی مظفر آباد سہارنپور میں اسلامیات کے طلبہ وطالبات کو انعامات دینے کا پروگرام تھا، جس میں بھٹکل کے علماء کا ایک وفد تشریف لایا تھا، جس کی قیادت مولانا عبدالباری صاحب ندوی فرمارہے تھے، چنانچہ مولانا عبدالباری صاحب ندوی نے پروگرام میں ایک پرمغز اچھا خطاب کیا، جس کا سامعین پر اثر پڑا، اور ہمارے علاقہ کے جن لوگوں نے اب سے پہلے بھٹکلی علماء کو نہیں دیکھا تھا وہ دیکھ کر حیران تھے کہ یہ لوگ کتنے سیدھے سادے، اللہ والے، سادہ مزاج لوگ ہیں، کیونکہ وہ سب سفید لباس میں ملبوس اور لنگیوں میں تھے اور ظاہر ہے مغربی یوپی کے سادہ لوح مسلمانوں کے لئے یہ ایک عجیب وغریب مخلوق لگ رہے تھے، بہرحال پروگرام ختم ہوا، کھانا کھایا، سب لوگوں نے رات میں یہیں قیام کیا، صبح کو ناشتہ کے بعد سرخیل علماء بھٹکل مولانا عبدالباری صاحب ندوی اپنے یہ تأثرات صفحۂ قرطاس پر نقل کر کے تشریف لے گئے:

مرکز کے متعلق مولانا کے تأثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسول الکریم

اما بعد! آج مورخہ ۴/ ربیع الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴/ مارچ ۲۰۰۷ء بروز سنیچر مرکز احیاء الفکرالاسلامی مظفر آباد سہارنپور یوپی میں بسلسلہ تقسیم انعامات مولانا سید ابوالحسن علی اسلامک اکیڈمی بھٹکل وجلسہ اصلاح معاشرہ کے لیے اپنے مؤقر رفقاء کرام کے ساتھ شرکت کا موقع ملا، جلسہ بڑا کامیاب رہا، حضرت مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی جو ماشاء اللہ خلیق اور بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، اس کے ذمہ دار ہیں اور انہی کے اشراف میں یہ مرکز بخوبی چل رہا ہے، بچوں اور بچیوں کے لیے الگ نظم، پھر ماہنامہ نقوش اسلام پرچہ جو ماشاء اللہ معیاری اور سلیقہ سے تسلسل کے ساتھ نکلتا ہے، یہ سب ان کی اور ان کے رفقاء کرام کی بہترین کاوشیں اور محنتیں ہیں، طلبہ اور طالبات نے اپنے اپنے پروگرام بھی پیش کئے جو یقیناً اساتذہ کرام کی محنت کے بین ثبوت تھے۔

اس جنگل کو ان حضرات نے اپنی جانفشانی سے یقیناً منگل کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے اور اس سرزمین کو بقعۂ نور بنادے، یہاں سے دور دور تک اس کی روشنی پھیلے اور اطراف واکناف ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان میں اس کے آثار نمایاں ہوں، اور ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے، اور مخلصین کی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین

والسلام

عبدالباری

مہتمم جامعہ اسلامیہ بھٹکل (کرناٹک)

یہ تھی نامہ سیاہ کی مولانا عبدالباری صاحب ندوی سے دوملاقاتیں، جن کی یہ مختصر سی روداد قارئین کے لئے نقل کردی۔

مولانا کی بعض خصوصیات

اللہ تعالی نے مولانا عبدالباری صاحب کو صلاحیت قابلیت، خطابت میں مہارت، شعری ذوق، ہنس مکھ مزاج، ظریفانہ طبیعت اور سلامتی طبع سے نوازا تھا، وہ پندرہ سال سے جامعہ اسلامیہ کے مہتمم تھے اور تیس سال سے جامع مسجد بھٹکل کے خطیب، انکے خطاب میں جامعیت، سلاست، لطافت اور ظرافت تھی، جس میں وہ اہم نکتے بیان کرتے تھے، بھٹکل کے اطراف میں لوگ ان کے قدر دارں تھے اوران کا ایک خاص مقام تھا، ہم نے اپنی آنکھوں سے ان میں جو سادگی دیکھی وہ یہ کہ وہ جامعہ اسلامیہ کے مہتمم، میر کارواں تھے مگر جب وہاں پروگرام ہورہا تھا تو وہ اسٹیج کی زینت بننے کی بجائے سامعین کی عام کرسیوں میں سے ایک کرسی پر بلاتکلف بیٹھے ہوئے ہمہ تن گوش تھے، اس کو ان کی تواضع کہئے یا سادگی، اس مادیت، حب جاہ اور حب مال کے دور میں اس طرح کی مثالیں کم ملیں گی، اللہ تعالی مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، ان کے سیئات کو حسنات سے مبدل فرمائے، اوران کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اوران کی خصوصیات کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی☆

ولادت:۱۳۴۵ھ مطابق ۱۹۲۷ء - وفات:۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

مفتی صاحب کی وفات

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد ظہور صاحب ندوی ۲۵؍ستمبر ۲۰۱۶ء اتوار کے روز اپنے پروردگار کے حضور حاضر ہوگئے، اللہ تعالی نے حضرت مفتی صاحب کے اندر گوناگوں خصوصیات رکھی تھیں، وہ ایک سادہ طبیعت انسان تھے، علم میں، صلاحیت میں، دانش مندی میں تو بہت سے لوگ مل جائیں گے مگر کمال اور خصوصیت کی بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب اپنی علمی قابلیت، اعلی صلاحیت، فقہی مہارت اور ذکاوت اوران سب کے ساتھ ایک عظیم ادارے کے نائب ناظم اور مفتی اعظم ہونے کے باوجود اتنے سادہ لوح اور سادہ مزاج تھے کہ کوئی تصور نہیں کرسکتا، یہی صفت ان کو اپنے طلبہ میں عوام وخواص میں مقبول بنائے ہوئے تھی، دیکھنے سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ اتنی عظیم اوراہم شخصیت ہے۔

مفتی صاحب بیدار مغز اور ہوشیار باش تھے

راقم نے حضرت مفتی صاحب سے ہدایہ رابع پڑھی ہے، ان کے پڑھانے کا بھی ایک مخصوص انداز تھا، بڑے تدبر اور غوروفکر کے ساتھ وہ اسباق پڑھاتے تھے، اور اپنے طلبہ کو ہنستے ہنساتے مطمئن کرنے کی کوشش کرتے، اہم سے اہم مسئلہ کو بھی چٹکیوں میں حل

☆ یہ مضمون مولانا محمد ساجد صاحب قاسمی کی فرمائش پر ''متاع کارواں'' کی خاص اشاعت کے لئے لکھا گیا تھا۔

فرماتے، طلبہ سوال کرتے تو ان کے چہرے کی مسکراہٹ میں ذرا بھی فرق نہیں پڑتا تھا، اگر بار بار بھی طلبہ سوال کرتے تو بھی مسکراتے ہوئے جواب دیتے، طالب علم خواہ کتنا بھی ہوشیار ہو، مگر وہ اساتذہ کے سامنے طفل مکتب ہی معلوم ہوتا ہے، اس لئے بعض طالب علم اپنی ہوشیاری میں اپنے حساب سے کوئی اہم الجھنے والا سوال کرتا تو مفتی صاحب مرحوم چند جملوں میں ہنستے ہوئے جواب دیتے اور آگے بڑھ جاتے، حاضر جوابی اور معاملہ فہمی کی اللہ تعالی نے زبردست صلاحیت دی تھی، اسلئے جس قدر دیکھنے میں مجذوب اور سادہ سے لگتے تھے، اسی قدر وہ ذہین، بیدار مغز اور ہوشیار باش تھے، بلکہ حقیقت میں وہ گدڑی میں لعل تھے، ان کی ساری علمی صلاحیت، انتظامی قابلیت پر ان کی سذاجت اس طرح غالب تھی کہ دیکھنے سے معلوم ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ بھی کوئی قابل قدر آدمی ہیں۔

مفتی صاحب کا کارنامہ

بہر حال دار العلوم ندوۃ العلماء میں انہوں نے وقت اور حالات کو دیکھتے ہوئے شرعی احکام وقوانین کی تفہیم وترویج کو بحسن وخوبی انجام دیا، اور امت میں اعتبار واعتماد کا درجہ دلایا، ندوہ کے شعبہ افتاء کو نہ صرف یہ کہ اپنی وسعت علمی، دور بینی اور دور اندیشی سے باثر وبافیض بنایا بلکہ اس میں زیر تعلیم طلبہ کو اپنی تربیت خاص سے تفقہ فی الدین کا ملکہ عطا فرمایا، اور ان کو ماہر بنایا، جو اس وقت ملک اور بیرون ملک ماہتاب وآفتاب بن کر فقہی وعلمی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

مفتی صاحب کی ممتاز خصوصیات

انہوں نے اپنی زندگی کا سارا قیمتی سرمایہ ندوہ کے سپرد کر دیا، تعلیم، تدریس، تنظیم، تعمیر اور تربیت ہر جگہ ان کی موجودگی محسوس کی گئی لیکن فقہ وافتا میں تدریس اور شعبہ افتاء

کے طلبہ کی تدریب پر جو محنت کی وہ ان کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ہے، مفتی صاحب مرحوم ایک کامیاب مدرس، کامیاب منتظم تھے، اللہ تعالی نے آپ کو مردم ساز شخصیت بنایا تھا، مفتی صاحب سادہ مزاج تو تھے ہی، سادگی ہی کو پسند کرتے تھے، گویا کہ مرنجا مرنج طبیعت کے مالک، ظاہری شان وشوکت اور تکلّفات سے بے نیاز، انتہائی خلیق وخاکسار، ملنسار، خوش اخلاق وخوش مزاج، ظرافت پسند، فقہی جزئیات کے حافظ اور بحر فقہ کے شناور، ہر جگہ مسائل بتانے کے لئے تیار اور ہر کس وناکس کا جواب دینے میں مفتی بے نیاز، اعلی درجہ کے ذہین ونکتہ رس، حاضر جوابی کی دولت سے مالا مال، علماء وعوام دونوں طبقوں میں یکساں مقبول، قانونی موشگافیوں سے واقف اور انتظامی امور کے رمز شناس تھے۔

بعض دیگر صفات

اللہ تعالی نے آپ کے اندر جو خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں، وہ کم لوگوں کا حصہ بنتی ہیں، وہ اپنے تمام کاموں کو خود انجام دینے میں کوئی عار نہیں سمجھتے تھے، بازار سے سودا سلف بھی لاتے تھے، اپنی ضروریات بھی خود پوری کرتے تھے، ہر کام وقت پر کرتے تھے، ندوہ کے تمام کاموں میں دلچسپی لیتے تھے، جو امور ان سے متعلق تھے ان کو بحسن وخوبی انجام دیتے تھے، حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے شاگرد تھے، انتظامیہ سے قریب تر رہے، بے ہمہ بھی تھے اور باہمہ بھی، اللہ تعالی حضرت مفتی صاحب کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے، اعلی علیین میں جنت الفردوس عطا فرمائے، اور ان کی خصوصیات کو اپنانے کی اور ان پر عمل کرنیکی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ ☆

ولادت: ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۲ء - وفات: ۱۴۳۷ھ مطابق ۲۰۱۶ء

تمہید

والدین اللہ کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے، جس کا دنیا میں کوئی بدل نہیں، خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے والدین یا ان دونوں میں سے کوئی ایک زندہ ہے، اور ان کی خدمت کی اللہ تعالی نے توفیق دے رکھی ہے، میری والدہ ماجدہ تو ۲۰/فروری ۲۰۱۲ء کو اللہ تعالی کے حضور حاضر ہوگئی تھیں، اب والد ماجد حضرت حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ بھی عمر عزیز کے ۸۴/سال تین ماہ ۱۶/دن پورے کر کے ۱۷/جولائی ۲۰۱۶ء بروز اتوار کو ڈیڑھ بجے کے قریب اپنے پروردگار کے پاس چلے گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، والد ماجد کو اکثر لوگ منشی جی یا ماسٹر جی کے نام سے یاد کرتے تھے، کیونکہ وہ ایک عرصے تک اسکول میں پھر مدرسہ میں ماسٹر رہے، اور طویل عرصے تک پوسٹ آفیس میں برانچ پوسٹ ماسٹر رہے، حالانکہ وہ حافظ قرآن تھے۔

والد ماجد کی پیدائش اور دادا جان

والد ماجدؒ کی پیدائش یکم اپریل ۱۹۳۲ء کو جمعہ کے روز منشی عبدالعزیز صاحبؒ کے یہاں ہوئی، منشی عبدالعزیز صاحبؒ مظفرآباد کے رئیس اور زمیندار تھے، ان کا علاقے میں احترام اور وزن تھا، سب ان کی قدر کرتے تھے، وہ بھی سب کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرتے

☆ یہ مضمون والد صاحب کے انتقال کے بعد لکھا گیا جس میں ان کی زندگی کا مختصر خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کو ماہنامہ نقوش اسلام کے خصوصی نمبر میں اداریہ کے طور پر شائع کیا تھا۔

تھے، تقسیم ہند سے پہلے وہ ایک ماہ سہارنپور ریلوے اسٹیشن کے اسٹیشن ماسٹر بھی رہے، مگر ان کی طبیعت اور گھر کا ماحول اور زمیندارانہ سوچ نے انگریزوں کی نوکری پسند نہیں کی اور ایک ماہ بعد سبکدوش ہو کر گھر چلے آئے، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت کا تعلق تھا، اکثر بزرگوں کے یہاں آمدورفت رہتی تھی، حضرت تھانویؒ کے یہاں بھی جاتے تھے، اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ ناظم مظاہر علوم سہارنپور سے خاص تعلق تھا، اسی طرح حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری مدظلہ کے والد ماجد حضرت مولانا اسحاق صاحبؒ خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بھی بہت خاص تعلق تھا، حضرت مولانا اسحاق صاحب کے انتقال کے بعد ان کے جوان بیٹے حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب مدظلہ سے بھی اسی طرح تعلق رکھا، اور گھر سے پکی ہوئی چیزیں بھی ان کے گھر بھیجتے۔

دادا جان کی وفات

دادا محترم حضرت منشی عبدالعزیز صاحبؒ کا اکتوبر ۱۹۷۵ء میں انتقال ہوا، وہ اکثر اوقات مسجد میں گزارتے تھے، مسجد میں ہی ان کا جی لگا رہتا تھا، انتقال کے روز وہ ظہر کی نماز بعد گھر گئے اور پھوپھی عتیقہ سے کہا کہ ہمارا بستر لگاؤ، ہمیں چار مہمان لینے آئے ہیں، وہ لیٹ گئے اور واصل بحق ہو گئے، حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری مدظلہ العالی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

دادا جان کی اولاد

دادا جان کے یہاں ۹/اولاد ہوئیں، پانچ پھوپھیاں، عزیزاً، رحمت، شکوری، غفوری، عتیقہ اور چار اولاد نرینہ حکیم نذیر احمد، محمد یونس، عبدالغفار اور والد ماجد حافظ عبدالستار

صاحب عزیزی، چوتھی پھوپھی بقید حیات ہیں، باقی سب بھائی بہن اپنے رب کے حضور حاضر ہوگئے، اللہ تعالی سب کو اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپ لے۔

والد ماجد کی دینی تعلیم وتربیت

والد ماجد حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ نے ابتدائی تعلیم محلّہ کی مسجد میں حاصل کی، نورانی قاعدہ نصف حافظ محمد حسن صاحب جمال پوریؒ کے پاس پڑھا، پھر ۱۹۴۷ء سے ۱۹۴۹ء تک رائے پور کے چھپر والے مدرسہ میں داخلہ لیکر تعلیم حاصل کی، جس کے ذمہ دار حافظ محمد یوسف صاحب پٹلوکریؒ تھے، وہاں پر میانجی محمد اسماعیل صاحبؒ کے پاس نصف قاعدہ پڑھا، جو روگلیے کے نام سے مشہور تھے، عم پارہ قاری عبدالمجید صاحبؒ میواتی نومسلم کے پاس پڑھا، اور ''تبارک الذی'' اور ''قدسمع اللہ'' حافظ امیر حسن صاحب عالم پوریؒ کے پاس پڑھا، اس کے بعد ''اتل مااوحی'' تک حافظ شریف احمد صاحبؒ پپلی مزرعہ کے پاس پڑھا، اردو بھی انہیں کے پاس پڑھی، ہندی کا ابتدائی قاعدہ حافظ شبیر احمد صاحب مرزاپوریؒ کے پاس پڑھا، جو جامع مسجد کے مدرسہ کے صدر مدرس تھے، جون ۱۹۴۹ء میں رائے پور سے سنسار پور مدرسہ فیض رحمانی میں آکر داخلہ لیا، اور وہاں حافظ محمد شفیع خانصاحب سنسار پوریؒ کے پاس پورا قرآن شریف پڑھا، تیسیر المبتدی اور فارسی کا کچھ حصہ حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسار پوری مدظلہ کے پاس پڑھا، جو اسی وقت مظاہر علوم سے فارغ ہوکر آئے تھے۔

والد ماجد کی عصری تعلیم

اس کے بعد عصری تعلیم کی تحصیل کا تقاضہ پیدا ہوا، اور ۱۹۵۳ء میں مظفرآباد میں پرائمری اسکول میں داخلہ لے لیا، اور جولائی ۱۹۵۴ء میں چھٹی پاس کی، پھر ۵۵/۵۶ء میں

ساتویں کلاس پاس کی، جونیئر ہائی اسکول جولائی ۵۶ء میں مظفرآباد سے سہارنپور کے ایک گاؤں سلونی میں منتقل ہوگیا تھا، اس لئے جولائی ۱۹۵۶ء میں جونیئر ہائی اسکول سنسار پور میں داخلہ لیا اور وہاں ہیڈ ماسٹر عبداللطیف خانصاحبؒ وملا محمد یامینؒ صاحب کے پاس تعلیم حاصل کی، اور ۱۴/اپریل ۱۹۵۷ء میں آٹھویں کلاس پاس کی۔

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب سے خاص تعلق

والد صاحب فرماتے تھے کہ جب امتحان دینے کے لئے سہارنپور جانا ہوا، تو روزانہ شام کو حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب ناظم مظاہر علوم سہارنپور کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا، اور حضرت کو روزانہ کی کارکردگی بتلاتا تھا، حضرت خوش ہوتے تھے، چونکہ دادا جان کا حضرت ناظم صاحب سے خاص تعلق تھا، اس لئے ناظم صاحب والد صاحب پر خاص شفقت فرماتے تھے، جس روز انگریزی کا پرچہ تھا، اس روز شام کو حضرت ناظم صاحب نے انگریزی کا پرچہ حل کرادیا، اور بتلادیا کہ یہ یہ آئے گا، اور اس کا یہ جواب ہے، والد صاحب فرماتے تھے کہ حضرت مولانا نے جو بتلایا تھا، اسی طرح کے سوالات آئے، میں نے جلدی سے پرچہ کرکے کاپی جمع کردی، تو ممتحن حضرات میں جو نگراں تھے، وہ پہچاننے والے تھے، انہوں نے ڈانٹ کر ناراضگی کا اظہار کیا کہ تو فیل ہوگا، اتنی جلدی کاپی جمع کردی، وہ حیرت میں پڑے، اور میں مطمئن تھا، اللہ تعالی نے اچھے نمبرات سے کامیابی دی۔

فراغت کے بعد ملازمت

تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۳/اگست ۱۹۵۷ء میں ڈسٹک بورڈ کے پرائمری اسکول انور پور (برولی) میں مدرس ریاضی کے عہدے پر تقرر ہوگیا، اس کے بعد یکم ستمبر ۱۹۵۷ء کو یہاں سے بھوگپور گاؤں کے پرائمری اسکول میں ٹرانسفر ہوگیا، کئی سال یہاں تدریس کے

بعد جولائی ۱۹۶۱ء میں گورنمنٹ کے نارمل اسکول مظفر نگر میں ماسٹری (H.T.C) کی ٹریننگ کے لئے گئے، وہاں دو سال رہ کے ۱۹۶۳ء میں ٹریننگ لیکر گھر واپس آئے، اور ایک سال تک گھر کے کاموں میں مشغول رہے۔

جامعہ اسلامیہ ریڑھی میں تقرر

جولائی ۱۹۶۴ء میں حضرت مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ کی خواہش اور اصرار پر جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ گئے، اور وہاں مدرس ریاضی کے عہدے پر تقرر ہو گیا، اور ۵/سال تک وہاں تدریسی خدمات انجام دیں۔

والد ماجد کے خاص مشہور شاگرد

اس درمیان آپ سے جن طلبہ نے استفادہ کیا، ان میں خاص طور سے مولانا قاری عاشق الٰہی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ، مولانا ظریف احمد صاحب ندوی مقیم دوحہ قطر، مولانا عبدالوہاب صاحب مرحوم جنوبی افریقہ، مولانا مرتضیٰ حسین صاحب دفتر دارالعلوم دیوبند، مولانا صغیر احمد قاسمی ومولانا جمشید علی قاسمی اساتذہ جامعہ اسلامیہ ریڑھی وغیرہم متعدد اہم اور بڑے علماء ہیں، جن میں سے اکثر نے والد صاحب سے تعلق رکھا ہے، کچھ گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے وہاں سے سبکدوش ہو کر گھر آ گئے، البتہ آخر تک جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ اور وہاں کے ذمہ داروں سے تعلق رکھا، اور انہوں نے بھی والد صاحب کی قدر کی، اس زمانہ میں وہاں جامعہ اردو علی گڈھ کا سینٹر لائے اور طلبہ کو ادیب، ادیب ماہر اور ادیب کامل کے امتحانات دلوائے اور سینٹر کے سکریٹری رہے۔

پوسٹ آفس میں ملازمت

پھر ۲۳/دسمبر ۱۹۶۹ء میں نعمت پور گاؤں میں پوسٹ آفس آیا، تو پہلے ہی دن سے اس میں ملازمت اختیار کر لی، اور ۳۴/سال تک پوسٹ آفس میں بی پی ایم کے عہدے پر فائز رہے، اور پوری ذمہ داری، دیانت داری اور پابندی کے ساتھ سردی، گرمی اور برسات کی پرواہ کئے بغیر ڈیوٹی دی، اور ملازمت کے پورے ۳۴/سالہ دور میں کبھی کسی افسر کو شکایت کا موقع نہیں دیا، اور کارکردگی میں کہیں کوئی خامی نہیں ہوئی، اور کہیں کوئی لال نشان نہیں لگا، اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت سے اور پابندی سے کام کرنے کی توفیق دی، اور ۳۱/مارچ ۲۰۰۳ء میں ریٹائرڈ ہوئے۔

دینی خدمات

اس کے بعد مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے تحت چلنے والے ادارے جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں اپنی خدمات پیش کیں اور ۲۰۰۹ء سے وفات تک مرکز کے نگران اعلیٰ، مہتمم اور جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز رہے، اور پورے اصول ووقت کی پابندی کے ساتھ اپنی ذمہ داری وفات کے ایک دن پہلے تک نبھائی، مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے ترجمان ماہنامہ نقوش اسلام کے شروع سے یعنی مارچ ۲۰۰۶ء سے مدیر انتظامی رہے، اور ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۶ء تک مرکز کے شعبہ دارالبحوث والنشر سے تقریباً ۴۳/کتابیں آپ کے اہتمام میں شائع ہوئیں۔

شادی خانہ آبادی اور اولاد

جون ۱۹۵۵ء میں والد محترم کا نکاح والدہ محترمہ سے شیر پور خانہ زاد پور میں ہوا، والدہ

کے والد ماجد کا نام نظام الدین تھا جو ایک کاشتکار آدمی تھے، نکاح شیر پور کی مسجد کے امام حافظ نصیر احمد صاحبؒ نے پڑھایا تھا، والد صاحب نے پسماندگان میں پانچ اولاد چھوڑیں، جو حیات ہیں، ان میں سب سے بڑی بہن مفیدہ خاتون ہیں، جس کو قرآن کریم اور دینی تعلیم سے روشناس کرایا، ۱۹۸۰ء میں اس کی شادی پپلی مزرعہ ہریانہ میں جناب محمد فرقان ابن محمد ایوب سے کی، جس سے ۲ر لڑکے اور ۲ر لڑکیاں ہیں، دوسری بہن محسنہ خاتون ہے، جس کو قرآن کریم اور دینی تعلیم سے روشناس کرایا، اور ۱۹۸۶ء میں اس کی شادی حسنہ والا میں حفیظ الرحمٰن ابن امیر حسن سے کی، جس سے ایک لڑکی اور ۸ر لڑکے ہیں، تیسری اولاد میں بڑے بھائی ڈاکٹر مرغوب عالم ہیں، جن کو انٹر کرا کے ڈاکٹری کا کورس کرایا، ۱۹۹۳ء میں ان کی شادی ہوئی، جن سے ۵ر اولاد ہیں، تین لڑکیاں اور ۲ر لڑکے، چوتھی اولاد میں بہن انیسہ خاتون ہیں، جو حافظہ قرآن ہیں اور دینی تعلیم سے فیض یافتہ، ۱۹۹۳ء میں اس کی شادی مولانا امجد علی قاسمی بن حافظ شوکت علی جمال پوری سے کی، جس سے ۳ر لڑکے ہیں، پانچویں نمبر پر راقم سطور محمد مسعود عزیزی ندوی ہے، راقم کی پیدائش ۵ر اپریل ۱۹۷۴ء میں جمعہ کے روز ہوئی، راقم نے قرآن کریم حفظ کیا، پھر ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالمیت کا اور پھر ۱۹۹۹ء میں افتاء کا کورس کیا، راقم کا نکاح ۱۰ر محرم ۱۴۲۰ہجری مطابق ۲۶ر اپریل ۱۹۹۹ء کو ندوۃ العلماء لکھنؤ میں حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے پڑھایا، ایک لڑکا اور تین لڑکیاں ہیں۔

والد صاحب کے لکھنے پڑھنے کا مزاج
اور طلبہ کیساتھ شفقت کا معاملہ

والد صاحب کا مزاج لکھنے پڑھنے کا شروع ہی سے رہا، اسکول میں بھی طلبہ کو اچھی طرح تعلیم دیتے، انکی تربیت کرتے، ان کو کھیل کھلاتے اور مانوس کرتے، اور پھر جامعہ

اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں بھی طلبہ کی تعلیم وتربیت میں خوب محنت کرتے، ان کی محنت اور ذوق ودلچسپی کی داستانیں ان کے شاگرد سناتے ہیں کہ وہ کس طرح اپنے طلبہ سے تعلیمی محنت بھی کراتے، کھیل بھی کھلاتے، مدرسہ کے کھیتی باڑی کے کام بھی کراتے، اور طلبہ ان کے پیچھے پیچھے رہتے، ان کے ساتھ ہر وقت جمگھٹا لگا رہتا، طلبہ ان سے بہت زیادہ مانوس تھے، مانوسی کا اثر ابھی تک ان کے شاگردوں میں پایا جاتا تھا، کہ وہ ان کو یاد رکھتے تھے، ملنے کیلئے آتے اور ہدایا بھی پیش کرتے تھے، جب کہ وہ کوئی عالم، مولانا بھی نہیں تھے، بلکہ مدرس ریاضی تھے، مگر ان کے شاگرد ان پر فریفتہ تھے، آج کے اس پر آشوب دور میں ان پر رشک آتا تھا کہ کیسے ایک ماسٹر ہوکر اپنے شاگردوں میں ایسی مقبولیت بنا رکھی تھی۔

جامعہ اسلامیہ ریڑھی میں ان کے کارنامے

جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ میں انہوں نے اس زمانہ میں حکومت سے پرائمری (Primary) منظور کرائی، ریلوے کنسیشن (Railway Concession) حکومت سے منظور کرایا، ٹیوب ویل (Tube well) لگوایا، مرغی فارم (Poultry Farm) بھی کھولا، یہ سب کام جامعہ کے فائدے کیلئے انہوں نے کئے، مولانا محمد عمر صاحب قاسمی مجاہد پوری جو اس وقت وہاں مہتمم تھے، والد صاحب کو وہاں لیکر گئے تھے اور انہوں نے بھرپور اعتماد کیا، جس کی بنا پر والد صاحب نے بھی مدرسہ کے کاموں میں بھرپور دلچسپی لی، خوب محنت سے پڑھایا اور مدرسہ کے مفوضہ امور انجام دئے، مدرسہ کی مصروفیات سے سبکدوش ہوکر جب وہ نعمت پور ڈاکخانہ میں ملازم ہوگئے، چونکہ ڈاکخانہ مدرسہ میں ہی تھا، تو گویا طلبہ سے بھی ایک گونہ تعلق رہا، اس لئے وہاں بھی طلبہ مانوس رہے، پوسٹ آفس کی ملازمت کے دوران آپ نے گھر کے تمام کام انجام دیئے، کاشتکاری بھی کی، زمین میں ہل بھی چلایا، گھر میں بیلوں اور بھینس وغیرہ کے چارہ کا بھی نظم کیا، اور ڈیوٹی بھی پوری کی۔

برادری کے سلسلہ میں اصلاحی کوششیں

اسی درمیان جب مغربی یوپی میں برادری واد کی ایک لہر تھی، ہر ایک برادری اپنے اصلاحی پروگرام کرتی تھی، ان کو بھی اس سے دلچسپی ہوئی، ۴،۵/ اکتوبر ۱۹۸۶ء میں جب نگلہ راعی مظفر نگر میں جمعیۃ الراعین کی کانفرنس ہوئی، تو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اس میں ایک مقالہ بھی پڑھا، اور برادری کے سلسلہ میں مختلف مقامات کے دورے بھی کئے، اور برادری کی اصلاح وتربیت کے لئے بہت جدوجہد کی، اسی وجہ سے وہ جمعیۃ الراعین کے جنرل سکریٹری بھی رہے، اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کوششیں کیں، بہت سے لوگوں کو خطوط بھی لکھے، اس وقت گویا ان کو جنون تھا، اور وہ اس سلسلہ میں بہت تگ ودو کررہے تھے، مگر حالات اور وقت نے بتادیا کہ یہ سب محنتیں اور جدوجہد بیکار ہیں، اللہ تعالی کے یہاں اس پر ان کو انکی نیت کے مطابق اجر ملے گا، انشاء اللہ، اس سلسلہ میں انہوں نے بہت کچھ جدوجہد کی، ان کو اشعار کا بھی خاص ذوق تھا، مختلف شعراء کے ہزاروں اشعار ان کو یاد تھے، ہر موقع کے لحاظ سے وہ شعر بھی پیش کرتے تھے، انہوں نے چونکہ ادیب، ادیب ماہر، ادیب کامل کے امتحانات دے رکھے تھے، اس لئے اردو ادب کے بارے میں کافی سوجھ بوجھ رکھتے تھے، ان کو انشاء پردازی میں بھی مہارت تھی اور اشعار اور غزلیں کہنے کا بھی شوق تھا، ان کے بعض مضامین اور بعض غزلیں محفوظ بھی ہیں۔

اپنی اولاد کی تعلیم وتربیت

انہوں نے اپنی مشغول زندگی کے ساتھ اپنی اولاد کی تربیت میں بھی خاص رول ادا کیا، بڑی بہنوں کی تعلیم کا انتظام کیا، اس سلسلہ میں انہوں نے ان کیلئے اچھی سے اچھی کتابیں بازار سے لاکر مہیا کیں، وہ جب بھی شہر جاتے تو دیگر ضروریات زندگی کے ساتھ

بڑی بہنوں کیلئے کوئی دینی اور تربیتی کتاب بھی ضرور لاتے، اس طرح بہنوں کے پاس کتابوں کا اچھا خاصا ذخیرہ جمع ہوگیا تھا، میرے سے بڑی بہن نے حفظ قرآن کریم کیا، ان کیلئے بھی بہت سی کتابیں لاکر دیں، بڑے بھائی کو بھی اولاً ایک دینی مدرسہ میں چھوڑا، مگر اہل مدرسہ کی زیادتی کی وجہ سے انہوں نے ان کو مدرسہ سے خاموشی کے ساتھ نکال لیا، اور اہل مدرسہ سے کوئی شکوہ، شکایت نہ کی اور سرکاری اسکول میں داخل کردیا، اور پھر ڈاکٹری کی تعلیم دلائی، بہن بھائیوں میں سے کوئی غلطی کرتا تھا تو والد صاحب پٹائی بھی خوب کرتے۔

راقم کی تربیت کی فکر

راقم کی تربیت میں بھی بہت اہم رول ادا کیا، مگر میری کبھی پٹائی کی نوبت نہیں آئی، جب میں بہت چھوٹا تھا اور بچوں کے ساتھ کھیلنے نکل جاتا، تو وہ کہیں بھی دیکھ لیتے تو فوراً پکڑ کر گھر لاتے، اپنی ہوشیاری کے باوجود بھی ان کی نظر سے چھپ نہیں سکتے تھے، ان کو معلوم نہیں کہاں سے نظر آ ہی جاتے تھے، اور وہ فوراً پکڑ کر گھر لاتے، سمجھاتے، تنبیہ کرتے، ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ ہم دوپہر میں کسی کے کھیت میں چلے گئے اور انہوں نے دوپہر میں ڈاکخانہ سے آتے ہوئے دیکھ لیا، پکڑ کر گھر لائے، اور پھر مرغا بنایا، کبھی ایسا بھی ہوا کہ ہماری بیٹھک میں لوگوں کی پی ہوئی بیڑیاں پڑی رہتی تھیں، وہ اٹھا کر ہم نے پینی شروع کردی، والد صاحب نے دیکھ لیا، تو مرغا بنایا اور تنبیہ کی، پھر ہم نے کبھی نہیں پی، بچپن میں جب ہم کھیلتے تو ہمارا کھیل بھی ایسا ہوتا کہ کبھی خالی ۲/ ماچس لیکر اور کبھی دو ڈبے لیکر تار یا دھاگے کے دونوں سروں میں لگاتے اور ان کا ٹیلیفون بناتے اور اس میں آواز ایک دوسرے کو سناتے، جس میں کبھی قرآن شریف، یا نظم پڑھتے، تو والد صاحب بھی شریک ہوجاتے اور وہ بھی قرآن شریف سناتے۔

راقم کی تعلیم وتربیت

انہوں نے ۹؍سال کی عمر میں مجھے جامعہ اسلامیہ بیت العلوم پہلی مزرعہ یمنا نگر ہریانہ میں داخل کرایا، وہاں ۹؍سال رہ کر قرآن کریم حفظ کیا، اور اردو ہندی پانچویں تک پڑھی، انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم حاصل کی، عربی اور انگلش ٹائپنگ سیکھی، اور وہاں ٹیکنیکل میں سیونگ مشین مکینک، ٹیلرنگ اور بک بائنڈنگ کے کورس کیئے، اور وہیں ایک سال فارسی پڑھی، اور کچھ عربی کی ابتدائی کتابیں بھی، جامعہ اردو علی گڑھ سے ادیب، ادیب ماہر کے امتحانات بھی دیئے، والد صاحب ہمیشہ حوصلہ افزائی کرتے اور ہر ماہ منی آڈر بھی کرتے اور پوسٹ کارڈ بھی لکھتے، جس میں وہ اساتذہ کی خدمت کے بارے میں ضرور ہدایت کرتے اور دعائیں دیتے، پہلی مزرعہ میں حفظ قرآن کے بعد اہل مدرسہ کی رائے کی بنیاد پر تعلیمی سلسلہ موقوف کرنے کے حامی ہو گئے تھے، کہ ملازمت اختیار کر لی جائے، مگر راقم چاہتا تھا کہ عالم دین بنوں۔

حضرت مولانا کا خط راقم کے نام

اس سلسلہ میں راقم نے اس زمانے میں حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی کو خط لکھا، اور اپنی دلی کیفیات لکھیں، جس پر حضرت کا مندرجہ ذیل جواب آیا:

محمد مسیح اللہ   مکرم زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں کافی عرصہ سے بیمار رہا، ڈاک رک گئی، میرے پاس کوئی صاحب ایسے نہیں کہ وہ سناتے اور بندہ جواب لکھواتا، اب ضعف ہے، روزانہ کی ڈاک روانہ ہو جاتی ہے، بتوفیقہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ آپ کو باشاد رکھیں، آسانیاں عطا فرمائیں، الجھاؤ سے، شر وفتنہ سے محفوظ رکھیں، امن وعافیت سے رکھیں۔

ہر قسم کی ظاہری وباطنی خیر وبرکات سے اور استقامت سے نوازیں، مقاصد میں بخیر وعافیت کامیاب بنائیں۔

اپنے پر عجب وتکبر کی نگاہ نہیں اور دوسروں پر حقارت کی نگاہ نہیں۔

بتدبیر حسن سعی اور دعا خوب

نفس کا احتساب، اختلاط سے احتیاط

اس خط کی آمد کے بعد راقم کی تعلیم کا بندوبست

اس خط کے آتے ہی والد صاحب کی بھی رائے بدل گئی اور میری تعلیم کا راستہ کھل گیا، اور میں نے ۱۴؍شوال ۱۴۱۲ہجری میں مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور میں سال دوم میزان میں داخلہ لے لیا، وہاں میزان پڑھنے کے بعد خیال ہوا کہ دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا جائے، چونکہ راقم وہاں حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ خلیفہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی خدمت میں رہتا تھا، اس لئے والد صاحب نے فرمایا کہ حضرت اگر اجازت دیدیں تو ٹھیک ہے، حضرت سے مشورہ کیا، حضرت نے منع فرمادیا، چنانچہ وہیں کافیہ پڑھی۔

ندوۃ العلماء لکھنؤ جانے کی خواہش

پھر سال کے بیچ میں ششماہی امتحان کی چھٹی میں ندوہ دیکھنے گیا، اور وہاں سے متأثر ہو کر آیا، والد صاحب سے عرض کیا کہ میں لکھنؤ ندوہ میں پڑھنا چاہتا ہوں، والد صاحب نے کہا کہ شاید میں وہاں کا خرچ برداشت نہ کرسکوں، مگر میرے دل میں دھن تھی، لگن تھی،

میں نے والد صاحب سے عرض کیا کہ مجھے صرف خوشی سے جانے کی اجازت دیدیجائے، مجھے خرچہ کی فکر نہیں، معلوم نہیں اللہ تعالیٰ مجھ سے کیسے کہلوا رہا تھا، حالانکہ میرے سامنے کوئی ایسی چیز نہیں تھی، جس سے مجھے معلوم ہو کہ خرچ کا انتظام ہو جائے گا، حضرت حافظ عبدالرشید صاحب سے عرض کیا، انہوں نے خوشی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ ٹھیک ہے، جاؤ میں علی میاں کو خط لکھ دیتا ہوں، الحمدللہ میں لکھنؤ پہنچ گیا، والد صاحب نے کبھی پیسے کی دقت نہیں آنے دی، جب بھی ضرورت ہوتی، میں خط لکھ دیتا اور وہ منی آرڈر کر دیتے، بلکہ وہ ہر مہینہ خود ہی اہتمام کرتے تھے، اور وقت پر پیسے بھیج دیا کرتے تھے، اور خط لکھتے تھے، ہر خط میں وہی حوصلہ کی اور ہمت کی بات کرتے تھے، اساتذہ کی خدمت کی ضرور ہدایت کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے تعلیم مکمل کرادی، الحمدللہ دوران تعلیم خرچہ کی کبھی دقت نہیں آئی، گھر پر آتا، بزرگوں کے یہاں جانے کا شوق تھا، اس شوق کی تکمیل کا والدہ صاحبہ زیادہ انتظام کرتی تھیں، مگر والد صاحب سے بھی پیسے لے لیا کرتا تھا، فراغت کے بعد وہ چاہتے تھے کہ اچھی جگہ تدریسی خدمت انجام دوں، پھر شادی بھی بڑے اہتمام سے کی۔

ڈیوٹی اور ملازمت کے سلسلہ میں انکے زریں اصول اور ہدایت

چونکہ راقم جامعہ اسلامیہ بیت العلوم پپلی مزرعہ میں مدرس تھا، والد صاحب اصول اور ڈیوٹی کے پابند تھے، اس لئے وہ مجھے بھی اس کی ہدایت کرتے تھے، وہ فرماتے ’’ڈیوٹی پہ رہے حاضر تو کیا کرے گا ناظر‘‘ مطلب یہ ہے کہ جب تم ڈیوٹی پر رہو گے تو تمہیں کوئی خطرہ نہیں، وہ موجودہ زمانہ کا یہ اصول بھی بتلاتے کہ ’’نوکری کے ۹/کام دسواں کام ہاں جی!‘‘ یعنی ذمہ دار کی مان کر چلنا ہے، ایک بات اور بڑے اہتمام اور تاکید سے فرماتے کہ ’’جو آدمی ناڑے کا پکا اور زبان کا سچا ہو‘‘ اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا، یہ زریں اصول وہ اپنے تجربات کی روشنی میں بتلاتے اور خود انہی اصولوں کے مطابق انہوں نے زندگی

گزاری، وہ اسکول اور مدرسہ کی ملازمت میں بھی ڈیوٹی کے سخت پابند رہے، اور پھر ۳۴/ سالہ سرکاری ملازمت میں بھی ڈیوٹی کے پابند رہے، اتوار کے روز چھٹی رہتی، اسی روز اکثر وہ اپنے تمام کام انجام دیتے، کہیں رشتہ داری میں آنے جانے کا بھی پروگرام اتوار ہی کا رکھتے، یا پھر صبح وشام اپنے گھریلو اور کھیتی کے کام کاج کرتے تھے، صبح ۹/ بجے تک اپنے کام کرتے اور شام کو ظہر کے بعد، صبح ۹/ بجے ڈاک خانہ جاتے اور ایک بجے کے بعد آجاتے، ہر موسم میں چاہے سردی ہو یا گرمی یا برسات وہ اپنے معمول کے پابند تھے۔

مرکز کی ذمہ داری اور اس کی پابندی

راقم نے ۲۰۰۰ء میں جب مرکز احیاء الفکر الاسلامی قائم کیا، یہاں کے شروع سے ہی وہ نگراں، ذمہ دار، جنرل سکریٹری اور خزانچی رہے، ایک ایک پیسے کا حساب رکھتے اور ہر ایک چیز کو ذمہ داری سے نبھانے کا سلیقہ رکھتے تھے، وہ صبح جلدی آجاتے تھے پھر دو پہر میں گھر جاتے اور ظہر کی نماز بعد پھر آتے، اور شام تک مدرسہ میں رہتے، اکثر پیدل آتے، ابھی چند سال سے ان کو سانس کے مرض کا عارضہ ہو گیا تھا کہ چلتے ہی سانس چڑھ جاتا تھا، اس لئے وہ سواری سے آتے اور جاتے، انہوں نے پہلے جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں بھی کئی سال تک طالبات کے داخلے اور نگرانی کے امور اور جملہ ذمہ داری کے فرائض بڑے اہتمام اور پابندی سے انجام دئے، پھر ۲۰۰۹ء سے مرکز کے دفتری امور اور نگرانی کے عمل کو بڑے اچھے انداز میں نبھایا، راقم بھی بے فکر تھا، بڑی بڑی امانتیں بھی بے فکری سے ان کے سپرد کر دیتا تھا، بلکہ ساری ہی امانتیں ان کے پاس رہتی تھی، مگر ذرا بھی کوئی کوتاہی نہیں ہوتی تھی، وہ ہر مد کی رقم کو الگ الگ رکھتے اور رجسٹر یا کاپی میں الگ سے لکھ لیتے، وہ یہاں کے اساتذہ سے بھی اصول کی بات کرتے اور اصول کے مطابق ہی ان کو دیکھنا چاہتے تھے، اگر کوئی بات ایسی معلوم ہوتی، جو ان کے مزاج کے خلاف ہے تو راقم کو بھی تنبیہ فرماتے۔

وہ طلبہ وطالبات پر بڑے شفیق تھے

وہ طلبہ اور طالبات پر بھی بڑے شفیق تھے، ان کی کوتاہیوں کو درگزر کرتے تھے، کبھی راقم نے گرفت کرنے کی کوشش کی، اور انتظامی اعتبار سے اس پر نکیر کی اور کوئی سخت قدم اٹھانا چاہا تو وہ منع کرتے اور کہتے کہ ان کی اصلاح کیجئے، بچے ہیں، طلبہ ہیں، وہ فرماتے کہ یہ اگر یہاں نہیں سدھریں گے تو کہاں سدھریں گے، ان کی اصلاح اگر یہاں نہیں ہوگی، تو کہاں ہوگی، وہ ہمیشہ سخت نوٹس لیتے، اور طلبہ کے لئے ڈھال بنتے اور اصلاح کی بات فرماتے تھے، راقم کی کوتاہیوں پر وہی نکیر فرماتے تھے، اب بظاہر اس طرح کوئی نہیں ہے، جو روک ٹوک کر سکے۔

والد صاحب کی بعض خصوصیات

ان خصوصیات کے ساتھ ان میں ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ وہ ہمیشہ اسی پر قناعت کرتے، جو ان کے پاس ہوتا، لالچی اور حریص نہیں تھے، کفایت شعاری ہمیشہ ان کا امتیاز رہی، بے جا بخل بھی نہیں کرتے تھے، قرض سے ہمیشہ سے مجتنب رہے، اور اسی کی ہمیں بھی ہدایت کرتے تھے، بعض مرتبہ مدرسہ میں قسطوں پر نئی گاڑی لینے کا پلان بنایا، مگر انہوں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی اور منع کیا کہ نہیں جتنے پیسے تمہارے پاس ہیں، ان کی پرانی ہی لے لو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور دو مرتبہ گاڑی لی گئی دونوں مرتبہ پرانی ہی لی، وہ مہمان نواز بھی بہت تھے، چونکہ یہ صفت دادا جان حضرت منشی عبدالعزیز صاحبؒ کے یہاں بہت زیادہ تھی، کہ ان کے یہاں ہر وقت روزانہ مہمانوں کے لئے چولہا چلتا ہی رہتا تھا، اور ان کا پورے علاقے میں تعلق اور پہچان تھی، یہی صفت والد صاحب کے اندر بھی تھی، ہماری والدہ فرماتی تھی کہ کوئی بھی کسی بھی وقت

آ گیا، تو فوراً والد صاحب نے انکے کھانے کا نظم کیا، آج کل زمانے کی تیز رفتاری اور مشغولیت کی وجہ سے کبھی ہم لوگ اس میں غفلت کرتے، تو وہ اس کی بہت تاکید کرتے اور مہمان نوازی کے سلسلہ میں ہدایت کرتے کہ آنیوالے کی حسب موقع ضیافت کرنی چاہئے، ضیافت کے سلسلہ میں تو وہ آخری بات اس درجہ تک کہتے تھے کہ ''آؤ بیٹھو پیو پانی'' اس میں تو کوئی خرچ ہے ہی نہیں۔

والد صاحب کو سفر کا بہت شوق تھا

ان کو سفر کا، رشتہ داری میں جانے کا بہت شوق تھا، رشتہ داریوں کے جملہ امور وہی انجام دیتے تھے، ہم اس سلسلہ میں بہت بے فکر تھے، خوشی وغمی کے تمام موقعوں پر وہی جاتے تھے، گاڑی میں بھی اگر کچھ خرابی ہوتی تو وہی سہارنپور لے جاتے اور سروس کرا کے لاتے، غرضیکہ ہم بہت سے معاملات میں بے فکر تھے، اب کچھ دنوں سے ضعف تھا، اس لئے وہ مغرب عشاء اور فجر کی نماز گھر پر ہی پڑھتے تھے۔

والد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حج وعمرہ کی توفیق دی

ہر مسلمان کی طرح ان کو بھی اللہ کے گھر کی زیارت کرنے اور حج بیت اللہ کرنیکی تمنا تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ۲۰۰۵ء میں ان کو توفیق دی، اور انہوں نے حج کیا، ساتھ میں والدہ محترمہ اور راقم سطور بھی تھا، اس کے بعد انکی خواہش عمرے کی ہوئی، چنانچہ ۱۹/مارچ ۲۰۱۱ء میں اللہ تعالیٰ نے عمرہ کی بھی توفیق دی، اس میں بھی راقم سطور ساتھ تھا، امسال رمضان سے قبل بھی وہ عمرہ کا ارادہ کررہے تھے، مگر ان کا پاسپورٹ ختم ہوگیا تھا، ارادہ تھا کہ رمضان سے قبل یا رمضان کے بعد دوبارہ پاسپورٹ بنوالیا جائے اور پھر رمضان یا رمضان کے بعد عمرے کیلئے جایا جائے، مگر اللہ تعالیٰ کے یہاں جو نظام لکھا ہوا تھا، اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

حضرت مولانا مکرم حسین صاحب سے بیعت

تین چار سال قبل وہ حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری مدظلہ العالی سے بیعت بھی ہوگئے تھے، حضرت مولانا سنسارپوری چونکہ والد صاحب کے استاد بھی تھے، اور دادا جان کا حضرت کے گھرانے سے بہت ہی زیادہ تعلق تھا، اس لئے حضرت والد صاحب کی کافی رعایت کرتے تھے، جب بھی راقم کا حضرت کی خدمت میں جانا ہوتا، تو سب سے پہلے والد صاحب کے بارے میں دریافت کرتے اور اکثر فرماتے کہ والد صاحب کا خیال رکھا کرو، اور جب والد صاحب راقم کے ساتھ حضرت کے پاس جاتے تب بھی حضرت اپنے قریب بٹھاتے، خاص توجہ اور عنایت فرماتے، اس سے پہلے اگرچہ والد صاحب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ سے بیعت تھے اور حضرت رائے پوریؒ کے بعد حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوریؒ سے خاص تعلق تھا، مگر اب کئی سال سے حضرت سنسارپوری سے بیعت ہوگئے تھے اور ذکر واذکار کی بھی پابندی کرتے تھے، توبہ کے کلمات، تہجد اور تہجد کے بعد ایک خاص دعا کا اہتمام کرتے تھے، جس کو وہ اپنی جیب میں رکھتے تھے، وفات کے وقت بھی وہ دعا ان کی جیب میں تھی، دو تین سال سے ان کو سانس کا عارضہ تھا، دن میں کئی مرتبہ انہلر لینا پڑتا تھا، گزشتہ رمضان میں معلوم ہوا کہ اس سے روزہ متأثر ہوجاتا ہے، تو ان کے روزوں کا فدیہ دیا گیا۔

وفات سے قبل رمضان کے معمولات میں اضافہ

امسال الحمدللہ حکیم علی حسن صاحب قاسمی کی دوائی سے ان کو رمضان میں انہلر بھی لینے کی ضرورت نہیں پڑی، اور انہوں نے تمام روزے بڑے اہتمام سے رکھے، قرآن

شریف کی تلاوت بھی کثرت سے کی، صبح کو آٹھ بجے مرکز جاتے اور شام کو عصر کے وقت گھر آتے، تمام تراویح پڑھی، عید سے قبل بچوں کو پیسے دیدئے، پھوپھیوں اور بہنوں کے لئے بھی پہلے سے ہی انتظام کردیا، عید کے بعد روز آنہ مدرسہ اہتمام سے جارہے تھے، روز آنہ آفس میں بیٹھ رہے تھے۔

وفات سے ایک دن پہلے تمام معمولات ادا کیے

انتقال سے ایک روز قبل بھی سنیچر کے دن ۱۱؍شوال کو بعض اساتذہ گھر سے آئے، ان سے رمضان کی آمد و خرچ کا حساب لیا، بارش ہورہی تھی، ان کو دوا بھی لینی تھی، شام کو راقم کے ساتھ سہارنپور گئے، حکیم علی حسن قاسمی سے دوالی، پھر ہمیں کیلاش پور ایک کام تھا، وہاں گئے، مغرب کی نماز پڑھی، واش بیسن پر وضو کیا، واش بیسن اونچا تھا، اس کے باوجود اس پر پیر دھوئے، پھر وہیں رفعت خان کے یہاں چائے پی، راستے میں چھٹمل پور سے وہ پان لینا چاہ رہے تھے، مگر رات پونے نو بجے وہ دوکان بند ہوچکی تھی جس سے وہ پان لیتے تھے، اس لئے نہ لے سکے، رات ۹؍بجے کے قریب گھر پہنچے، راستے بھر باتیں کرتے رہے، حکیم صاحب نے بادام وغیرہ کھانے کیلئے کہا تھا، اس لئے گھر پہنچ کر ڈرائیور رضوان سے بادام وغیرہ منگوائے، راقم اپنی قیام گاہ پر اتر گیا، اور وہ گھر چلے گئے، حیرت اس بات پر ہے کہ اس وقت یا اس سے پہلے کوئی ایسی بات، ایسے آثار یا اس طرح کی کوئی تمہید نہیں تھی، جس سے سمجھا جاسکے کہ یہ عظیم حادثہ واقع ہوجائے گا، مگر اللہ علیم وخبیر ہے، اس کی حکمت وتدبیر وارادے کو کوئی نہیں جانتا، معلوم ہوا کہ وہ گاڑی سے اتر کر دیوار کے سہارے سے گھر میں داخل ہوئے، کھانا وانا کھایا، رات میں ان کو بے چینی محسوس ہوئی، اور اٹھنا بیٹھنا رہا، صبح ان کو وضو کرائی گئی اور انہوں نے نماز پڑھی، چائے اور بسکٹ بھی لیا، سانس پھول رہا تھا۔

نزع کی حالت اور وفات

پھر آٹھ نو بجے کے بعد ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی، اور نزع کی حالت شروع ہوگئی، قبلہ رخ چارپائی کردی گئی، اور ہم سب نے سورۂ یٰسین پڑھنی شروع کردی، ڈاکٹر کو بلایا گیا، اس نے مایوسی کا اظہار کیا، مولانا شمیم صاحب آئے، انہوں نے کہا کہ بھائی سہارنپور لے چلو، راقم کو یقین ہوگیا تھا کہ نزع کی حالت شروع ہوگئی ہے، مگر ان حضرات کے کہنے کی وجہ سے سہارنپور کے لئے لیکر چلے، راستہ میں ہی ۱۱رشوال ۱۴۳۷ ہجری مطابق ۱۷رجولائی ۲۰۱۶ء اتوار کے روز ڈیڑھ بجے کے قریب انتقال ہوگیا، سہارنپور ڈاکٹر کلیم کے یہاں لے گئے، انہوں نے نبض دیکھ کر یقین دہانی کرائی کہ انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اہل تعلق کو انتقال کی خبر

سہارنپور سے واپس آئے، جب تک اور جہاں تک سمجھ میں آیا اہل تعلق کو فون کیا، مدینہ میں حکیم عثمان صاحب کو فون کیا، حضرت مولانا محمد عمر صاحب قاسمی کو فون کیا، مولانا سید بلال عبدالحئی حسنی کو فون کیا، اور جہاں تک دماغ نے کام کیا اطلاع کی، باقی اطلاعات دوستوں، اہل تعلق، قاری ندیم صاحب اور مولوی شاکر ندوی نے دی، اور خاندان والوں نے رشتہ داروں اور دیگر اہل تعلق کو مطلع کیا۔

تجہیز و تکفین

عصر کے وقت غسل دیا گیا، ملا عبدالغفور صاحب نے کفن تیار کیا، مولانا شمیم صاحب قاسمی نے غسل دیا، قاری عبدالوحید صاحب شیر پوری نے پانی دیا، خورشید

بھائی نے بھی مدد فرمائی، اخیر میں راقم نے اور بھائی ڈاکٹر صاحب نے بھی پانی ڈالنے میں شرکت کی، مغرب کی نماز بعد حضرت مولانا سید مکرم حسین صاحب سنسارپوری نے نماز جنازہ پڑھائی، اور تدفین عمل میں آئی، ہزاروں لوگوں نے شرکت کی، جن میں علماء، اہل مدارس، اہل تعلق اور گاؤں کے لوگ تھے، رشتہ دار اور والد صاحب کے دونوں داماد محمد فرقان وحفیظ الرحمٰن، ان کے بچے اور تینوں بہنیں پہنچ گئیں، پھوپھیاں اور سبھی رشتہ دار بھی پہنچ گئے تھے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ ☆

ولادت: ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۷ء - وفات: ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۷ء

تمہید

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ایک تھے، وہ زبردست محدث، متبحر عالم اور علم حدیث پر مکمل دسترس رکھنے والے اللہ کے ولی تھے، ان کی زندگی صرف اور صرف علم حدیث، طلبہ حدیث اور مظاہر علوم کے لئے وقف تھی، ان کے تقوی وطہارت، ان کی صلاحیت اور علمیت اور ان کی محدثانہ شان اور ان کے علوم ومعارف کے اکابر بھی قائل ومعترف تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی نور اللہ مرقدہ آپ پر بھرپور اعتماد فرماتے اور آپ کی قدر کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ جب ندوہ میں قادیانیت کے خلاف عالمی کانفرنس ہوئی تو حضرت مفکر اسلام کے ساتھ ہندوستان سے مولانا یونس ہی نمائندگی کر رہے تھے، وہ اس طرح کہ ایک طرف امام حرم شیخ محمد عبداللہ السبیل اور امام مسجد اقصی اور دوسری طرف حضرت مفکر اسلام اور مولانا یونس صاحب تھے، اور مولانا محمد یونس صاحب کو بھی ندوہ اور اہل ندوہ سے کافی مناسبت تھی، مولانا یونس صاحب مستجاب الدعوات بھی تھے، بعض قریبی لوگوں نے ان کے اس سلسلہ میں کئی واقعات نقل کئے، بعض اہل تعلق نے ایسے واقعات بتلائے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قطب یا ابدال تھے، شیخ رقیق القلب تھے، مگر ان کے مزاج میں حدت بھی تھی، اس لئے بعض مرتبہ وہ لوگوں کو ڈانٹ بھی دیتے تھے، جس سے بعض لوگ ان کو بداخلاق سمجھتے

☆ یہ مضمون شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب کی وفات پر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے خصوصی نمبر بابت جون/جولائی ۲۰۱۷ء میں اداریہ کے طور پر شائع ہوا۔

تھے، اگرچہ بعد میں موقع ملنے پر شیخ معافی بھی مانگ لیا کرتے تھے۔

پیدائش اور وفات

حضرت شیخ الحدیث کی پیدائش ۲۵/رجب ۱۳۵۵ھ مطابق ۲/اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ہوئی، مظاہر علوم میں تعلیم مکمل فرمائی، اور ۱۳۸۱ھ سے مظاہر علوم میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینا شروع کیا، جو مسلسل ۵۷/سال تک ممتد رہا یہاں تک کہ ۱۱/جولائی ۲۰۱۷ء کو اپنے مالک سے جا ملے، حضرت شیخ الحدیث بہت سی خصوصیات کے حامل عالم دین تھے، اللہ تعالی نے ان کے اندر علم میں گہرائی اور گیرائی اور حدیث میں مہارت رکھی تھی، آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے خلیفہ اور حدیث میں ان کے جانشین تھے، آپ کا درس بڑا شیریں، پرمغز، تحقیقی اور سلف وخلف کے اقوال سے مزین ہوتا تھا، اس طرح حضرت شیخ اپنی علمی وروحانی خصوصیات کے ساتھ جلال وجمال کے پیکر معلوم ہوتے تھے۔

راقم سے حضرت شیخ کا تعلق ومحبت

حضرت شیخ سے واقفیت مدرسہ فیض ہدایت رحیمی رائے پور کے زمانہ قیام میں ۱۹۹۲ء سے ہوئی اور وہاں سے کئی مرتبہ ملاقات کے لیے سہارنپور حاضری بھی ہوئی، پھر حضرت شیخ سے تعلق ومحبت قائم ہوگئی اور حضرت شیخ بھی خصوصیت کا معاملہ کرنے لگے، کئی مرتبہ اپنے ساتھ کھانا کھلایا اور کھانے کے وقت میری طرف سے بے احتیاطی پر یہ بھی فرمایا کہ ''لقمہ لیتے وقت دوسرا ہاتھ نیچے کرلیا کرو، کہیں تم اتنے بڑے بزرگ ہو، جو میں تمہارا جھوٹا کھاؤں'' یہ حضرت شیخ کی شفقت ومحبت اور تربیت کی بات تھی۔

حضرت شیخ کے خطوط راقم کے نام

مگر جب راقم سطور شوال ۱۴۱۴ھ میں مدرسہ ضیاء العلوم میدان پور رائے بریلی میں گیا،

وہاں سے خط وکتابت کی ضرورت پڑی، اور وہاں سے اس لیے پہلا خط حضرت شیخ کی خدمت بابرکت میں تحریر کیا، جس میں دعاء کی درخواست کی اور نصیحت طلب کی، جس پر حضرت شیخ کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب آیا:

۱- عزیزم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اللہ پاک آپ کے علم وعمل میں برکت دیں، محنت ولگن کے ساتھ پڑھئے، اپنے اساتذہ کا ادب کیجئے، ان سے استفادہ کرتے رہئے۔ والسلام

۱۰/۱۲/۱۴۱۴ھ محمد یونس

راقم کی کتاب پر حضرت شیخ نے کلمات دعائیہ تحریر فرمائے

اس کے بعد جب ششماہی امتحان کی چھٹی میں گھر آیا ہوا تھا، تو حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے شفقت فرمائی، اور نامہ سیاہ نے اپنی کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' پر حضرت شیخ سے کچھ کلمات دعائیہ لکھنے کی فرمائش کی، جو اس وقت تک چھپی نہیں تھی، حضرت شیخ نے ازراہ شفقت یہ کلمات تحریر فرمائے۔

۲- بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الاولین والاخرین.

عزیزم مولوی محمد مسعود مظفری سلمہ نے اس رسالہ میں تجوید کے قواعد عام فہم اور آسان زبان میں جمع کئے ہیں، اللہ پاک ان کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور طلبہ کو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے، ان کے علم میں برکت وترقی دے۔

والسلام

۲۸/ربیع الاول ۱۴۱۵ھ محمد یونس

اس کے بعد رائے بریلی آ کر پھر حضرت شیخ کو ایک خط تحریر کیا، جس میں اپنے ایک خواب کا ذکر کیا، جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی تھی، یہ خواب حضرت شیخ کو تفصیل سے لکھا تھا اور اسکی تعبیر معلوم کرنا چاہی اور اپنے لیے دعا کی درخواست کی، جس پر حضرت شیخ کا یہ معزز اور مؤقر جواب شرف صدور لایا:

۳- عزیزم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خواب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر دلالت کرتا ہے؛ لیکن آپ کو دفن کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی اہم سنت چھوٹ رہی ہے، غور کریں اور سنتوں کا اہتمام کریں۔ والسلام

۲۸/۴/۱۴۱۵ھ محمد یونس

پھر غالباً شعبان میں حضرت شیخ رائے بریلی تشریف لائے، وہاں بھی شیخ نے شفقت فرمائی اور اس نامہ سیاہ کو یاد رکھا اور کتاب ''مختصر تجوید القرآن'' کے متعلق دریافت فرمایا کہ تمہارے رسالہ کا کیا ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ ابھی چھپا نہیں، پھر مدرسہ ضیاء العلوم کی مسجد میں دعاء وبیان کے بعد جب نکلنے لگے تو نامہ سیاہ جوتے لئے ہوئے تھا، فرمانے لگے ''او مغفل کہاں چلا گیا؟'' یہ کلمات حضرت شیخ کے مشفقانہ اور محبت آمیز ہیں، ان کے سننے میں بھی مزہ آتا ہے اور کوئی کہے تو برا لگتا ہے، مگر حضرت شیخ کے ڈانٹ کے کلمات بھی پر کشش ہوتے ہیں، اس کے بعد جب ۱۴۱۶ھ میں کتاب چھپ گئی اور حضرت کو پیش کی تو بہت داد دی اور خوش ہوئے اور بار بار فرمایا تو نے بہت اچھی ترتیب قائم کی، اس لئے کہ راقم نے کتاب میں سب سے پہلے حضرت مفکر اسلام کا مقدمہ لگایا تھا، پھر حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب باندوی کا، اس کے بعد حضرت شیخ کا، پھر دوسرے حضرات کا، اس لئے شیخ نے اس ترتیب کی تصویب فرمائی اور سراہا، اور دعائیں دیں۔

رمضان شریف میں رائے پور اپنے شیخ حضرت حافظ عبدالرشید صاحب کو قرآن شریف سنا رہا تھا اور حضرت موصوف کے حالات زندگی بھی قلم بند کر رہا تھا، حضرت حافظ صاحب سے متعلق جہاں دوسرے معاصرین کو خطوط لکھے، حضرت شیخ کو بھی لکھا اور حضرت شیخ کی حضرت حافظ صاحب سے متعلق رائے معلوم کرنا چاہی، جس پر حضرت شیخ کا یہ مکتوب گرامی ملا:

۴- عزیزم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی کارڈ ملا، مجھے حافظ عبدالرشید صاحب کے متعلق صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ وہ حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نوراللہ مرقدہ کے خلفاء میں ہیں اور دھرادون کے دیہاتوں میں خدمت کرتے ہیں اور فائدہ ہو رہا ہے۔

والسلام

۱۵ر رمضان ۱۴۱۵ھ　　محمد یونس

پھر آئندہ سال ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درجہ عالیہ ثانیہ میں مشکوۃ شریف پڑھنی تھی، میرے ذہن میں آیا کہ حضرت شیخ سے مشکوۃ شریف کا افتتاح کرایا جائے، چنانچہ نامہ سیاہ شروع شوال میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی اس دلی خواہش کا اظہار کیا، حضرت شیخ نے شفقت فرمائی اور اپنی کتاب دی اور مشکوۃ شریف کی پہلی حدیث پڑھا کر افتتاح فرمایا اور حدیث مسلسل بالاولیۃ کی اجازت مرحمت فرمائی اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔

شوال ۱۴۱۵ھ میں راقم سطور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے داخل ہوا، جب اسباق شروع ہوگئے تو اپنی تعلیمی مشغولیات، اسباق اور کتابوں کی تفصیل حضرت شیخ کو لکھی اور دعاؤں کی درخواست کی اور علم نافع اور مقاصد میں کامیابی کی

دعا کے لیے تحریر کیا، جس پر یہ شفقت نامہ آیا:

۵- عزیزم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا، خیریت معلوم ہوئی، اسباق کی تفصیل سے خوشی ہوئی، اللہ پاک علم نافع عطا فرمائے اور مقاصد حسنہ پورے کرے۔ والسلام

۲۶/۱۱/۱۴۱۵ھ　　محمد یونس

حضرت شیخ کی قیام گاہ پر قیام اور حضرت شیخ کی راقم کی کتاب پر تقریظ

اس کے چند ماہ بعد ششماہی امتحان کی چھٹی میں جب وطن آیا ہوا تھا، تو ایک روز ۳۰ر ربیع الاول ۱۴۱۶ھ پیر کو حضرت شیخ کا مہمان ہوا اور حضرت شیخ کی قیام گاہ پر ہی ٹھہرا، رات میں وہیں اپنی زیر تصنیف کتاب ''بچوں کی تمرین التجوید'' مکمل ہوئی، جس پر صبح کو ناشتہ کے بعد حضرت شیخ سے کلمات دعائیہ لکھنے کی درخواست کی، حضرت شیخ نے بڑی محبت سے مندرجہ ذیل ارشادات عالیہ تحریر فرمائے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الاولین والآخرین:

بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنے کی بڑی ضرورت ہے، اگر ابتداء میں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو اس کا ازالہ بعض وقت دشوار ہو جاتا ہے۔

اس لیے عزیزی مولوی مسعود ندوی نے ایک مختصر رسالہ ''بچوں کی تمرین التجوید'' لکھا جس میں حروف شناسی اور تجوید کے ابتدائی اصول کو آسان طرز پر ذہن نشین کرانے کی

کوشش کی ہے، اللہ پاک قبول فرمائے اور عزیز موصوف کے علم میں ترقی دے۔

یکم ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ　　　محمد یونس

اس کے چند ماہ بعد پھر حضرت شیخ کو خط لکھا، جس میں اپنے مطالعہ ومذاکرہ کے شوق کے بارے میں لکھا اور نصیحت طلب کی، نیز دعاؤں کی درخواست کی، جس پر حضرت شیخ کا یہ معزز نامہ موصول ہوا:

۶-　　عزیزم سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱- مطالعہ کا شوق مبارک، تکرار ومطالعہ سے کچھ نہ کچھ ذہن میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

۲- نماز میں خشوع مطلوب ہے، جو کچھ پڑھیں اس کی طرف دھیان رکھیں۔

۳- آپ کے مقاصد حسنہ کی تکمیل کی دعا کر رہا ہوں۔

حضرت مولانا (سید ابوالحسن علی ندوی) سے سلام مسنون کہہ دیں۔

والسلام

۱۴۱۶/۸/۹ھ　　　محمد یونس

اس کے بعد بھی خط وکتابت ہوتی رہی، مگر میرے کاغذات میں یہی چند خطوط حضرت شیخ کے مل پائے جن کو تحریر کیا گیا، باقی حضرت شیخ کی توجہات اور ان کی شفقتیں دن بدن بڑھتی گئیں اور اس نامہ سیاہ کا بھی یہ عالم ہو گیا کہ یا تو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر طبیعت لگتی یا پھر حضرت شیخ کی خدمت بابرکت میں، حضرت مفکر اسلام کے انتقال کے بعد بس حضرت شیخ سے ہی دل بستگی رہی، یا پھر ۲۰۰۰ء میں جب راقم سطور پاکستان گیا تو لاہور میں حضرت سید انور شاہ نفیس حسینی (خلیفہ حضرت رائے پوریؒ) کی خدمت میں بیٹھ کر وہ لذت محسوس ہوئی اور انہوں نے بھی ملاقات پر برجستہ فرمایا کہ آپ میں سے رائے پور اور رائے بریلی کی خوشبو

آ رہی ہے، جس پر مجھے بھی بے حد خوشی ہوئی، غرضیکہ حضرت شیخ سے جب بھی ملاقات ہوتی اور حضرت مفکر اسلام کا تذکرہ ہوتا تو حضرت شیخ کی طبیعت کھل جاتی اور پھر حضرت مفکر اسلام کا تذکرہ جمیل طویل تر ہو جاتا اور حضرت شیخ کو بھرپور لطف آتا۔

راقم پر حضرت کی عنایات وشفقتیں

راقم آثم نے جب ۱۹۹۸ء حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے ایماء پر ''سیرت حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی'' تحریر کی، تو اس کتاب کا مسودہ اور اس کی فہرست حضرت شیخ کی خدمت میں پیش کی، جس میں بعض جگہ حضرت شیخ نے ترمیم بھی کی، جب راقم نے عربی میں ''ریاض البیان فی تجوید القرآن'' لکھی تو حضرت شیخ نے اس کی تمہید دیکھ کر فرمایا کہ اس میں تسلسل نہیں اور رہنمائی فرمائی، ایک مرتبہ بعض علماء کے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری ہوئی تو مجھ کو انگور دئے اور فرمایا چل اپنے ساتھیوں کو بھی کھلا، ایک مرتبہ شیخ کے پاس حاضر ہوا اور ہدیہ میں ایک ہزار کی رقم دینا چاہی، تو فرمایا کہ یہ تو زیادہ ہے، میں نے اطمینان دلایا، پھر قبول فرمالئے، ایک مرتبہ صبح کے وقت پہنچا، دو لوگ پہلے سے بیٹھے تھے، شیخ فرمانے لگے بھائی قرآن پڑھا کرو، پھر ہر ایک سے معلوم کرنے لگے کہ کتنا قرآن پڑھتے ہو، جب میرا نمبر آیا تو مجھ پر آ کر رک گئے اور فرمانے لگے ''مسعود! میں گارنٹی سے کہتا ہوں کہ تو قرآن نہیں پڑھتا اور کئی مرتبہ فرمایا'' اور بات بھی صحیح تھی، اس زمانے میں راقم روزانہ قرآن کریم کی تلاوت نہیں کر رہا تھا۔

ایک مرتبہ راقم لکھنؤ سے آیا، حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لکھنؤ سے کسی کا سلام پہنچایا کہ فلاں صاحب نے سلام عرض کیا، شیخ نے از راہ ظرافت فرمایا کہ یہ اختصار مسلم کی طرف سے ہے یا مبلغ کی طرف سے؟ غرضیکہ حضرت شیخ کی بہت سی بے تکلفی اور محبت کی باتیں ہیں جو یاد آئیں تحریر کر دی، بعض تحریر کے لائق نہیں، مگر ادھر

چندسالوں سے جب سے راقم نے ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی قائم کیا، اس کی مشغولیات اور اپنی کاہلی کی وجہ سے حضرت شیخ سے ملاقات اوران کی خدمت میں حاضری میں کوتاہی واقع ہوگئی، اگرچہ کئی مرتبہ جانا بھی ہوا، بعض مرتبہ ملاقات ہوئی، بعض مرتبہ نہیں ہوئی۔

رمضان کے مقدس ایام میں حضرت شیخ کی خدمت میں حاضری

ایک مرتبہ رمضان ۱۴۳۲ ہجری میں کئی بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا، ایک روز رات میں حضرت شیخ کی خدمت میں بھی حاضر ہوا، جس کی تفصیل عید کے بعد ماہنامہ ''نقوش اسلام'' میں ''رمضان کے مقدس ایام میں بزرگان دین کی خدمت میں حاضری'' کے عنوان سے تحریر کی جو ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے شمارہ ۷/۸ر جلد نمبر ۶ر بابت ستمبر/اکتوبر ۲۰۱۱ء میں شائع ہوئی، وہ تحریر یہاں نقل کی جارہی ہے: ''راقم نے تراویح کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا یونس صاحب سے ملاقات کرنا چاہی، چنانچہ حضرت کی قیام گاہ پر پہنچا، حضرت شیخ بھی تراویح سے اسی وقت فارغ ہوئے تھے، مجلس میں درود وسلام پڑھا جارہا تھا، اس میں شرکت ہوئی، اس کے بعد حضرت شیخ نے دعا کرائی، حضرت شیخ کے پاس بھی تقریباً ۱۰۰ر سے قریب علماء ٹھہرے ہوئے تھے، جو ہندوستان کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی، مصافحہ ہوا، حضرت شیخ کو کچھ ہدیہ دینا چاہا تو فرمانے لگے کہ بھائی میں شکی آدمی ہوں، مجھے مدرسہ والوں سے ہدیہ لیتے ہوئے ڈر لگتا ہے، ناکارہ نے وضاحت کی کہ یہ میں اپنی ذاتی رقم میں سے دے رہا ہوں، اس کا مدرسہ سے کوئی تعلق نہیں، اس کے بعد دیکھ کر فرمایا کہ یہ تو زیادہ ہے، راقم نے عرض کیا کوئی زیادہ نہیں، حقیر سا ہدیہ ہے، تو قبول فرمالیا، اس کے بعد دعا کی درخواست کرکے اور مصافحہ کرکے رخصت ہوگیا''۔

حضرت شیخ کوادنی ساخراج عقیدت

حضرت شیخ کافی معذور ہوگئے تھے، اپنی قیام گاہ پر ہی نماز پڑھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت کو حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کا سچا جانشین بنایا تھا، اللہ نے حضرت کو جو علم، روحانیت عطا کی ہے، اس کی بنا پر ہمارے بعض بزرگوں کا تو یہ کہنا ہے کہ سارے علماء دیوبند کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور حضرت شیخ کو دوسرے پلڑے میں تو حضرت مولانا محمد یونس صاحب کا پلڑا ہی بھاری رہے گا (واللہ اعلم) ناکارہ کے اوپر حضرت شیخ کی خاص توجہ وشفقت تھی، اس لئے حضرت شیخ کے حالات پر یہ مختصر سی تحریر پیش کرکے حضرت شیخ کو ادنی سا خراج عقیدت پیش کرنے کی ایک ادنی سی کوشش کی، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ کے درجات کو بلند فرمائے، اپنے اعلی علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے، اوراس نامہ سیاہ کو اپنے پاک لوگوں میں شامل فرمائے۔